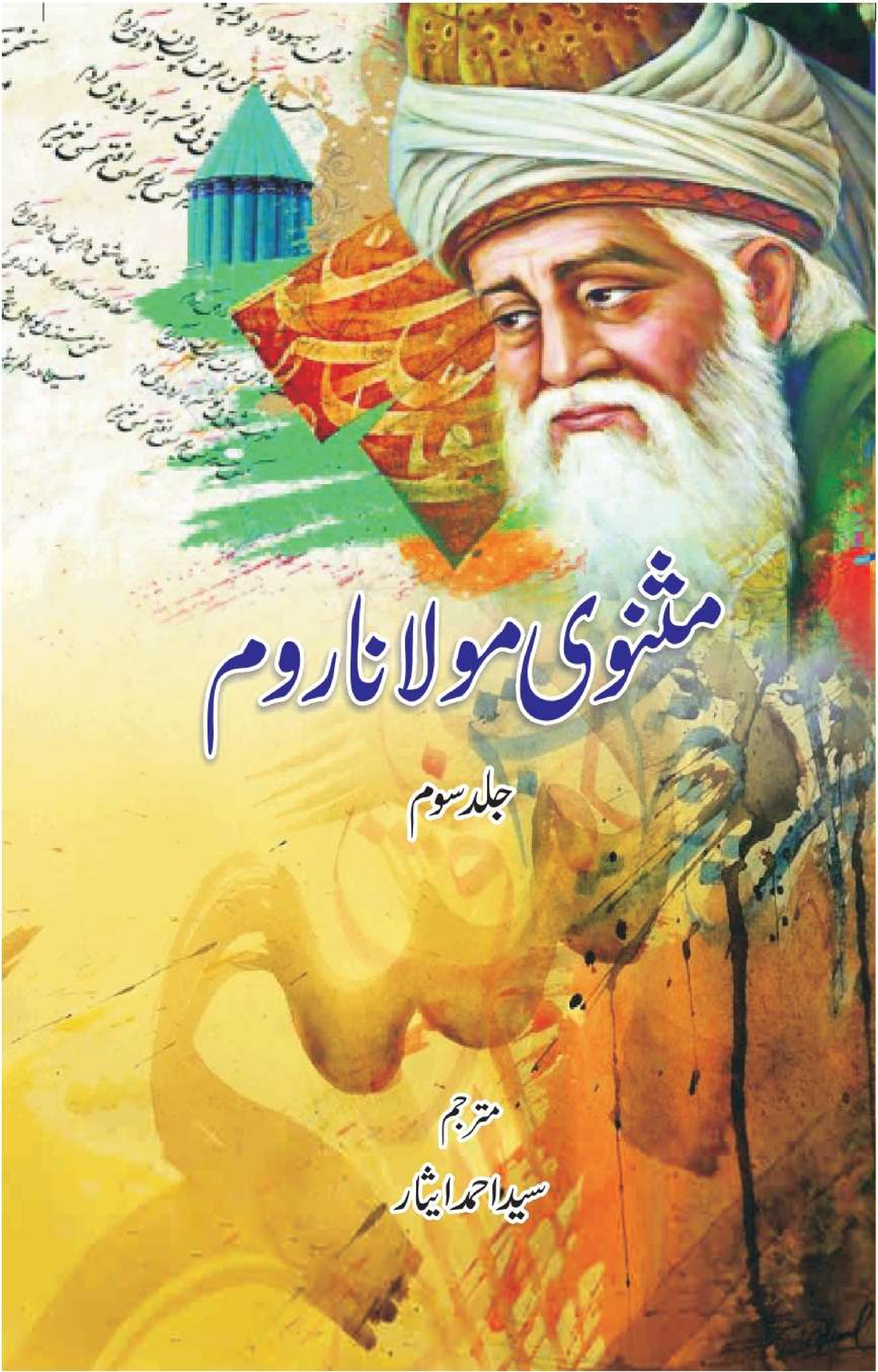

مثنوی مولانا روم

جلد سوم

مترجم

سید احمد ایثار

مثنوی مولانا روم

جلد سوم

مترجم

سید احمد ایثار

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی ـ 110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت :
تعداد :
قیمت : روپے
سلسلہ مطبوعات :

Masnavi Maulana Room

Translated by: Syed Ahmad Esar

ISBN :

پیش لفظ

افراد و اجتماع کی ترقی آگہی اور معلومات سے مشروط ہے اور آگہی کے تمام دروازے کتابوں کے ذریعے ہی کھلتے ہیں۔ کتابیں ہمیں روشنی کی ایک نئی دنیا سے روشناس کراتی ہیں اور ہمارے احساس واظہار کوتحریک عطا کرتی ہیں۔مگر صارفی معاشرت نے ہماری ترجیحات بدل دی ہیں۔کتابوں سے ذہنوں کا رشتہ کمزور پڑتا جارہا ہے۔ڈیجیٹل ٹکنالوجی کی وجہ سے متبادل قرأت کی ایک نئی صورت جنم لے رہی ہے۔اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مطبوعہ کتابوں کی معنویت کم نہیں ہوئی بلکہ کتابیں ہمیشہ زندہ رہیں گی کیونکہ مطبوعہ کتابوں کے لمس کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ای بکس نے گوکہ قاری کا ایک نیا طبقہ پیدا کیا ہے مگر مطبوعہ کتابوں سے آج بھی دنیا کی بڑی آبادی کا رشتہ قائم ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ حسب سابق جاری وساری ہے۔

علمی اور تہذیبی ورثے کا تحفظ ہمیشہ سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے اور ہمارے ارباب نظر نے اس کے تحفظ کے لیے مختلف صورتیں بھی نکالی ہیں۔قومی اردو کونسل بھی ایک ایسا ادارہ ہے جس نے علمی اور تہذیبی وراثت کے تحفظ کے لیے مختلف علوم وفنون کی نہ صرف کتابیں شائع کی ہیں بلکہ ''ای کتاب'' کے ذریعے بھی اس کے تحفظ کی ایک نئی صورت نکالی ہے۔قومی اردو کونسل نے

جہاں لسانیات، ادبیات، تکنیکی و سائنسی علوم، ریاضیات، شماریات اور دیگر علوم کی فرہنگ و اصطلاحات، کلاسیکی ادب پاروں، نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ قائم رکھا ہے وہیں ''ای کتاب'' اور'' ای لائبریری'' کے ذریعے اہم کتابوں کے تحفظ کی بھی کوشش کی ہے۔ کونسل نے ذولسانی (اردو اور انگریزی) ایپ ''ای کتاب'' تیار کیا ہے جس میں گلوبل لینگویج سپورٹ کے علاوہ انٹریکٹو فہرست کے ذریعے مطلوبہ باب تک رسائی اور الفاظ کے معانی دیکھنے کی سہولت بھی موجود ہے۔ کونسل سے شائع شدہ اہم کتابیں اس کی ویب سائٹ (ای لائبریری) پر موجود ہیں تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ کونسل کی اہم مطبوعات سے استفادہ کرسکیں۔ قومی اردو کونسل نے کم قیمت پر اردو زبان و ادب کا سرمایہ شائقین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اور کونسل اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہے کہ اس کی کتابیں صرف برصغیر نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ کونسل ترجیحی طور پر ان کتابوں کی اشاعت کرتی ہے جس کے ذریعے ہم حیات و کائنات کے رموز و اسرار، آداب زندگی اور قرینۂ اظہار سے اچھی طرح واقف ہوسکیں۔

یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اساتذہ اور طلبا کے علاوہ عام قارئین کے لیے بھی بے حد مفید ثابت ہوگی۔

شیخ عقیل احمد

ڈائرکٹر

فہرست

	مقدمہ	xvii
1	تمہید: ضیاء الحق	1
2	لالچ کی وجہ سے ہاتھی کے بچوں کو کھانے والوں کا قصہ اور نصیحت......	5
3	ہاتھی کے بچوں کے درپے ہونے والوں کے قصہ کا بقیہ	6
4	ہاتھی کے بچوں کی حکایت کی طرف واپسی	8
5	دوستوں کی غلطی کے بیان میں......بات سے بہتر ہے	10
6	اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دینا کہ مجھے اس منھ سے پکار......	10
7	اس کا بیان کہ نیاز مند کا اللہ کہنا، اللہ کا لبیک کہنا ہے	11
8	ایک دیہاتی کا ایک شہری کو فریفتہ کرنا اور خوشامد اور عاجزی سے دعوت دینا	13
9	اہل سبا کا قصہ اور نعمتوں کا ان کو سرکش بنا دینا......فضیلت کا بیان	15
10	مصیبت زدوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرجا گھر پر......شفا کے لیے جانا	16
11	اہل سبا کا باقی قصہ	19
12	دیہاتی کی دعوت پر خواجہ کے گاؤں جانے کا قصہ	22

13	باز کا بطخوں کو پانی سے جنگل کی دعوت دینا اور بطخوں کا جواب	23
14	خواجہ اور دیہاتی کے قصہ کی طرف واپسی	23
15	ضروان والوں کا قصہ...... باغوں کے پھل بھی توڑ ڈالیں	25
16	خواجہ کا بچوں کے ساتھ گاؤں کو روانہ ہونا	26
17	خواجہ اور اس کی قوم کا گاؤں کی طرف جانا	28
18	مجنوں کا اس کتے کو نوازنا جو لیلیٰ کے کوچہ میں رہتا تھا	29
19	خواجہ اور اس کے متعلقین کا گاؤں میں پہنچنا......اور نا آشنا ٹھہرانا	31
20	مدعی کمال کو صاحب کمال اور عوام کی جانب سے...... بارے میں اشارہ	35
21	گیدڑ کا رنگ کے مٹکے میں گر جانا......مور ہونے کا دعویٰ کرنا	37
22	ایک شیخی خور کا ہونٹ اور موچھوں کو صبح کو دنبہ کے چمڑے سے چکنا کرنا......	37
23	بلعم باعور کا مطمئن ہو جانا کہ خدا نے اس کا امتحان کر لیا......	38
24	گربہ کا دنبہ کی کھال لے بھاگنا اور پہلوان کا رسوا ہونا	39
25	اس گیدڑ کا مور ہونے کا دعویٰ کرنا جو رنگریز کے مٹکے میں گر گیا تھا	39
26	فرعون کا خدائی کا دعویٰ کرنا اور اس گیدڑ کے مشابہ بتانا جس نے مور ہونے کا دعویٰ کیا	40
27	اور تم ان کو بات کے لہجہ سے پہچان لو گے کہ تفسیر منافقوں کے امتحان کے ذیل میں	41
28	ہاروت و ماروت کا قصہ اور اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر ان کی دلیری	41
29	بکری کو دیکھ کر بکرے کو مستی اور اس کے بالمقابل کوہ پر کودنا	42
30	ہاروت و ماروت کا مقام بشریت کی تمنا کرنا اور حق تعالیٰ کی غیرت	43
31	خواب میں فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کو دیکھنا اور اس کو روکنے کی تدبر کرنا	43
32	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو روکنے کی تدبیر کے لیے فرعون کا بنی اسرائیل کو میدان میں طلب کرنا	44
33	مثالاً ایک حکایت	45
34	حمل ہونے کی رات میں بنی اسرائیل کو ان کی عورتوں سے جدا کرنا......	45

35	عمران کا مادر موسیٰ علیہ السلام سے مجامعت اور حمل ٹھہرنا	46
36	صحبت کے بعد عمران کی بیوی کو نصیحت کرنا کہ میرے پاس نہ آنا	46
37	فرعون کا شور اور غل اور غوغا سے ڈرنا	47
38	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ستارے کا آسمان پر نمودار ہونا اور نجومیوں کا میدان میں شور و غل	47
39	فرعون کا بنی اسرائیل کی عورتوں کو مکاری سے میدان کی طرف بلانا جن کے حال میں بچے ہوئے تھے	49
40	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا اور سپاہیوں کا عمران کے گھر پہنچنا......اس کی حفاظت کروں گا	50
41	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے پاس پھر وحی آنا کہ اس کو پانی میں ڈال دے	50
42	اس سپیرے کا قصہ جس نے ٹھٹھرے سانپ کو مردہ سمجھا اور رسیوں سے باندھ کر اور لپیٹ کر بغداد میں لے آیا	51
43	فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو دھمکانا	56
44	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس دھمکی کا جواب دینا جو فرعون نے ان کو دی	56
45	فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس دن کی مہلت مانگنا	57
46	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو جواب	57
47	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا جواب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی آنا	57
48	فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مہلت دینا......جادوگروں کو جمع کرے	58
49	فرعون کا جادوگروں کو بلانے شہروں کی طرف لوگوں کو روانہ کرنا	60
50	دونوں جادوگروں کا ماں سے باپ کی قبر کو دریافت کرنا اور ان کا اس کی روح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اصلیت دریافت کرنا	61
51	مردہ جادوگر کا اپنے لڑکوں کو جواب دینا	62

52	قرآن مجید کو عصائے موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دینا......سویا ہوا پایا	63
53	شہروں سے جادوگروں کا فرعون کے پاس جمع ہونا......ذمہ لکھ دے	65
54	اندھیری رات میں ہاتھی کی شکل اور کیفیت میں اختلاف	66
55	حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹے کو بلانا اور اس کا سرکشی کرنا......نہ اٹھاؤں گا	68
56	ان دو حدیثوں میں تطبیق کرنا کہ کفر پر رضامندی کفر ہے......خدا تلاش کر لے	71
57	اس بیان میں ایک مثال کہ حیرت بحث وفکر سے مانع ہے	72
58	حکایت	72
59	ایک عاشق کا عشق نامہ میں مشغول ہونا وغیرہ......	73
60	اس شخص کا قصہ جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں دن رات دعا اور عاجزی کرتا تھا......	76
61	اس عاجزی کے ساتھ دعا کرنے والے کے گھر میں گائے کا دوڑ کر آنا...... عاجزی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز......مدد چاہنا	78
62	اس بیان میں کہ علم کے دو باز و اور شک کا ایک باز و ہے	79
63	انسان کا لوگوں کی تعظیم کرنے اور معتقدین کی اس طرف رغبت......	79
64	اس کا بیان کہ اصل فطرت میں لوگوں کی عقلوں میں فرق ہے......زبان کی فصاحت	80
65	مکاری سے بچوں کا استاد کو وہم میں ڈالنا	81
66	فرعون کا لوگوں کی تعظیم کے وہم سے بیمار ہونا	81
67	وہم اور خیال کی وجہ سے پڑھانے والے استاد کا بیمار ہونا	82
68	استاد کا بستر پر لیٹ جانا اور بیماری کے وہم سے رونا	82
69	بچوں کا استاد کو دوبارہ وہم میں مبتلا کر دینا......اور بڑھ جائے گا	83
70	اس مکاری کی وجہ سے بچوں کا چھٹکارا حاصل کرنا اور ماؤں کا ان سے پوچھنا	83
71	صبح کو بچوں کی ماؤں کا استاد کی مزاج پرسی کے لیے جانا	84
72	اس کا بیان کہ جسم، روح کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے اور یہ ہاتھ روح کے ہاتھ کی آستین ہے وغیرہ......	84

73 اس درویش کا قصہ جو پہاڑ میں خلوت نشیں ہو گیا......مجھ سے انسیت کرے 85
74 سنار کا انجام کار کو دیکھنا اور ترازو مانگنے والے سے انجام کے مطابق بات کہنا 85
75 پہاڑ میں رہنے والے عبادت گزار کا قصہ......گرا دے گی 86
76 قضا خداوندی کے جال کی تشبیہ جو ظاہر میں پوشیدہ وا ثر پیدا 87
77 اس عہد کرنے والے درویش کا درخت سے امرود توڑنے پر مجبور ہو جانا...... 88
78 اس درویش کو چوروں کے ساتھ متہم کرنا اور اس کا ہاتھ کاٹنا 89
79 ٹنڈے شیخ کی کرامت اور تنہائی میں ان کا دونوں ہاتھوں سے جھولی بننا 90
80 فرعون کے جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کٹ جانے پر جرأت کا سبب 91
81 اونٹ سے خچر کا شکایت کرنا......اور اس کا جواب دینا 92
82 اللہ تعالیٰ کے حکم سے بوسیدہ ہو جانے کے بعد عزیر علیہ السلام کے گدھے کے اجزا جمع ہو جانا......آنکھوں کے سامنے جڑ جانا 93
83 ایک شیخ بزرگوار کا اپنی اولاد کے مرنے پر جھلاہٹ کا اظہار نہ کرنا 93
84 اولاد کی موت پر نہ رونے سے متعلق شیخ کا عذر بیان کرنا 94
85 ایک نابینا شخص کا قرآن پڑھتے وقت قرآن کو دیکھ کر پڑھنا......حکم سے بینا ہو جانا 96
86 لقمان علیہ السلام کا سوال سے صبر کرنا جبکہ انھوں نے دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کے حلقے بنا رہے تھے 97
87 نابینا اور اس کے دیکھ کر قرآن پڑھنے کے قصہ کا بقیہ 97
88 بعض اولیا کا بیان جو خدائی احکام پر راضی ہیں......اے خدا یہ حکم لوٹا دے 98
89 حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کا اس ولی درویش سے دریافت کرنا 99
90 دقوقی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کرامات کا قصہ 101
91 دقوقی رحمتہ اللہ علیہ کا اللہ کی طرف رجوع 102
92 قربت اور نبوت کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کا......تلاش کرنے کا راز 103
93 دقوقی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف رجوع 103

94	ساحل کی جانب سات شمعیں جیسی نظر آنا	104
95	ان سات شمعوں کا ایک شمع سا ہو جانا	104
96	اس شیخ کی نظر میں ان سات شمعوں کا سات مرد ظاہر ہونا	105
97	ان شمعوں کا پھر سات درخت بن جانا	105
98	ان درختوں کا لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو جانا	105
99	ان کی نگاہ میں ان سات درختوں کا ایک درخت ہو جانا	107
100	ان سات درختوں کا سات مرد بن جانا	108
101	دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کا اس قوم کی امامت کے لیے آگے بڑھنا	109
102	اس غیبی قوم کی امامت کے لیے دقوقی رحمتہ اللہ علیہ کا آگے بڑھنا	111
103	اس قوم کا دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے اقتدا کرنا	112
104	اللہ تعالیٰ کے محاسبہ کی ہیبت......اور شفاعت چاہنے کا بیان	113
105	نماز کی حالت میں دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کا کشتی والوں کے ڈوبنے میں فریاد سننا	114
106	محتاط انسان کے خیالات	115
107	اس کشتی کی نجات کے لیے دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا اور شفاعت	115
108	ان لوگوں کا دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا......زمین میں چھپ گئے	119
109	حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بغیر مشقت کے حلال روزی طلب کرنے والے کی حکایت......دعا کا قبول ہونا	120
110	دونوں فریق کا حضرت داؤد......کے سامنے جانا	120
111	حضرت داؤد علیہ السلام کا باہر نکل کر آنا اور دونوں فریق کی بات سننا......اس کا جواب	123
112	گائے ذبح کرنے والے کے خلاف حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ	124
113	اس شخص کا حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ پر خدا کے سامنے فریاد کرنا	124
114	حضرت داؤد علیہ السلام کا تنہائی میں چلے جانا تا کہ جو صحیح بات ہے واضح ہو جائے	125
115	حضرت داؤد علیہ السلام کا گائے کے مالک کے خلاف فیصلہ......ملامت کرنا	126

116	حضرت داؤد علیہ السلام کا گائے والے کو حکم دینا کہ سارا مال اس کو بخش دے	126
117	حضرت داؤد علیہ السلام کا لوگوں کو اس جنگل کی طرف بلانے کا ارادہ کرنا......	127
118	ظالم پر دنیا میں بھی ہاتھ پاؤں اور زبان کا گواہی دینا	128
119	لوگوں کا اس درخت کی طرف باہر آنا	129
120	دلیل قائم کرنے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کا قاتل پر قصاص کا حکم فرمانا	130
121	اس بیان میں کہ آدمی کا نفس اس قاتل کی جگہ پر ہے...... مالدار ہو سکتا ہے	131
122	بیوقوفوں کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہاڑی کی بلندی پر بھاگ کر جانا اور ایک شخص کا ان کے پیچھے جانا اور سوال کرنا	134
123	اہل سبا اور ان کی بیوقوفی اور انبیا کی نصیحت کا ان پر اثر نہ کرنے کا قصہ	135
124	اس دور تک دیکھنے والے اندھے اور اس تیز سننے والے بہرے اور لمبے دامن والے ننگے کی شرح	137
125	سبا شہر کی خوشحالی اور ان کی ناشکری کا بیان	138
126	اہل سبا کی نصیحت کے لیے پیغمبروں کا آنا	139
127	قوم کا پیغمبروں سے (سلام ان پر) معجزہ مانگنا	141
128	قوم کا انبیا علیہم السلام پر تہمت لگانا	142
129	ان خرگوشوں کا قصہ کہ ایک خرگوش کو ہاتھی کے پاس قاصد...... مذکور ہے	143
130	انبیا کا ان کے اعتراض کا جواب دینا اور ان کی مثال بیان کرنا	143
131	اس کے بیان میں کہ ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ مثال بیان کرے خصوصاً اللہ کے کام میں	145
132	قوم نوح علیہ السلام کا حضرت نوح علیہ السلام کے...... میں مثال بیان کرنا	146
133	اس چور کی حکایت جس سے دریافت کیا کہ تو آدھی رات میں اس دیوار کے پاس کیا کر رہا ہے؟......	146
134	خرگوش کے قاصد بننے کی مثال جو منکروں نے بیان کی اس کا جواب	147
135	پختہ کاری کے معنی کا بیان اور پختہ کار انسان کی مثال	148

136	اس پرندے کے حال کی تباہی جس نے حرص ولالچ سے پختہ کاری چھوڑ دی	149
137	حکایت، کتوں کا ہر جاڑے میں منت ماننا کہ جب گرمی آئے گی تو ہم جاڑوں کے لیے گھر بنائیں گے	151
138	منکروں کا انبیا علیہم السلام کو نصیحت کرنے سے روکنا......نامناسب کہنا	151
139	جبریوں کو انبیا علیہم السلام کا جواب دینا	152
140	منکروں کا جبریوں کی دلیلوں کو دہرانا	153
141	انبیا کا پھر جبریوں کو جواب دینا	153
142	قوم کا انبیا پر مکرر اعتراض کرنا	154
143	انبیا کا پھر ان کو جواب دینا	155
144	دوزخ کو اس عالم میں اور قید خانے کو اس عالم میں پیدا کرنے کی حکمت......	156
145	اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ نے بادشاہوں کی صورت ان متکبروں کو تابع بنانے کے لیے بنائی ہے......	157
146	کھانے سے خالی دسترخوان پر ایک صوفی کے عشق کا قصہ	158
147	حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے سے خدائی پیالہ پینے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سے اللہ تعالیٰ کی خوشبو حاصل کرنے میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی خصوصیت......	159
148	ایک حاکم کے اس غلام کا قصہ جو کہ اللہ تعالیٰ کی نماز اور سرگوشی سے بہت محبت رکھتا تھا	160
149	انبیا علیہم السلام کا منکروں کے قبول اور پذیرائی سے ناامید ہونا......	161
150	اس کا بیان کہ ایمان امید وبیم میں ہے	162
151	حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رومال کو تنور میں ڈالنا اور اس کے نہ جلنے کا قصہ	163
152	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے قافلہ کی فریاد پہنچنے کا قصہ جو پیاس سے اور پانی نہ ہونے سے عاجز ہو گیا تھا......	164
153	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے اس غلام کی مشک کا بھر جانا اور خدا کے حکم سے اس غلام کا چہرہ سفید ہو جانا	166

154	آقا کا اپنے غلام کو سفید چہرے والا دیکھنا اور نہ پہچاننا......ڈال دیا ہے	166
155	اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے اور زمین وآسمان واعیان وعرض سب درخواست اور حاجت کی بنا پر پیدا کیے......گواہ بنایا ہے	168
156	ایک کافر کا دودھ پیتے بچے کو لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اور اس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے بولنا	169
157	باز کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے کو ہوا میں لے اڑنا اور اوندھا کرنا......	170
158	اس حکایت سے عبرت حاصل کرنے کا پہلو......تنگی کے ساتھ سہولت ہے	171
159	حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص کا چوپایوں اور پرندوں کی زبان سیکھنے کی درخواست......	171
160	اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی آنا کہ اس کو کچھ تھوڑا سا سکھا دو جس کی وہ درخواست کرتا ہے	172
161	اس طالب انسان کا گھریلو مرغ اور کتے کی زبان سیکھنے پر قانع ہو جانا......	174
162	مرغ کا کتے کو جواب	174
163	تین وعدوں کے جھوٹے ہو جانے سے مرغ کا کتے کے سامنے شرمندہ ہونا	175
164	مرغ کا آقا کے مرنے کی خبر دینا	176
165	اس شخص کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف پناہ کے لیے دوڑنا......موت کی خبر سنی	177
166	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس شخص کی سلامتی ایمان کی دعا کرنا	178
167	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو خدائے تعالیٰ کا قبول فرمانا	178
168	اس عورت کی حکایت جس کی اولاد نہ جیتی تھی......قائم مقام ہے	179
169	حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لڑائی میں بغیر زرہ کے آنا	180
170	ان لوگوں کو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب	180
171	خرید وفروخت میں دھوکا کھا جانے کے دفعیہ کی تدبیر	183
172	حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوشی اور مستی کی حالت میں وفات پانا	184
173	موت کی وجہ سے تن کے ویران ہونے کی حکمت	185

174 تشبیہ دنیا کی جو بظاہر وسیع وبمعنی تنگ ہے......تنگی سے نجات ہے 186
175 اس کا بیان کہ جو کچھ غفلت وسستی اور تاریکی ہے جسم کی وجہ سے ہے...... 187
176 نص کے قیاس کے ساتھ تشبیہ 187
177 شیخ کی زبان سے حکمت کے فیض کے وقت سننے والوں اور مریدین کے آداب 188
178 ہر جانور کا اپنے دشمن کی خوشبو کو پہچاننا......مقابلہ ممکن نہیں ہے 189
179 کسی چیز کو مثال اور علم تقلید سے جاننے میں اور اس کی حقیقت کے جاننے میں فرق 190
180 ایک چیز کے بارے میں اقرار اور انکار کا جمع ہونا......کی وجہ سے ہے 191
181 کامل درویش کی فنا اور بقا کا معاملہ 192
182 صدر جہاں کے وکیل کا قصہ......آسان ہوتا ہے 193
183 حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آدمی کی صورت میں غسل اور برہنگی کی حالت میں 194
حضرت مریم علیہ السلام کے سامنے رونما ہونا اور ان کا اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا
184 حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت مریم علیہ السلام سے کہنا......اور نہ چھپ 197
185 محبت کی وجہ سے اس وکیل کا ارادہ کر لینا کہ لاپرواہ ہو کر بخارا واپس آجائے گا 198
186 ایک معشوق کا عاشق سے دریافت کرنا کہ کون سا شہر بہتر ہے......جواب دینا 199
187 دوستوں کا اس کو بخارا واپس جانے سے منع کرنا اور ڈرانا...... پروانہیں ہے 199
188 عاشق کا عشق کی وجہ سے لاپرواہی کے ساتھ ناصح اور ملامت گر کو جواب دینا 200
189 اس عاشق کا بخارا کی جانب رخ کرنا 202
190 اس بے نیاز عاشق کا بخارا میں آنا......ہونے سے ڈرانا 202
191 عاشق کا ملامت کرنے والے گروہ اور ڈرانے والوں کو جواب دینا 203
192 عاشق کا معشوق کے پاس پہنچنا جبکہ اس نے جان سے ہاتھ دھو لیے 204
193 اس مسجد کی بات جو مہمان کو مار ڈالتی تھی......مہمان کا بیان 205
194 ایک مہمان کا اس مسجد میں آنا 205
195 مسجد والوں کا عاشق کو رات میں اس جگہ پر سونے میں ملامت کرنا اور ڈرانا 206

196	عاشق کا نصیحت کرنے والوں اور ملامت گروں کو جواب دینا	206
197	اس کا بیان کہ جالینوس کا عشق اس دنیاوی زندگی......خدا کے لیے ہے	207
198	مسجد والوں کا مہمان کو رات میں مسجد میں سونے پر ملامت کرنا	209
199	شیطان کا قریش کو احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنگ کے لیے کہنا......	211
200	مہمان کو مار ڈالنے والی مسجد کے مہمان کو ملامت گروں کا مکرر نصیحت کرنا	213
201	مہمان کا ان کو جواب دینا......نقارے کو بجاتے تھے	214
202	مصیبت میں مومن کے بھاگنے اور......رو کنے کے ساتھ	217
203	مومن کے صابر ہونے کی مثال جبکہ وہ مصیبت کے راز سے واقف ہو جائے	219
204	بی بی کا چنے سے عذر کرنا اور بی بی کا چنے کو جوش دینے کی حکمت کا بیان کرنا	219
205	اس مہمان کو مار ڈالنے مسجد کے مہمان کا قصہ......اور جماؤ کا قصہ	220
206	کم سمجھ لوگوں کی بداندیشی کے خیال کا ذکر	221
207	اس حدیث کی تفسیر کہ قرآن کا ظاہر اور باطن ہے......سات باطنوں تک	222
208	اس کا بیان کہ اولیا اور انبیا علیہم السلام کا پہاڑوں اور غاروں میں جانا اپنے آپ کو پوشیدہ کرنے کے لیے......	222
209	اولیا کی صورت اور اولیا کے کلام کی صورت کی تشبیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دم کرنے کی صورت سے	223
210	اللہ تعالیٰ کے قول اے پہاڑوں اور پرندوں اس کے ساتھ جوابی بنو کی تفسیر	224
211	اپنی سمجھ کی کوتاہی کی وجہ سے مثنوی پر اعتراض کرنے والوں کا جواب	224
212	سائیسوں کی سیٹی بجانے سے گھوڑے کے بچھڑے کے پانی سے بھڑکنے کی مثال دینا	225
213	مہمان اور مہمان کو قتل کرنے والی مسجد کے قصہ کا بقیہ	226
214	اس آیت کی تفسیر اور ان پر سوار اور پیادے چڑھا......مگر دھوکے کا	227
215	مسجد کے مہمان کو آدھی رات میں جادو کی آواز کا پہنچنا	228
216	اس عاشق کا صدر جہاں سے ملنا	229

217 ہر عنصر کا اپنی اس جنس کو کھینچنا......میں پھنسی ہوئی ہے 231
218 جان کا بھی عالم ارواح کی جانب کھینچنا 232
219 ارادوں کو فسخ کرنا اور ان کو منسوخ کرنا......تنبیہ ہو جائے 233
220 آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدیوں کو دیکھنا اور مسکرانا......کھنچی جاتی ہے 234
221 اس آیت کی تفسیر اگر تم فتح طلب کرتے تھے تو بیشک فتح ہو گی......فاتح بن گیا 235
222 اس کا راز کہ بغیر پورا کیے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیبیہ سے واپس آنے کو اللہ تعالیٰ نے فتح کا لقب دیا......مکمل کرنا ہے 236
223 آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تفسیر یونس بن متیؑ پر مجھے فضیلت نہ دو 236
224 خوشی پر ان کی طعنہ زنی سے آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقف ہو جانا 237
225 آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان قیدیوں کے دل کی بات سمجھ جانا 238
226 اس کا بیان کہ سرکش عین غلبہ میں مغلوب ہے اور عین فتح مندی میں قیدی ہے 239
227 معشوق کا عاشق کو جذب کرنا......طلب کی ہمیشگی کے 241
228 عاشق بخاری کا صدر جہاں کی خدمت میں پہنچنا 241
229 مچھر کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ہوا کی فریاد کرنا 242
230 مظلوم مچھر کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکم دینا کہ مدعا علیہ کو کچہری میں حاضر کرے 243
231 معشوق کا اپنے بے ہوش عاشق کو نوازنا تاکہ وہ ہوش میں آ جائے 244
232 بے ہوش عاشق کا ہوش میں آنا اور معشوق کی تعریف اور شکر کی طرف متوجہ ہونا 246
233 لمبے ہجر والے بہت امتحان میں مبتلا عاشق کا قصہ 248
234 عاشق، معشوق کو پا لینا......وہ اس کو دیکھے گا 250

مقدمہ

بیسویں صدی کے تیسرے دہے کاوہ کون سا سال تھا یاد نہ رہا۔ بنگلور چھاؤنی کی میسور لانسرز کی مسجد کے برابر کھلے میدان میں وعظ کی محفل کا انعقاد ہوا۔ رات کا وقت تھا۔ حضرت قاضی سید نصیرالدین حسینی چشتی القادری وعظ فرمارہے تھے۔ قاضی صاحب کی خوشنوائی اتنی جاں فزا کہ ہاتھی بھی سنے تو جھومنے لگے۔ انھوں نے دوران وعظ اپنی مترنم آواز میں یہ شعر سنایا ؎

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدن تن جاں بداں

مثنوی معنوی کا شعر، معرکتہ الآرا صوفیانہ تذکرہ جسم وجاں کی ایک جھلکی، مٹھاس سے مملو فارسی زبان، بجتے ہوئے الفاظ، ج نون، ت جیسے بہشتی حروف کی تکرار، اس پر حضرت والا کی سریلی صدا، مستی کا عجیب عالم تھا، ذہن کی سادہ تختی پر شعر نقش کالحجر بن گیا۔ خوشی کی انتہا اس بات پر کہ فارسی زبان کا اولین شعر میرے ذہن میں بیٹھ گیا۔ شعر کے معنی کی وسعت معلوم نہ گہرائی۔ اس سے کچھ مطلب نہ تھا۔ قاضی صاحب کی تشریح پر جو کچھ بھی سمجھا وہی بہت تھا۔ بار بار دہرایا۔ آج بھی اسے دہراتے اور معنی پر غور کرتے جان، جسم اور باہمی حرکت کے نتائج جاں افزا بن جاتے ہیں۔

صاحبِ مثنوی، مولانا محمد جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم عالم اور بے مثال صوفی وشاعر ہیں۔ آپ 604ھ مطابق 1207 میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ ددھیال کی طرف سے آپ کا نسب خلیفہ اول، امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور ننھیال کی طرف سے حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ اس خاندانی شرافت کے علاوہ آپ کے آبا واجداد تحصیل علم دینی میں محنت شاقہ اور حصول مراتب میں درجہ کمال رکھتے تھے، جس کے باعث آپ کے دادا حضرت حسین الخطیبی کو سلطان خوارزم شاہ نے اپنی دامادی میں لینے کو ایک اعزاز سمجھا اور اپنی بیٹی 'ملکہ جہاں' سے عقد کروادیا۔ حضرت بہا الدین ولد انھی کے فرزند اور مولانا روم کے والد بزرگوار ہیں۔

حضرت بہاالدین ولد اپنے اسلاف کی طرح علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول ہوگئے اور ان کی مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ دنیوی علائق سے دوری اختیار کر لی۔ انجام یہ کہ ایک شب خواب میں ایک مجلس آراستہ پائی جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز تھے اور حضرت بہاالدین ولد آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے تین سو (300) مفتیان شہر کا ایک ہجوم تھا۔ اس مقدس مجلس میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آج سے بہاالدین ولد سلطان العلما کے نام سے پکارے جائیں گے۔ دوسرے دن صبح وہ تین سو (300) مفتیانِ شہر جمع ہوکر بہاالدین ولد کو تہنیت اور مبارکباد پیش کرنے کے لیے چلے۔ وہاں بہاالدین نے بھی اس خواب کی تصدیق کی۔

غرض مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف نجیب الطرفین تھے بلکہ علوم دینیہ سے گہرا شغف گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ خود مولانا میں بھی بچپن ہی سے روحانی کیفیات پائی گئیں۔ کبھی کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے تڑپ جاتے تو آپ کے والد کے مریدین اور شاگرد سنبھالتے۔ کبھی کبھی تین تین دن تک کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے۔ آپ کی عمر شاید چھ برس تھی۔ مولانا رئیسوں کے بچوں کے ساتھ کوٹھے پر کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک بچے نے کہا کہ آؤ اس چھت سے اس چھت پر کودیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو کتے بلیوں کا کھیل ہوا۔ اگر روحانی قوت ہو تو آؤ آسمان پر چلیں، ستاروں اور ملکوت کی سیر کریں۔ اتنا کہتے ہوئے نظروں سے غائب ہوگئے۔ یہ دیکھ کر بچے چلانے لگے تو فوراً آموجود ہوئے، اور کہنے لگے کہ جب میں تم سے باتیں کر رہا تھا تو سبز پوشوں کی ایک

جماعت آئی، مجھے اٹھالے گئی، بروج آسمانی اور عجائبات عالم روحانی کی سیر کرائی اور تمھارے چلانے کی صدا سن کر یہاں لا کر پہنچا دیا۔

سلطان العلما بھی آپ کے شاندار مستقبل سے بخوبی آگاہ تھے۔ پیار کے ساتھ احتراماً خداوندگار، یا آقا کے نام سے خطاب کرتے۔ اور کہتے تھے کہ جب تک میں زندہ رہوں کوئی میری ہمسری کرنے نہ پائے گا۔ البتہ میرے بعد خداوندگار میری ہمسری کیا مجھ پر سبقت لے جائیں گے۔

610ھ میں بلخ سے ہجرت کا واقعہ پیش آیا۔ تین سو اونٹوں پر سوار مہاجرین بلخ سے بغداد کی جانب جارہے تھے۔ نیشا پور کے قریب پہنچے تو خواجہ فریدین الدین عطار نے دیکھا کہ مولانا روم باپ کے پیچھے آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا دیکھو نہر کے پیچھے سمندر آرہا ہے! آنے کے بعد ان کی پیشانی پر بلند بختی کے آثار پائے۔ دعاؤں کے ساتھ اپنا 'پندنامہ' انھیں عنایت فرمایا۔ قافلہ عازم سفر حج تھا۔ یہ خوش قسمتی کہ بچپن میں ہی مولانا کو حج جیسے فریضہ کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ بغداد پہنچتے وقت یہ پوچھا گیا تھا کہ کون ہیں اور کدھر سے کدھر کو جارہے ہیں۔ سلطان العلما نے فرمایا ''من اللّٰہ والی اللّٰہ ولاحولا قوۃ الا باللّٰہ''۔ شہاب الدین سہروردی نے جان لیا کہ وہ سلطان العلما کا ہی قافلہ ہے۔ بغداد میں دو تین مہینے قیام کے بعد کوفے سے گزرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے قصد سے آغاز سفر کیا۔

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ میں زیارت بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور دمشق اور شام سے گزرتے ہوئے برسوں بعد لارندہ پہنچے۔ لارندہ کے والی امیر موسیٰ نے انھیں ٹھہرایا۔ وہاں مدرسہ بنایا اور سکونت اختیار کی۔ لارندہ سلطنت روم سے ملحق تھا۔ چونکہ سلطان روم شراب پینے اور چنگ سننے کا عادی تھا اس لیے سلطان العلما نے امیر موسیٰ سے آپ کی وہاں موجودگی کی خبر اخفا میں رکھنے کو کہا۔

سلطان العلما کی آمد سے قبل حضرت خواجہ شرف الدین سمرقندی مغلوں کے فتنے سے بچنے کے لیے لارندہ آکر مقیم ہو چکے تھے۔ دونوں مہاجرین کے خاندانوں میں ہم وطنی کا تعلق تھا اور کچھ دن بعد یہ تعلق رشتہ داری میں بدل گیا۔ مولانا روم کی عمر اس وقت سترہ، اٹھارہ سال تھی۔ خواجہ شرف الدین کی ایک بیٹی گوہر خاتون تھی۔ اس کا عقد مولانا سے کیا گیا۔ تقریباً چار سال کا

عرصہ لارندہ میں گزر گیا اور مولانا کے دو فرزند سلطان ولد اور علاالدین اسی مقام پر پیدا ہوئے۔ نہ معلوم یہاں سلطان العلما کے قیام کی خبر سلطان علاالدین کیقباد کو کیسے پہنچی کہ سلطان نے غضب ناک ہو کر امیر موسیٰ کو ایک تہدید نامہ لکھا کہ ان کی آمد کی خبر کیوں نہ دی۔ سلطان کو اس کے کچھ امرا نے سلطان العلما کی عظمت اور فیوض کے باب میں معلومات فراہم کی تھی سلطان خود ان کا معتقد ہو گیا اور آپ سے ملنے کا متمنی تھا۔ سلطان نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ (سلطان العلما) قونیہ میں مستقل قیام کریں گے تو وہ شراب نوشی اور چنگ سننا ترک کر دے گا۔

امیر موسیٰ نے یہ بات آپ کو بتائی تو سلطان العلما قونیہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سفر شروع ہو گیا اور آپ 626 کو قونیہ پہنچ گئے۔ اس طرح بلخ سے قونیہ پہنچنے تک جملہ پندرہ برس کا عرصہ لگا۔ بادشاہ اپنے امرا کے ساتھ آیا اور سلطان العلما کا مرید ہو گیا۔

مولانا روم کی تربیت: حضرت سلطان العلما نے مولانا کے بچپن ہی میں حضرت برہان الدین ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کو، جو ان کے مرید خاص تھے، مولانا کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ لیکن بلخ کو ترک کرتے وقت برہان الدین ترمذ چلے گئے۔ لہٰذا مولانا شروع سے وصال تک اپنے والد صاحب کے زیر تربیت رہے اور انھی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کرتے رہے۔ 628ھ میں حضرت سلطان العلما کا انتقال ہوا تھا۔ قونیہ میں دو برس قیام کے بعد بیمار ہو گئے۔ بادشاہ عیادت کو آیا اور خوب رویا۔ اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ تخت کو زینت بخشیں اور وہ خود سپہ سالار بن کر فتوحات کی طرف توجہ کرے گا۔ سلطان العلما نے فرمایا کہ میں تو عالم شہادت سے عالم سعادت کی طرف سفر کر رہا ہوں۔

حضرت سلطان العلما کے انتقال کے بعد سید برہان الدین محقق ترمذی قونیہ آئے۔ مولانا روم سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ آپ کے والد صاحب قال ہی نہیں صاحب حال بھی تھے اور تم قال میں اپنے والد سے بھی بڑھ گئے ہو، بس حال کی طرف توجہ کی ضرورت ہے تاکہ آپ والد کے پورے وارث اور جانشین بن سکیں۔ جب مولانا دائرہ ولایت میں درجہ کمال کو پہنچ گئے تو برہان الدین بھی فارغ ہو گئے۔ سید صاحب 629ھ میں قونیہ آئے اور 637ھ میں انتقال فرمائے۔ یہ آٹھ نو سال کا عرصہ ہی قونیہ میں گزرا تھا۔

630ھ میں مولانا روم بغرض حصول تعلیم حلب کو جا رہے تھے۔ برہان الدین بھی آپ کے ہمراہ قیصریہ کو چلے۔ قیصریہ آپ کا مرغوب شہر تھا اور آپ وہاں رک گئے۔ مولانا کے غیاب میں قونیہ جاتے آتے رہے۔ قیصریہ میں دوران قیام شمس الدین اصفہانی کے یہاں ٹھہرے رہے۔ حلب میں تحصیل علم کے دوران مولانا کی استعداد کا یہ عالم تھا کہ جو بھی مسئلہ کسی سے حل نہ ہو پاتا وہ خود حل کر دیتے اور ایسے وجوہ بیان کرتے جو کسی بھی کتاب میں نہ ہوتے۔ حلب میں آپ نے کمال الدین ابن عدیم سے استفادہ کیا۔

ایک دن حلب میں مدرسے کے دربان نے کمال الدین سے شکایت کی کہ مولانا روم آدھی رات کو باہر چلے جاتے ہیں جبکہ دروازہ بند ہی رہتا ہے۔ کمال الدین کو تردد ہوا۔ ایک رات خود پوشیدہ طور پر ان کے پیچھے چل پڑے۔ مسجد خلیل الرحمٰن کے پاس ایک قبہ نظر آیا جہاں کچھ سبز پوشوں نے مولانا کا استقبال کیا۔ یہ دیکھ کر کمال الدین بے ہوش ہو گئے۔ جب اٹھے تو قبہ کا کوئی نشان نہ تھا۔ سرگرداں پھرتے رہے۔ شہر میں ہلچل مچ گئی۔ بالآخر مولانا ہی سے ان کا پتہ ملا۔ نتیجے کے طور پر مولانا سے کمال الدین کا اخلاص بڑھ گیا اور مرید ہو گئے۔ جب حلب میں مولانا کا شہرہ بہت ہو گیا تو دمشق چلے گئے۔ وہاں مدرسہ قدسیہ میں قیام کیا اور جس کمرے میں آپ ٹھہرے تھے وہ خضر علیہ السلام کے نام سے منسوب ہو گیا۔ کیونکہ مولانا سے ملنے وہاں حضرت خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے۔ دمشق میں آپ کی صحبت حضرت شیخ محی الدین ابن عربی، شمس الدین حموی، شیخ اوحد الدین کرمانی جیسے بزرگوں کے ساتھ رہی۔

ایک روایت ہے کہ مولانا دمشق کے میدان میں سیر کر رہے تھے۔ ایک عجیب الہئیت شخص سیاہ نمدہ اوڑھے ہوئے مولانا کے قریب آیا، دست مبارک کو بوسہ دیا اور کہا کہ ''اے صراف عالم مرا دریاب'' اور مولانا کے متوجہ ہونے سے پہلے غائب ہو گیا۔ وہ شمس تبریزی تھے۔

دمشق میں مولانا کا قیام چار برس رہا۔ قونیہ کو واپسی کے دوران قیصریہ میں سید برہان الدین کے ساتھ شمس الدین اصفہانی کے یہاں ٹھہرے۔ چالیس چالیس دن کے تین چلے سید برہان الدین ترمذی کے ساتھ کیے اور سید صاحب کی اجازت سے قونیہ روانہ ہوئے۔

مولانا میں سب سے بڑی تبدیلی اس وقت آئی جب 642ھ میں شمس الدین تبریزی سے ملاقات ہوئی۔ شمس قونیہ میں سرائے کے چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر سے مولانا گھوڑے پر

سوار آئے۔ شمس اٹھے اور لگام تھام کر پوچھا کہ کس کا مقام بڑا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یا بایزید بسطامی کا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں "ماعرفناك حق معرفتك" اور بایزید کہتے ہیں "سبحانی مااعظم شانی" اور "لیس فی جبی الا اللّٰہ"۔ سوال سن کر مولانا کے ہوش اڑ گئے۔ گھوڑے سے اترے اور سنبھل کر فرمایا "بایزید کی پیاس ایک ہی گھونٹ سے بجھ گئی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاس کیا بجھتی، دم بہ دم زیادہ کی طالب تھی۔"

شمس تبریزی سے ملاقات کے بعد مولانا رومی نے درس و تذکیر بالکل ترک کر دیا۔ پھر کبھی وعظ نہ کہا۔ شمس نے سماع اختیار کرنے پر زور دیا۔ شمس کو شاعری کا شوق تھا اور ان کے زیر اثر آپ نے بھی شاعری شروع کی۔ مولانا، شمس کی صحبت میں اس قدر کھو گئے کہ شاگردوں اور مریدوں سے تعلقات ختم ہو گئے۔ صورت دکھانی بھی بند کر دی۔ یہ بات شاگردوں کو اتنی گراں گزری کہ شمس تبریزی کے دشمن ہو گئے۔ اور ان سے بدسلوکی کرنے لگے۔ شمس تبریزی اسے برداشت نہیں کر سکے اور یکا یک غائب ہو گئے۔ ادھر مولانا نے ان کی جدائی میں ماتم سرائی شروع کر دی۔ چاروں طرف تلاش کے باوجود پتہ نہ چلا۔ اب مولانا کی زبان سے اشعار کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ دن بدن حالت مزید بگڑتی چلی گئی۔ ایسے میں دمشق سے مولانا کو شمس کا ایک خط موصول ہوا۔ شمس کے عشق وشوق میں سماع کی طرف متوجہ ہو گئے اور غزلیں بھی کہنے لگے۔ جن لوگوں نے شمس سے بدسلوکی کی ان سے التفات ترک کر دیا اور جو شرارت میں شامل نہ تھے ان کی طرف التفات کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر بدسلوکی کرنے والوں نے شمس کی مخالفت چھوڑ کر معافی چاہی۔ آخر میں مولانا سلطان ولد کے ہاتھ ان کو بلایا، ایک خط اور کچھ رقم بطور نذرانہ روانہ کی۔ دمشق پہنچ کر سلطان ولد نے خط اور رقم پیش کی تو بولے "مجھے سیم و زر سے فریب دیتے ہو؟ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرت کا پیغام مجھے کافی ہے۔" یہ کہہ کر قونیہ کی طرف چل دیے۔

پہلی مرتبہ 643ھ میں قونیہ کا رخ کیا تھا۔ اب 645ھ میں روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ کچھ دن خوش رہے۔ مولانا کی پروردہ ایک لڑکی کیمیا خاتون کا ہاتھ مانگا تو مولانا نے بخوشی ہاں کہہ دیا اور ان سے عقد کرا دیا۔ اس مرتبہ مولانا کے دوسرے فرزند شمس کی قیام گاہ سے گزر کر گھر آنے لگے تو شمس نے اعتراض کیا۔ انھیں برا لگا، جس کی خبر پا کر شر پسندوں کو فتنے کا موقع ہاتھ آیا۔

بے ادبی شروع کی۔ آپ بھی یہ کہنے لگے کہ اب کی بار جاؤں گا تو پھر کسی کو کبھی پتہ نہ لگے گا۔ اس درمیان کیمیا خاتون کا انتقال ہو گیا۔ کچھ دن بعد شمس تبریزی اس طرح غائب ہوئے کہ پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ کہتے ہیں کہ ظالموں نے ان کو قتل کر کے کنویں میں ڈال دیا۔ بہر حال اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ چاروں طرف تلاش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر خود مولانا نے دمشق کا سفر اختیار کیا۔ حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین بنایا۔ یہ سفر 645ھ میں ہوا تھا۔

صلاح الدین زرکوب: دمشق سے واپسی کے بعد مولانا نے کچھ خاموشی اور سکون اختیار کر لیا اور شمس تبریزی کے وجود کو اپنی ذات میں محسوس کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد حضرت صلاح الدین زرکوب کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حالانکہ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھے پھر بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ حضرت سید برہان الدین محقق کے مرید تھے۔ اس رو سے مولانا کے پیر بھائی ہوئے اور بعد میں مولانا کی کرامت دیکھ کر ان کے مرید بھی ہو گئے۔ لیکن مولانا کا سلوک ایسا ہوتا کہ دیکھنے والوں کو صلاح الدین پر پیر کا گمان ہوتا۔ غرض مولانا کو کسی نہ کسی صحبت کی ضرورت تھی۔ صلاح الدین نے دس برس جانشینی نبھائی اور 657ھ میں واصل بحق ہوئے۔

حسام الدین چلپی: صلاح الدین کے بعد مولانا نے حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین منتخب کیا۔ آپ ہی ہیں جنھوں نے مثنوی شریف، جو دنیا کی عظیم ترین مشہور عالم تصنیف ہے، کی جانب مولانا کو تحریک دلائی۔ خود مولانا مثنوی شریف میں بار بار پورے خلوص و احترام کے ساتھ ان کو خطاب فرماتے ہیں۔

مولانا کا انتقال: مولانا روم 672ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرت سے متصف اور رواداری میں لاثانی تھے۔ جب آپ کا جنازہ تدفین کے لیے نکلا تو بلا لحاظ قوم سوگوار لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ یہودی اور عیسائی توریت اور انجیل پڑھتے ہوئے ساتھ چل رہے تھے۔ ان کو کوئی روک نہ سکا، کیونکہ فتنہ ہو جانے کا ڈر تھا۔ قسیسین کہتے تھے کہ ہم نے انبیائے سابقین کو انھی کے بیان سے سمجھا اور اولیا کی روش بھی انھی کی روش سے جانا اور یہ کہ اگر وہ مسلمانوں کے محمد وقت تھے تو وہ ہمارے عیسیٰ اور موسیٰ تھے۔ تابوت صبح کو نکلا اور شام کے قریب قبرستان پہنچا۔ راستے میں چھ مرتبہ بیرونی تابوت بدلا گیا اور لوگ لکڑیاں توڑ کر بطور تبرک لے گئے۔ (صاحب المثنوی)

مولانا کو اس بات کا دکھ تھا کہ انھوں نے اپنی کوئی یادگار نہیں چھوڑی ہے۔ لیکن ان کی چھوڑی ہوئی یادگاریں خصوصاً مثنوی شریف، دیوان منظوماتی تصانیف اور ملفوظات (فیہ مافیہ) کیا کم ہیں۔ یہ بات تو پہلے ہی بتا دی گئی ہے کہ مولانا کی شاعری پر حضرت شمس کی صحبت کا اثر ہے۔ آپ اس فن میں شہسواران ادب کو پیچھے چھوڑ کر کوسوں دور آگے نکل گئے۔

دیوان شمس تبریزی: یہ ایک ضخیم دفتر ہے جو غزلیات اور رباعیات وغیرہ اصناف سخن پر مشتمل ہے اکیاون ہزار (51,000) اشعار پر محیط ہے۔ اس میں مراثی بھی ہیں اور دیگر اصناف سخن کی منظومات بھی۔ اس میں شمس تبریزی کے عشق وجدائی کے حالات کے بیانات پائے جاتے ہیں۔

مثنوی معنوی: یہ مولانا روم کا عظیم الشان کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک ابنائے آدم علیہ السلام کی رہبری و ہدایت کے کام آئے گا۔ (بحوالہ سوانح مولانا روم مولفہ مولانا شبلی۔ مفتاح العلوم)۔ یہ علمی و عملی دینیات یعنی فقہ وتصوف دونوں کا مجموعہ ہے۔ فقہ اور تصوف میں کوئی غیریت نہیں۔ جس طرح فقہ احکام دینیہ ظاہری کا مجموعہ ہے ویسے مثنوی شریف تصوف کی جان ہے۔ اور "یہ اللہ کی سب سے بڑی فقہ، نورانی شرع اور واضح برہان ہے۔" بالفاظ دیگر علم دین پر عمل کرنا ہے۔ اس سے شریعت کی تکمیل ہوتی ہے۔

مولانا شبلی نے سورہ نور کی آیت "مثل نورہ کمشکوٰۃٍ" سے تشبیہ دی ہے اور آگے چل کر "جنان الجنان" یعنی دلوں کی جنت کہا ہے۔ جس کے میوے پاک لوگ کھاتے اور پانی پیتے ہیں اور آزاد لوگ سیر وتفریح کر کے خوش ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ گویا مصر کا دریائے نیل ہے کہ قوم موسیٰ کے لیے آب زلال اور فرعونیوں کے لیے خون ہو جاتا ہے۔

اس سے لوگ گمراہ بھی ہو جاتے ہیں اور ہدایت بھی پاتے ہیں۔ یہ کتاب سینوں کے خلجان کے لیے شفا بخش اور غموں کو زائل کرنے والی اور قرآن مجید کے مطالب کو حل کرنے والی اور گہرے مسائل اور سلوک میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو رفع کرتی ہے۔ رزق کو فراخ کرتی ہے اور پاکیزہ اخلاق سکھاتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو بزرگوں اور نیکوکاروں کے ہاتھوں میں رہے گی۔ "لا یمسّہٗ الّا المُطھرون"۔ اللہ اس کی حفاظت کرے گا۔ اور کہتے ہیں کہ اس طرح یہ کتاب اور بھی کئی صفات کی حامل ہے۔ (تلخیص)

مثنوی شریف ایک بے حد طویل نظم ہے، جو 27720 اشعار پر مشتمل ہے۔ زبان و بیان سادہ اور معنی تہہ دار پائے جاتے ہیں۔ مثنوی کی بحر دلکش اور جنت گوش ہے۔ ترنم سے پڑھتے ہی لوگ مست و بے خود ہو جاتے ہیں۔ یہ مثنوی صنائع و بدائع سے آراستہ و پیراستہ ادب کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ بے شمار اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں۔ مثنوی گویا تصوف کا ہدایت نامہ ہے۔ صوفیا کی مجالس میں مثنوی کے پڑھنے، سنانے اور سمجھانے کا باقاعدہ انتظام ہوتا ہے۔ خود کتاب میں مولانا کا دعویٰ ہے کہ ''میرے بعد یہ کلام شیخ کا کردار ادا کرے گا اور تا دیر باقی رہے گا۔'' اس کتاب کی حکایات خود مولانا اور ان کے مریدوں کے واقعات سے ماخوذ ہیں۔ مولانا خود کہتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اس کتاب کے جملہ بیانات وحدت الوجود کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ جا بجا ''مارمیت اذ رمیت'' کی صدا گونجتی ہے۔ پھر بھی جبر و اختیار کے درباب تقابلی بحث میں اختیار اور جہد کو فوقیت دیتے ہیں:

گر تو کل می کنی دو کار کن
کسب کن و تکیہ برجبار کن

اور ؎

گفت پیغمبر بآواز بلند
بر توکل پایہ اشتر ببند

مثنوی کے اشعار کو خون دل کی پیداوار کہتے ہیں جو پستان جاں میں پہنچ کر دودھ کی شکل اور لذت پیدا کرتے ہیں۔ اس کے لیے کسی چشندہ یعنی شیرخوار کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تا کہ دودھ آسانی سے بہہ نکلے۔ ؎

ایں سخن شیرست در پستان جاں
بے چشندہ خوش نمی گردد رواں

فرماتے ہیں کہ خالق و مخلوق کے درمیان جان کا پنہانی رشتہ ہے۔ جان حرکت کا سامان ہے

جس سے کائنات کا ہر ذرہ مستقل طور پر متحرک۔ جیسے "فی فلکٍ یسبحُون" اپنے دائرہ حرکت میں گھوم رہا ہے کبھی جاں جسم میں تبدیل ہوتی ہے کبھی جسم جان میں، جو امر کن کا کرشمہ ہے ؎

گفت باجسم آیتے تاجاں شد او
گفت باخورشید تارخشاں شد او

جسم کو حکم ہوتا ہے کہ جان بن جائے اور سورج کو حکم ہے کہ چمکنے لگے۔ یعنی سارے کاروبار دنیوی کا رشتہ آسمانوں سے ہے۔ مولانا کے مرید معنوی علامہ اقبال جاوید نامہ میں اہل مریخ کی موت کو جسم کے جان میں جذب ہو جانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ پیام مشرق کی رباعی نمبر 152 دیکھیے کہتے ہیں ؎

بجان من کہ جاں نقش تن انگیخت فارسی مری جاں کی قسم جاں سے بنا تن
ہوائے جلوہ ایں گل رادر رو کرد ہے ذوق جلوہ سے اس کی دو رنگی
ہزاراں شیوہ دارد جان بے تاب ہزاروں رنگ ہیں بے تاب جاں کے
بدن گردد چو با یک شیوہ خو کرد تعین سے ہوئی تخلیق تن کی

غرض یہ کائنات جان اور تن کے گونا گونی مظاہر کے سوا اور کیا ہے۔ اور جان بھی اسرار باری تعالیٰ سے ہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قیصر روم کا ایلچی آتا ہے۔ خلیفہ وقت کو ایک نخل کے سایے میں لیٹے ہوئے دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ احترام و ہیبت کے ملے جلے احساسات دل میں لیے ہوئے ایک فاصلے پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ سوچتا ہے کیسے کیسے شہنشاہوں کے دربار میں گیا ہوں لیکن یہ خوف یہ گھبراہٹ کہیں نہیں دیکھی۔ یہ ہستی کچھ اور ہی ہے۔ بیداری کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے بلا کر پاس بٹھا لیتے ہیں۔ وہ آپ کی گفتگو سن کر کچھ اور ہی عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ سفارت کے فرائض کو پس پشت ڈال کر ایمان لے آتا ہے۔ تاریخی واقعات بیان کرتے ہوئے مولانا روم نے معنویت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مولانا روم ایسے ہی حق و صداقت کے پیکروں اور للٰہیت کے شیدائیوں کی سیرت کو اپنانے کے لیے پیش کرتے ہیں تا کہ دنیا امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔ قیصر روم کا ایلچی بھی حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر حیران و ششدر کہ کیا دنیا میں ایسی بھی ہستیاں ہیں کہ جان کے مانند نظروں سے اوجھل پائی جاتی ہیں۔ مولانا روم کی قادر الکلامی اپنی مثال آپ ہے۔ وہ معرکتہ الآرا لا ینحل مسائل کا حل دو دو لفظوں میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

زندگانی کے باب میں فرماتے ہیں ؎

زندگانی آشتی ضد ہاست
مرگ آں اندرمیان شاں جنگ ہاست

یعنی زندگی اضداد کے درمیاں آشتی و صلح اور موت انھی کے بیچ جنگ و تباہ کاری ہے۔

انسان کون ؎

آدمی دیدست وباقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

آنکھ کی پتلی کو بھی انسان کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں آدمی وہ ہے جو حقایق عالم کا ادراک کر سکے اور خالق کائنات کی قدرت دیکھے اور پہچان سکے۔

خالق کائنات کیوں نظر نہیں آتا ؎

نور حق رانیست ضدے در وجود
تا بضد او تواں پیدا نبود

چونکہ نور الٰہی کے مقابل کوئی ضد پیدا نہیں اس لیے نور الٰہی نظروں سے غائب ہے۔

قرآن کیا ہے ؎

ہست قرآں حالہائے انبیاء
ماہیان پاک بحر کبریا

قرآن پاک دریائے کبریا کی مقدس مچھلیوں یعنی انبیائے پاک کے واقعات وحالات کا بیان ہے۔

خالق ومخلوق کی قربت ؎

مطلق آں آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

وہ بادشاہ کی آواز ہے۔ جو بندہ شاہ کے حلق سے نکل رہی ہے۔

حیوان اور انسان میں فرق ؎

مہر و رقت وصف انسانی بود
خشم و شہوت وصف حیوانی بود

جس کسی میں محبت و نرمی ہو وہ اوصاف انسانی سے متصف ہے۔ اس کے برعکس غصہ و شہوت کا جس کسی کے اوصاف میں غلبہ ہو وہ حیوان ہے۔

صحبت کا اثر ؎

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کر لے تو نیکو کار رہنے اور بدکاروں کی صحبت میں بدکار رہنے

ایسے ہی بے شمار اقوال ہیں جو مثنوی کے بحر معنوی کے گوہر آبدار بن کر جگمگا رہے ہیں۔

مثنوی شریف امن اور انسانیت کا الہامی صحیفہ ہے۔ اس میں مادی، روحانی اور اخلاقی موضوعات کی بھرمار ہے۔ الفاظ و معنی شیر و شکر بن کر ذہن میں حل ہوتے نظر آتے ہیں اور قاری پر سرور و مستی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یہ مثنوی کی خاص خصوصیت ہے۔ یہ کلام الہامی زبان سے آراستہ ہے۔ اس کے بارے میں مولانا خود فرماتے ہیں کہ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھ سے کہلوایا جارہا ہے۔

اب تک اس انسانی معاشرے کے سدھار کے لیے کتنے پیغمبر آئے، کتنے صحیفے لائے، امن، سلامتی اور عدل و انصاف کے پیغامات سنا کر جگایا، لیکن یہ انسان جاگتا بھی ہے تو پھر کچھ ہی دیر بعد سو جاتا ہے:

ابھی تک آدمی صید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے

مادیت کے مارے انساں روحانیت سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور اپنی حرص و شہوت کی آگ میں خود جل کر دنیا کو جلا دینے پر ڈٹ جاتے ہیں۔ تیروں کی سرسراہٹ کا زمانہ گیا۔ تیغ و تفنگ کی

ریس بھی ہار گئی۔ نئی نئی تحقیقات ہونے لگیں اور ذرات کی باری آئی تو ان کو توڑ کر ان کے اندر قدرت کی مقید کردہ جوہری قوت کا غلط استعمال کر کے ہیروشیما اور ناگاساکی کی قیامت خیز تباہی کا نمونہ دکھلایا گیا۔ آج ہر طرف میزائیلوں کی ریس جاری ہے تاکہ گھر بیٹھے دور دور کے مقامات اور آبادیوں میں معصوموں، بھلوں بروں سب کو بلا امتیاز موت کے گھاٹ اتار دیں۔ 21 ویں صدی میں اسلامی ممالک ظالموں اور غارت گروں کا خصوصی ہدف بنے ہوئے ہیں۔ آج کل شام و عراق میں نسل کشی جاری ہے۔ آج بھی انسان دوست دانشمندوں کے ادارے اس پر روک لگانے میں مصروف ہیں۔ خدا کرے کامیاب ہو جائیں۔

مثنوی شریف کی تصنیف کو آٹھ سو سال پورے ہوئے۔ مولانا روم کا دعویٰ کہ یہ کتاب زندہ ہے زندہ رہے گی، انسانوں کی ہدایت کے کام آئے گی، سچ ہوا۔

اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسکو نے 2007 میں مثنوی کی آٹھ سو سالہ سالگرہ کا اہتمام کیا تو انجانوں کو ہوش آیا اور لوگوں کی توجہ اس طرف مائل ہوئی۔ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی مثنوی مولانا روم کی دھن لگی۔

سال 2004 میں بنگلور شہر میں The World Sufi Centre کی بنیاد ڈالی گئی سوائے ماہ رمضان کے بلا ناغہ ماہانہ مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ جناب سید لیاقت پیران مرکزی عدلیہ کے وظیفہ یاب جج ہیں وہ صوفی سنٹر کے مستقل رکن اور سرپرست ہیں۔ ماہانہ رسالہ ''صوفی ورلڈ'' کے مدیر و مولف ہیں۔ ان کے مکان پر مسلم و غیر مسلم، ملکی و غیر ملکی دلدادگان تصوف اور رومی رحمۃ اللہ علیہ خاص بیٹھکوں میں حاضر ہونے لگے ہیں۔ اللہ اس میں برکت عطا فرمائے۔

لگتا ہے قرآن پاک اور مثنوی شریف کی عام اشاعت کے دن آ گئے! کاش ان صحیفوں کے تراجم اور شرحیں سب کو ان کی اپنی زبانوں میں حاصل ہوں۔ مثنوی کے بارے میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نے خوب فرمایا ہے۔

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآں در زبانِ پہلوی

اور یہ بھی کہا کہ ''نیست پیغمبر و لے دارد کتاب۔''

میں نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر بشیر احمد خاں، کیلی فورنیا، لاس اینجلس سے سنا ہے کہ وہاں کوئی صاحب مثنوی پر کام کرتے ہوئے اس کے پیغامات کو عام کرنے کی کوشش میں ہیں۔اور امریکنوں میں رومی کی طرف رغبت بڑھتی جارہی ہے۔

میں نے مثنوی کے اردو میں منظوم ترجمے کا بیڑا اٹھایا۔اس کی دو وجہیں تھیں۔ایک یہ کہ سب سے پہلا فارسی شعر جو اتفاقاً مجھے ازبر ہوگیا وہ مولانا کی مثنوی کا ہی شعر تھا۔دوسری وجہ یہ کہ علامہ اقبال جن کی ساتوں فارسی کتابوں کا میں نے منظوم اردو ترجمہ کیا ہے، وہ خود کو مولانا کا مرید معنوی تصور کرتے تھے۔اسی باعث میں علامہ کے ترجمے کے بعد 1982 میں مثنوی کی طرف متوجہ ہوا، اور 1992 تک پانچ جلدوں کا ترجمہ کیا۔پہلی جلد مع متن اور باقی بلا متن۔2014 میں کاموں سے فارغ ہونے کے بعد پہلی چار جلدوں کے تراجم کو متن سے جوڑا، اور چھٹی جلد کو مع متن 2016 میں پورا کیا۔میں جانتا ہوں کہ میں اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔لیکن چاٹ جو لگ گئی سو کام کرتے چلا گیا۔اس کام میں مولانا قاضی سجاد حسین کا نثری ترجمہ اور مولانا مولوی محمد نذیر صاحب چشتی نقشبندی کی مفتاح العلوم سے کافی مدد حاصل ہوئی۔پھر بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے کوئی کام کیا ہے۔البتہ کچھ کام کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔خداوند تعالیٰ میری محنت کو قبول فرمائے۔ آپ بھی دعا کیجیے۔

نوٹ: ضرورت شعری کے پیش نظر بعض الفاظ کو تخفیف کے ساتھ برتا گیا ہے۔مثلاً:

گواہ کے لیے گواہ چاہ چہ
کوہ کہ کوتا کوتہ

کم مایہ ناچیز
سید احمد ایثار

تمہید: ضیاء الحق

اے ضیاء الحق حسام الدین آ — اس سے تہرانے کی کرسنّت ادا
کھول اے گنجینۂ اسرار کو — جلد سوم ہے بھلا ہر عذر تو
زورِ حق سے تیری قوت کی نمو — کب ہے رگ کی جہد کا محتاج تو
ہے چراغِ شمس روشن آپ ہی — کیا ضرورت روٹی، بتی تیل کی
چھت فلک کی ہے کہ ہے دائم یونہی — ہے کہیں رسی، ستونوں سے کھڑی؟
قوتِ جبریل کھانوں سے نہ تھی — تھی عطاء اللہ کے دیدار کی
ہے یوں ہی یہ قوتِ ابدالِ حق — وجہِ حق ہے نے طعام و نے طبق
جسم ان سب کے بنے ہیں نور سے — روح وا فرشتہ سے آگے رہے
چونکہ پائے تو نے اوصافِ جمیل — آتشِ نمرود سے جا خون خلیلؑ
آگ تجھ پر بھی بنے برد وسلام — طبع کو تیری عناصر یہ غلام
ہر طبیعت کا عناصر مایہ ہے — طبع کا تیری تو بہتر پایہ ہے
طبع یہ تیری، جہاں پھیلا ہوا — وصفِ واحد میں ہے اب سمٹا ہوا
ہائے یہ گنجائشِ افہامِ خلق — تنگ ہے کس درجہ ان لوگوں کا حلق

اے ضیاء الحق یہ دانا مشورے　　پتھروں کے حلق کو حلوا ملے
وقت جلوہ طور نے پایا گلا　　تا پئے مے ہضم کرنے سے رہا
کوہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا　　کوہ سے رقصِ جمل دیکھے ہو کیا؟
اک دگر کو لقمہ ہم دے لیں تو کیا　　حلق دینا کام ہے اللہ کا
تن کو روحوں کو وہ دیتا ہے گلا　　اور گلا ہر عضو کو دے گا جدا
دے گا اس دم جبکہ اجلالی ہو تو　　ہر دغا اور مکر سے خالی ہو تو
راز سلطاں تا نہ کھولے پیش کس　　نہ گرائے قند کو پیش مگس
کان اسی کے سنتے ہیں راز خدا　　سو زباں رکھتے بھی جو گونگا رہا
پھر دیا حیوانوں کو بھی حلق ولب　　تا کہ کھائیں گھاس ہنگامِ طلب
گھاس کھا کر ہوگیا حیواں بڑا　　لقمہ انساں کا بنا پھر چل دیا
خاک کھالیتی ہے وہ جدِ بشر　　ہوتے ہیں جس دم الگ روح وبصر
دیکھاہوں ذرّے تھے منھ کھولے ہوئے　　ان کا کھانا، بس بیاں بڑھتا چلے
ساز وساماں برگ کو انعام ہے　　دائیوں کو دایہ لطف عام ہے
رزق کو بھی رزق دیتا ہے خدا　　بن غذا کے گیہوں کیوں اگ آئے گا
اس سخن کی شرح ہے بے انتہا　　کہہ دیا کچھ جان لے خود ما بقا
جملہ عالم اُکل وماکول ہے　　جو ہے باقی مقبل ومقبول ہے
یہ جہاں وساکناں فانی سبھی　　وہ جہاں وساکناں باقی سبھی
مٹنے والا یہ جہاں اور عاشقاں　　دائمی یکجا ہیں وہ اہل جہاں
پس وہی داتا ہے جو خود کو آپ دے　　آبِ حیواں تا سدا باقی رہے
پیکرِ اعمال حسنہ وہ کریم　　دور اُس سے آفتیں، خطرات وبیم
گو ہزاراں ہیں بس ایک ہی ہیں سبھی　　دُھن نہیں ان کو کبھی اعداء کی
اکل وماکول کو ہے حقل ونائے　　غالب ومغلوب کو ہے عقل ورائے
حلق بخشا وہ عصائے عدل کو　　چٹ کئے کتنے عصا وحبل کو

اتنا کھائے پر بھی افزونی نہ تھی — کیونکہ اکل وشکل حیوانی نہ تھی
حلق یقیں کو بھی ہے جوں حق کی عطا — تا کہ کھالے جو گماں پیدا ہوا
جیسے اعیاں معنی کو بھی ہے گلا — رازق حلق معانی ہے خدا
مہ سے ماہی تک نہیں ایسا کوئی — کھانے حاجت ہو نہ جس کو حلق کی
نفس اگر وسواس سے خالی رہے — میہمانِ وحیِ اجلالی بنے
حلقِ جاں ہو فکرِ تن سے گریزی — لائقِ رزقِ الٰہی ہو تبھی
عقل ودل افکار سے ہوں گے جو دور — تازہ تازہ رزق پائیں گے ضرور
شرط ہے تبدیلیِ طینت یہاں — طبع بد ہے باعث مرگِ بداں
آدمی عادت سے جو گل خوار ہے — زرد رو، بیمار ہے وہ خوار ہے
جب گئی زشتی ہوئی تبدیلی طبع — جائے زشتی چہرہ چمکے جیسے شمع
ہے کہیں دایہ؟ جو شیر آموز کو — دے کے نعمت خوش کرے بد فوز کو
شیر خوار اک طفل کو دایہ ہے کیا؟ — تا کہ پُر نعمت کرے اس کی غذا
بند اک پستاں اگر اس پر کرے — سو چمن کی راہ اس پر کھول دے
پردہ بے چارے پہ پستاں کا جو تھا — خوانِ نعما نان سب کچھ کھو گیا
پس ہے ترکِ شیر پر جینا تمام — تھوڑی تھوڑی جہد کر، تم الکلام
تھی غذا خوں جب جنیں تھا آدمی — پاک ہے مومن نجاست سے یونہی
رحم میں خونخوار ٹھہرا آدمی — خون سے تھے تار وپود اس کے سبھی
خون چھوٹا، دودھ سے پانی غذا — دودھ چھوٹا لقمہ تب کھانے لگا
لقمہ کیا چھوٹا کہ لقماں بن گیا — طالبِ مطلوب پنہاں ہوگیا
گر جنیں سے رحم میں کہتا کوئی — باہر اک دنیا منظّم ہے ابھی
لمبی چوڑی ہے زمینِ دل کشا — نعمتیں بسیار ہیں بے حد غذا
کوہ ہیں، دریائیں ہیں اور دشت ہیں — باغ ہیں بستاں ہیں اور کشت ہیں
آسماں وہ بے حد اونچا پُر ضیا — ''آفتاب وماہتاب وصد سہا''

دکن اتر اور پچھم کی ہوا — باغ کیسے شادیاں اور جشن کیا
کر نہیں سکتے عجائب کا بیاں — کیوں اندھیرے میں تو وقف امتحاں
خون کھاتا ہے تو بندش میں پڑے — اِس نجاست میں مشقت کس لئے
وہ تو جبراً حال کا منکر ہوا — کرکے رد پیغام کو کافر ہوا
گر ہے ناممکن یہ دھوکا ہے غرور — وہم اندھے کا رہا معنی سے دور
چونکہ جنسِ شئے کو وہ دیکھا نہ تھا — نہ سنا اوصاف کو رد کردیا
ویسے ہی جوں عام لوگ اپنے یہاں — کرتے ہیں، ابدال ذکر الٰہی جہاں
یہ جہاں ہے اک کنواں تاریک وتنگ — باہر عالم ہے دگر بے بو ورنگ
پر کوئی اس کی نہیں سنتا یہاں — طمع سے سب صاحب گوش گراں
کان بہرے ان کی لالچ نے کیے — اورغرض سے آنکھ پر پردے پڑے
جس طرح سے وہ جنیں درطمعِ خوں — کہ غذا اس کی ہے در جاٹائے دوں
باتوں سے دنیا کی پردے میں رہا — خون کی چاہت کو دل میں بھر دیا
مختلف نعما سے بے بہرہ رہا — وہ نہ جانا کھانا کچھ خوں کے سوا
طمع دنیائی خوشی کی تجھ کو بھی — دائمی راحت کا پردہ بن گئی
لالچ اور حبِ حیاتِ پُر غرور — تجھ کو سچی زندگی سے رکھی کور
اندھاپن لاتی ہے لالچ جاں کے ہاں — وہ چھپاتی ہے یقیں کو بے گماں
طمع ہو تو حق تجھے باطل لگے — اس سے سو درجہ تری کوری بڑھے
طمع کو رد کر تو مثل راستاں — تا ہو زیرِ پا وہ سنگِ آستاں
ہورہا جوں ہی تو اندر آئے گا — بس غم وشادی سے باہر آئے گا
چشم وجاں روشن ہوں حق ہیں بنے — بے ظلامِ کفر نور دیں بنے
از رہِ تمثیل سن قصہ یہاں — تا حقیقت میں تو پائے نور جاں

لالچ کی وجہ سے ہاتھی کے بچوں کو کھانے والوں کا قصہ اور نصیحت کرنے والوں کی نصیحت کو ترک کرنا

کیا سنا تو نے کہ در ہندوستان دیکھا اک دانا گروہِ دوستاں
بھوکے، ننگے، بےنوا اور تھک کے چور آئے تھے کرتے سفر از راہِ دور
مہرِ دانا جوش میں آئی کیا وہ سلامِ شوق ان کو کھل گیا
بولا خالی پیٹ غلبہ بھوک کا رنج اکٹھے، صدمہ جیسے کربلا
لیکن اللہ اللہ، اے قوم جلیل تم نہ کر لینا غذا فرزندِ پیل
ہے وہیں ہاتھی جدھر تم جاتے ہو جان ودل سے یہ نصیحت مان لو
فیل بچے ہیں تمھاری راہ میں تم نہ جانا صید کرنے چاہ میں
عمدہ پاکیزہ وہ موٹے بھی سہی لیکن ان کی ماں ہے ان کو تاکتی
از پئے فرزند صدہا میل راہ طے کرے گی روتے روتے، کرتے آہ
آئے آگ اور سونڈ سے نکلے دھواں بچۂ مرحوم اُس کا الاماں
اولیا اطفالِ حق ہیں اے پسر ''در حضور وغیب آگاہ باخبر''
اس کی غیبوبت سے نقصان کیا بھلا وہ ہے لینے بدلہ ان کی جان کا
بولا بچے ہیں مرے سب اولیا در سفر خدمت، حکومت ان کو کیا
از برائے امتحاں خوار ویتیم لیک ہوں پوشیدہ ہیں یار وندیم
میری پشتیبنی اور تحفظ میں مرے گویا ہیں وہ میرے ہی اجزا بنے
گدڑی پوشاں مرے ہیں ہوشیار جملہ اک تن ہیں ہزاراں در ہزار
بل پہ اک لاٹھی کے موسیٰؑ زور ور کر دیے فرعون کو زیر وزبر
ورنہ اپنی بد دعا سے نوحؑ بھی عرق شرق وغرب کر سکتے کبھی؟
کیا اکھڑوا سکتے شہر کافراں لوطؑ اپنی اک دعا سے اس زماں
ان کا شہرستاں جو تھا جنت نشاں دیکھ ہے آبِ سیاہ اس کا نشاں

وہ شیاں ہے شام میں ہوگی خبر — قدس کو جاتے ادھر سے کر سفر
انبیاء حق کوشش جملہ حق کے ساتھ — ان کے ہوتے تھی سیاست ان کے ہاتھ
کچھ بھی گر بولوں بیاں ہوگا فزوں — کیا جگر خارا بھی ہوجائے گا خوں
کہ لہو ہوتے ہیں جمتا ہے لہو — پر نہ دیکھا کور تو مردود تو
ہائے کوری، دور بیں، غائر نظر — پشم ہی دیکھا نہیں دیکھا شتر
ذرہ ذرہ خرچ کا رکھے خیال — رقص ہے مقصود، بھالو جیسے حال
رقص ایسا ہو کہ خود کو بھول جائے — زخم پر شہوت کے روئی رہ نہ پائے
رقص وگردش کے لیے میداں رہا — رقص خوں میں شیوہ مرداں رہا
چھوٹے جب خود سے بجائیں تالیاں — نقص سے چھوٹیں تو رقصاں شادماں
نغمہ زن مطرب، دل ان کے دف زناں — سطح کف کف بحر میں طغیانیاں
شاخوں پر پتے نہ دیکھے تو نے کیا — تالی، ناچ ان کا ز تحریک صبا
دیکھ تو ان کے سنانے کو وہاں — شاخوں، پتوں کی عیاں ہیں تالیاں
تالیاں پتوں کی دکھتی ہیں تجھے؟ — ان کو سننے گوشِ دل ہی چاہیے
کانوں کو رکھ بند از ہزل ودروغ — تاکہ دیکھے شہرِ جاں کو بافروغ
ہزل سے منھ بند رکھ اپنا چچا! — کچھ نہ کہنا اس کی باتوں کے سوا
بھید چُن لیتے تھے باتوں سے نبیؐ — کان ہیں ان کو کہا حق نے سبھی
ہیں سراپا چشم وگوش اے نبیؐ — رحمت ان کی دایہ ہم بچے سبھی
اس سخن کی حد نہیں ہے لوٹ چل — ہاتھی والوں کی طرف بھی چل نکل

ہاتھی کے بچوں کے درپے ہونے والوں کے قصہ کا بقیہ

ہاتھی سونگھے ہر کسی کے منھ کی باس — ہوں گے پھیرے پیٹ ہی کے آس پاس
بو کہاں سے دے گا بچے کا کباب — تاکہ دے وہ زخم سے اس کا جواب
آئے گی بوئے کباب اس کو کہاں — تاکہ جائے زخم دینے کو وہاں

گوشتِ حق کے پیاروں کا کھائے گا تو
ان کی غیبت کا صلہ پائے گا تو

بو تمھارے منھ کی پائے ہے خدا
کون بچ سکتا ہے صادق کے سوا

حیف! ٹھٹھے باز ہے وہ خوردہ گیر
سونگھتے ہیں گور میں منکر نکیر

منھ چھپانا ان سے ممکن ہے کہاں
منھ کو خوش کرنے کہاں وارد وہاں

آب وروغن ہو تو منھ ڈھانپے کوئی
حیلہ سازی کو ہے حاجت ہوش کی

کتنی چوٹیں دوگے اپنے گرز سے
دبر پر اور سر پہ اس بیہودہ کے

گرز عزرائیل کا دیکھو اثر
چوب وآہن گو نہیں آتے نظر

گاہے گاہے شکل بھی آئے نظر
رہتا ہے بیمار اس سے باخبر

پوچھیے وہ بیمار اسلحہ دیکھ کر
کیوں ہے یہ تلوار میری مانگ پر

جب نہ پائے اس کے یاروں کا پتہ
بولے گا ہر اک جواباً اے چچا

ہم کو کچھ دِکھتا نہیں، یہ ہے خیال
ہے خیال اور ہے ز آثار وصال

کیا تخیل ہے کہ وہ چرخ نگوں
جس کے ڈر سے لگتا ہے مانند ''نوں''

گرز تلواروں کا جو احساس تھا
اس سے سر بیمار کا اوندھا ہوا

جان کر ہیں وہ سبھی اس کے لیے
دوست دشمن سب کی نظروں سے چھپے

حرصِ دنیا ختم، نظریں تیز تر
ہوگئیں خونریزیاں پیشِ نظر

اس کی آنکھیں مرغِ بے ہنگام تھیں
کبر وغصّے کا نتیجہ بن گئیں

ذبح کرنا مرغ کو واجب ہوا
وقت چونکہ بانگ دینے کا نہ تھا

جزو جاں کا نزع میں ہے ہر گھڑی
اس لیے ہے ہر گھڑی ایمان کی

جیسے اک ہمیان زر ہے زندگی
رات دن گنتی ہے جوں دینار کی

دیتا ہے بےعقل ہی گن گن کے دھن
تاکہ خالی ہو، لگے اس کو گہن

کوہ سے لے، گر نہ واپس کچھ رکھے
کوہ خود مٹ جائے گا وہ کیوں بچے

پس جہاں سے لے وہاں رکھ دے عوض
تاکہ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ پائے غرض

اتنی کوشش کار دیگر میں نہ کر
کار دیں میں چاہیے کوشش مگر

جائے گا ناقص ہی تو انجامِ کار
ان پکی روٹی تری تو خام کار
ہوں گے جب تعمیر وہ گور ولحد
ہوں گے پتھر اور نہ لکڑی اور لبد
تو صفائے دل سے قبر اپنی بنا
تو بقائے حق میں کر خود کو فنا
اس کی مٹی بن کے ہو مدفونِ غم
تا ہو تیرے دم کا حامی اس کا دم
گور خانے، قبے اور یہ کنگرے
کب ہیں لائق اہل معنی کے لیے
کی توجہ رندِ اطلس پوش پر؟
ہے اثر اطلس کا اس کے ہوش پر؟
ہے عذابِ منکر اس کی جان پر
غم کے بچھو کا ہے اس کے دل میں گھر
دیکھیں گر ظاہر تو سب نقش ونگار
باطن اندیشوں سے اس کا زار زار
وہ دگر ہے جسم پر دلق کہن
جیسے مصری فکر جوں شکر سخن

ہاتھی کے بچوں کی حکایت کی طرف واپسی

بولا ناصح پند تم میری سنو
جان ودل پر ظلم کرنے سے بچو
سبزیوں پر ہو گزارا آپ کا
دور رہنا ہاتھی بچوں سے سدا
اپنی گردن سے اتارا وامِ نصح
خبر سعادت ہوگا کچھ انجامِ نصح
آیا ہوں پیغام دینے کو تمھیں
تا کہ تم بچ کر ندامت سے کریں
طمع تا رہزن تمھاری ہو نہ جائے
جڑ سے خودتم کو اکھڑوانے نہ پائے
اتنا کہہ کر بس خدا حافظ کہا
آڑے آئے بھوک اور قحطِ غذا
راہ پر دیکھا انھوں نے ناگہاں
ہاتھی بچہ، فربہہ نوزادہ وہاں
بھیڑیوں کی طرح سب اس پر گرے
لمحہ بھر میں اس کو چٹ کر کے چلے
ساتھ ان کے جو نہ کھایا پند دی
پند ناصح کی وہ جس کو یاد تھی
گوشت کھانے سے جو مانع سخن
بخشتی ہے بخت نو عقل کہن
لیٹے وہ اور لیٹ کر سب سو گئے
بھوکا ساتھ ان کے تھا چرواہا بنے
دیکھا ہاتھی خوفناک آتا ہوا
وہ نگہباں کی طرف دوڑے چلا

سونگھا اس کے منھ کو ہاتھی تین بار — بو نہ پائی اس نے کوئی ناگوار
گرد اس کے گھوما وہ سہ مرتبہ — بے ضرر وہ موٹا ہاتھی چل دیا
سونگھا پھر ہر نیند کے ماتے کے لب — آرہی تھی اس کے منھ سے باس جب
ہاتھی بچہ کا وہ کھایا تھا کباب — مار ڈالا چیر کر اس کو شتاب
دیکھا پھر ان سب کے منھ کو سونگھ کر — ان سبھوں کو پھاڑ ڈالا بے خطر
اور گھمایا پھینکا ان کو در ہوا — جب زمیں پر آیا تن ٹکڑے ہوا
خلق کا خوں پینے والے لوٹ جا — ہو نہ ان کے خوں کے باعث معرکہ
ان کا خون ہے مال ان کی جان لے — ان کی قوت نے کمایا ہے اسے
بچے کا لیتی ہے بدلہ اس کی ماں — بچہ جو کھائے نہ پائے گا اماں
جیسے ہاتھی خوار رشوت خوار بھی — ہوگی بربادی محافظ سے تری
بُو نے رسوا کردیا مکار کو — فیل جانے فیل کے بچہ کی بُو
وہ یمن سے پانے والا حق کی باس — کیا نہ پائے گا مرے ناحق کی باس؟
جب نبیؐ نے دور کی بو سونگھ لی — کیا ہمارے منھ کی بُو چھپ جائے گی؟
پا کے بھی رکھتے ہیں وہ ہم سے چھپا — نیک وبد کی باس جائے تا سما
ناروا کھا کر بھی تو سوتا رہا — تا بہ اوج چرخِ نیلی بُو چلے
منھ کی بو ہمراہ سانسوں کے چلے — آسماں والے بھی سونگھیں گے اُسے
بوئے کبر وبوئے خشم وبوئے آز — پھیلتی ہے بات ہی سے جوں پیاز
گو قسم کھائے بھی میں کھایا نہیں — بولے لہسن پیاز کھاتا ہی نہیں
پس تبھی سو گند غمازی کرے — مغز سے یاروں کے ٹکرانے لگے
بو سے رد ہوں گی دعائیں بے گماں — اور کجی دل کی بتائے گی زباں
لفظ کج ہوں بھی ہیں گر معنی بجا — ٹیڑھ لفظوں کی ہے مقبول خدا
لفظ اچھے ٹیڑھے معنی ہیں ہوگر — لفظ کی قیمت نہ ہوگی دمڑی بھر

دوستوں کی غلطی کے بیان میں جو محبوب کے نزدیک غیروں کی ٹھیک بات سے بہتر ہے

ہر اذاں میں وہ بلال پاکباز — حی کو ہی کہتے تھے ازروئے نیاز
بولے آقاؐ کیوں روا ہو یہ خطا — جب بناءِ دیں کی ہے یہ ابتدا
اے رسولؐ اللہ اے پیارے نبیؐ — حکم ہو افصح موذن کو کوئی
دیں کا اول، نیکیوں کی ابتدا — ہو ادا حی علی الفلاح بھی بجا
جوش میں غصہ کے اچھا ہی ہوا — راز کو آقاؐ نے افشا کردیا
ناقصو! نزدِ خدا نہیِ بلال — خوب ہے از حیّ حیّ وقیل وقال
بس کرو بک بک نہ کہہ دوں برملا — اول وآخر تمھارے ہوں گے کیا
گر دعا کو دم نہیں موزوں ترا — پاک لوگوں سے تو کروالے دعا

اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دینا کہ مجھے اس منہ سے پکار جس منہ سے تو نے گناہ نہ کیا ہو

اس لئے موسیٰؑ سے فرمایا خدا — وقت حاجت جب بھی تم مانگو دعا
مانگو مجھ سے اے کلیم اللہ پناہ — اس دہن سے جو کہ ہو پاک از گناہ
بولے موسیٰؑ منھ نہیں ویسا مرا — پس تو کروا غیر کے منھ سے دعا
کب کیا تو غیر کے منھ سے گناہ — پس کہلوا غیر سے کہ اے الٰہ
ایسا کرنا وہ دہن تیرے لئے — روز وشب تجھ کو دعا دینے لگے
منھ وہ جس سے تو نہیں کرتا گنہ — غیر کا وہ منھ ہے جو ہے عذر خواہ
یا خود اپنے منھ کو ہی تو پاک کر — روح کو بھی چابک وچالاک کر
ذکرِ حق ہے پاک، پاکی جب ملے — سب پلیدی خود بخود باہر چلے
ضدوں سے ضدیں سبھی ہوتی ہیں پاک — دافعِ شب ہوگی صبحِ تابناک
آتا ہے جب نام پاک اندر دہاں — نے پلیدی نے دہن ہوگا وہاں

اس کا بیان کہ نیاز مند کا اللہ کہنا، اللہ کا لبیک کہنا ہے

ذکرِ اللہ کرتا تھا راتوں کوئی — تا میسر ہو اسے شیریں لبی
بولا شیطاں بس کر اس کو سخت رو — کب تلک یہ ورد ہے بسیار گو
اللہ اللہ زعم میں کرتا رہا — ایک بھی لبیک کیا تو نے سنا؟
اک جواب آتا نہیں اجلاس سے — کب تک اللہ اللہ کرنا ہے تجھے
دل شکستہ ہوکے بستر پر گیا — خواب میں تھے، خضرؑ سبزہ زار تھا
پوچھیے ہاں! کیوں ذکر تیرا رک گیا — کیوں پشیماں اس سے جس کا ذکر تھا
بولا چونکہ میں ہوں محرومِ جواب — ڈر یہی ہے ہو نہ جاؤں ردّ باب
خضرؑ بولے حق نے مجھ سے یوں کہا — جاؤ تم اس سے کہو اے مبتلا
وہ ترا اللہ ہی لبیک تھا — عجز وسوز ودرد ہے قاصر مرا
کیا نہ اپنا کام دے رکھا تجھے؟ — کیا نہ شغل نام دے رکھا تجھے؟
چارہ جوئی اور وہ حیلے ترے — جذب سے میرے ترے پاؤں کھلے
تیرا خوف وعشق رحمت ہے مری — تیرا ہر یا رب ہے کیا لبیک ہی
جانِ جاہل اس دعا سے دور ہے — ذکرِ ''یا رب'' اس کا کب دستور ہے
قفل اس کے منھ پہ دل پر ہے لگا — وقتِ آفت تا نہ یاد آئے خدا
دے دیا فرعون کو سب ملک ومال — تا کرے وہ دعوہ عز و جلال
عمر بھر اس کو نہ درد سر دکھا — حق کے ہاں فریاد کرنے سے رہا
اس کو ملک ومال دنیا کا دیا — درد ورنج وغم سے دور اس کو رکھا
درد ملک ومال دنیا سے بھلا — دل ہی دل میں تا خدا کو دے صدا
درد ورنج وبارِ غم ہائے جہاں — اس کے پیاروں کا مقدر ہے یہاں
درد سے خالی دعا افسردگی — درد سے مملو دعا دلبردگی
زیرِ لب وہ کھینچنا آواز کو — یاد کرنا سجدہ وآغاز کو

ہوگئی آوازہ وہ صاف اور حزیں ۔۔۔ اے خدا انصاف والے اے معیں
گر نہیں جذبہ نہ روئے کتا بھی ۔۔۔ جو ہے راغب ہے اسیر رہزنی
کہف کا سگ چھوٹا جب مردار سے ۔۔۔ ساتھ بیٹھا خوان پر حضرات کے
تا قیامت جام بن پیتا رہے ۔۔۔ آبِ رحمت سامنے اس غار کے
کتنے ہی بدحال ہیں بے نام ہیں ۔۔۔ پردے پردے ہی میں جام آشام ہیں
جان بھی دے دے بہر اک جام ہے پسر ۔۔۔ بے جہاد وصبر ہے ممکن ظفر؟
صبر ہیں اس کے لیے کیا ہے حرج ۔۔۔ کیونکہ ہے ابصر ومفتاح الفرج
صبر وہشیاری بنا کوئی بچا؟ ۔۔۔ خود ہیں صبر وحزم اس کو دست وپا
گھاس زہریلی نہ کھانا ہوشیار ۔۔۔ عزم کرنا تو ہے نبیوں کا شعار
کاہ کو حرکت میں لاتی ہے ہوا ۔۔۔ تولتا ہے کہ ہواؤں کو بھلا؟
غول ہر جانب بلائیں گے تجھے ۔۔۔ بھائی آ، رستہ جو تجھ کو چاہیے
راہ دکھلاؤں رہوں بن کر رفیق ۔۔۔ میں ترا رہبر، یہ ہے راہ دقیق
وہ نہ رہبر ہے نہ جانے راہ کو ۔۔۔ جانہ اس کی سمت وہ ہے گرگ خو
احتیاط اتنی نہ دیں دھوکا تجھے ۔۔۔ چرب وشیریں دام ہیں اس دہر کے
کچھ مٹھاس اس میں نہ ہے چکنائی ہی ۔۔۔ پھونکتا ہے کانوں میں منتر کوئی
آ ادھر مہماں ہمارے روشنی ۔۔۔ گھر ترا ہے تو ہمارا اپنا ہی
حزم یہ کہہ دے ہے بدہضمی مجھے ۔۔۔ میں ہوں اک بیمار قبرستان سے
یا یہ کہہ ہے درد سر کر دور اسے ۔۔۔ یا بتا بلوایا ہے بھائی مجھے
دے گا وہ شربت تجھے ڈنکوں بھرا ۔۔۔ تا ہو زخمی نوش سے باطن ترا
وہ پچاس اور ساٹھ سکے ڈر بھی دے ۔۔۔ وہ ہے کانٹا گوشت ہی مچھلی تجھے
دیں بھی گر خود دستے ہیں کب پر رحیل ۔۔۔ بس سڑے اخروٹ باتیں پر دغل
زر کی چھن چھن عقل کر دے گی خراب ۔۔۔ لاکھوں عقلیں اک نہ ہوں گی درحساب
یار تیرا توشہ وکیس تجھے ۔۔۔ گر ہے 'را میں' کچھ نہ بجز 'ویسہ' لے

ویسہ معشوقہ ہے تیری ذات ہی آفتیں ہیں اس سے باہر کی سبھی
ہوشیاری یہ بلائیں جب تجھے تو نہ بولے مست ہیں خواہاں مرے
دعوت ان کی مرغ کی بیٹھی ہے جان اور شکاری گھات میں تیری ہے جان
مرزہ مرغ اک رکھ لیا ہے سامنے اور فریاد وفغاں سے کام اسے
جان کر مرغ اس کی اپنی جنس ادھر جمع ہوکر نوچتے ہیں پوست وپر
مرغ جس کو حزم تھا حق کی عطا دام ودانہ واحمقی سے بچ سکا
لائے بے حزمی پشیمانی ضرور حزم کو مضبوط کے باشعور
سنگ دلی بے احتیاطی کا ثمر جائے دیں ہاتھوں سے پائے دردسر
شرح میں اس کی حکایت سن ذرا حزم حفظ دیں کی خاطر ہو ترا

ایک دیہاتی کا ایک شہری کو فریفتہ کرنا اور خوشامد اور عاجزی سے دعوت دینا

بھائی عہد رفتہ میں ایسا ہوا ایک دیہاتی کا شہری دوست تھا
گاؤں والا شہر کی جانب چلا شہری کے کوچہ میں خیمہ کرلیا
ماہ دو تین اس کا مہماں ہوگیا اس کے دسترخوان، دکاں پر ہی رہا
جو بھی تھیں حاجات اس کی اس زماں کر رہا تھا پر وہ شہری رائگاں
دیکھا سوئی شہری بولا خواجہ تو گاؤں کیوں آیا نہیں تفریح کو
ساتھ اپنے جملہ فرزندوں کو لا باغوں کے دن میں یہ موسم پھولوں کا
یا تو آ گرما میں ہنگامِ ثمر باندھ لوں خدمت کو تیری تا کمر
خانداں، بچوں کو اپنی قوم لا تو مہینے تین چار اس جا بتا
گاؤں دل کش ہوتے ہیں وقت بہار پھول رنگیں چار جانب کشت زار
ٹالنے کو شہری نے وعدہ کیا آٹھ برسوں کا زمانہ کٹ گیا
ہر برس وہ پوچھتا کب آؤگے بولتا تو دن خزاں کے آگئے
اور وہ کہتا اس برس میرے یہاں آنے والے ہیں وہاں سے مہماں

سال آئندہ جو کاموں سے مجھے   ہوگئی فرصت تو آؤں دوڑتے
بال بچے میرے اس جا منتظر   تیرے بچوں کے لیے اے اہل برّ
جیسے تعلق ہر برس آتا تھا وہ   گھر میں شہری کے ٹھہر جاتا تھا وہ
ہر برس یونہی وہ شہری مال وزر   خرچ کرتا ہی رہا دل کھول کر
آخری دم وہ مسلسل تین ماہ   رکھا دسترخواں بچھا صبح ومسا
بولا خواجہ سے بصد شرمندگی   کب تک ایسے وعدے، بہلاوے یونہی
بولا شہری وصل جو ہیں جسم وجاں   پر ہیں تاویلیں ز روئے آسماں
بادباں سے ناؤ انسان کی رواں   کب چلائے گا ہوا کو باد راں
پھر قسم دی اس کو بولا اے کریم   بچوں کو لا دیکھ پھر لطف نعیم
ہاتھ پکڑا تین بار از روئے عہد   بولا اللہ اللہ دکھلا اپنی جہد
دس برس تک ہر برس وعدے چلے   چاپلوس وعدے شیریں قند سے
بچے جب شہری کے بولے اے پدر   چاند، بادل، چھاؤں سب کو ہے سفر
تم نے اس پر اپنے حق ثابت کیے   اور کئی دکھ کام میں اس کے سہے
ہے ادائے حق کا خواہاں اپنے ہاں   تم اگر ہوجائیں اس کے میہماں
کی وصیت ہم کو بھی اس نے نہاں   لے چلیں تم کو خوشامد سے وہاں
حق ہے، پر دانا نے پند اس طرح دی   شر سے اس کے ڈر بھلائی جس سے کی
دوستی ہے تادم آخر صواب   تخم یہ ڈر ہے نہ ہوجائے خراب
صحبتیں ہیں تیغِ برّاں کی مثال   کشت زار وپانچ کو جاڑا وبال
ہوشیاری یہ کہ تو بدظن رہے   محترز بد سے بدی سے تو بچے
ہوشیاری ظنِ بد بولے رسول   کر تصور دام ہر گام اے فضول
گو کشادہ وصاف ہیں صحرا مگر   دام ہے ہر گام آہستہ گزر
بھاگے ڈھونڈے کو ہی بکرا دام کو   بھاگتے میں پائے دام اندر گلو
تو کہ کہتا ہے کہاں، لے ہے یہاں   دست دیکھا، گھات کو دیکھا کہاں

بے کمین ودام بھی اے ہوشیار
ہوگا دنبہ درمیانِ کشت زار؟
جو کوئی گستاخ تھے اندر جہاں
دیکھ ان کی کھوپڑی اور ہڈیاں
جائے گورستاں کو جب اے مرتضٰی
ہڈیوں سے پوچھ انھوں نے کیا کیا
تا تو دیکھے کھل کے وہ مستاں زور
کیوں گرائے خود کو در چاہ غرور
آنکھ اگر ہو تو تو کورانہ نہ جا
گر ہو اندھا ہاتھ میں لے لے عصا
جب نہیں وہ حزم واستدلال عصا
چشم دیگر کو بنالے پیشوا
گر نہیں ہیں حزم واستدلال عصا
بے عصا کش راہ پر کھڑنے نہ جا
رکھ قدم ویسا کہ جوں اندھا رکھے
تا کہ سنگ راہ اور چہ سے بچے
لرزاں، ترساں رکھ قدم پُر احتیاط
پڑ نہ جائے پاؤں تا اندر خباط
آگ میں کودا دھوئیں سے بھاگتا
لقمہ ڈھونڈا سانپ کا لقمہ بنا

اہل سبا کا قصہ اور نعمتوں کا ان کو سرکش بنا دینا اور ان میں کفر و سرکشی کی بدبختی کا آپہنچنا اور اللہ کی نعمت اور شکر کی فضیلت کا بیان

کیا نہ دیکھا قصۂ اہل سبا
یا پڑھا، پڑھ کر نہ پایا جز صدا
وہ صدا کوہ اس سے آگہ ہی نہیں
کوہ کو معنی کا چسکا ہی نہیں
وہ بھی دیتا ہے صدا بے گوش وہوش
تو جو ہو خاموش وہ بھی ہو خموش
حق نے خوشحالی سبا والوں کو دی
اور ہزاروں قصر وایواں باغ بھی
ہو نہ پایا بد رگوں سے شکر ادا
رہ گئے کتوں سے بد تر در وفا
در سے پائے لقمہ ناں کتا گر
باندھ لے گا پاسبانی کو کمر
پاسبان در کا محافظ ہو رہے
گرچہ ظلم وجور بھی سہنا پڑے
رہن، سہن، اس در پہ ہی اس کو قرار
کفر اسے کرنا دگر کو اختیار
اجنبی سگ آئے دن کو یا بہ شب
کرتے ہیں تنبیہ کتے مل کے سب
لوٹ پہلے کے ٹھکانے کو تو جا
حقِ نعمت سے ہے دل گروی ترا

کاٹتے ہیں جائے تا اپنی جگہ — حق نعمت تا نہ ہوجائے خطا
پی کے اہل دل سے آب زندگی — کھل گئی ہیں کس قدر آنکھیں تری
پس غذائے وجد وسکر وبے خودی — کیسی کیسی یوں غذائے جاں نہ لی
چھوڑا پھر اس آسماں کو حرص سے — گھومتا ہے گرد ہر دکان کے
در پہ دولت مندوں، چکنی دیگ کے — دوڑتا ہے گوشت روٹی کے لیے
چکنی جا وہ جاں قوی ہوگی جہاں — کارِ مشکل میں ہو آسانی جہاں
ہے شفا بخشی کو خوانِ اولیا — ہوشیار اس کو یہ چھوڑ اے مبتلا

مصیبت زدوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرجا گھر پر ہر صبح کو ان کی دعائے شفا کے لیے جمع ہونا

خلق اکٹھے ہوتی تھی اطراف کی — اندھے، لولے، لنگڑے اور کوڑھی سبھی
عیسیٰؑ کے ہاں جمع ہوتے صبح سے — پھونک سے ان کی شفا کے واسطے
ہو کے فارغ اپنے وہ اوراد سے — آتے باہر وقت پر وہ چاشت کے
کیسے کیسے کتنے وہ بیمار وزار — در پہ ہوتے باامید وانتظار
وہ دعا کرتے وہ کہتے از خدا — حاجت ومقصود ہوں سب کے روا
کہتے اے اصحابِ آفت از خدا — حاجتیں ان سب کی ہوجائیں روا
ہاں چلو، جاؤ بلا رنج وعنا — سمت غفاری واکرام خدا
جس طرح اشتر سبھی پاؤں بندھے — کہ تو کھولے زانو تھے جن کے بندھے
جملہ صحت یاب ہوتے ہیں رواں — پھونک سے جاں بخشی عیسیٰؑ کی وہاں
پالیے حاجات اپنی سب علیل — امر حق اور از دم پاک جلیل
سب بلا تاخیر شاداں در اماں — ہوگئے ہمراہ دعاؤں کے دواں
جملہ بے درد والم بے رنج وغم — تندرست و شادمان و محترم
اپنے اپنے گھر کو سب ہوتے رواں — از دم میمون آں صاحب قرآں

آزمائیں آفتیں اپنی کئی　　پائی صحت مہربانی شاہوں کی
ہوگیا رہوار تو لنگڑا جو تھا　　ہوگئی آزار وغم سے جاں رہا
بھولے! رسّی ڈال پاؤں میں یہیں　　تا نہ گم خود سے تو ہوجائے کہیں
ناسپاسی اور فراموشی تری　　بھول بیٹھا شہد نوشی وہ تری
تجھ پر آخر بند رستہ ہوگیا　　کہ دل اہل دل کا خستہ ہوگیا
زود پالے ان کو استغفار کر　　جیسے بادل گر بہائے زار کر
باغ ان کا تا تری جانب کھلے　　پختہ میوہ تیری خاطر پھٹ پڑے
طوفِ در میں ہو نہ سگ سے کمتری　　کہف کے کتے سے کرنا ہمسری
کتے، کتوں کو یہ دیتے ہیں بتا　　اولیں گھر سے ہی رہ جا تو بندھا
گھر وہ پہلا جس کی کھائیں ہڈیاں　　حق گذاری میں بندھے وہ تو وہاں
کاٹتے ہیں تا اسی جا لوٹ جائے　　کامیابی اولیں چاہے وہ پائے
کاٹتے ہیں تاکہ وہ طاغی چلے　　تا نہ باغی ولیِّ نعمت کا بنے
حلقہ باندھے تو اسی اک در کا رہ　　تو محافظ چست اور آمادہ رہ
ہم کو کیوں بدنام کرتا ہے بھلا　　بے وفائی مفت تو کرنے نہ جا
ہاں خصوصیت ہے کتوں کی وفا　　ننگ وبدنامی تو کتوں کو نہ لا
بے وفائی سگ کو باعث عار کا　　بے وفائی کیوں ہوتی تجھ کو روا؟
فخر کرتا ہے خدا خود بروفا　　کون کرتا ہے وفا ہم سے سوا
بے وفائی ہے وفا مردود سے　　سب پہ سابق ہیں حقوق اللہ کے
نور بہر نور رہ بانار نار　　جائے گل گل بن تو جائے خار خار
ماں کا حق بعد اول حق کرد گار　　چونکہ تیرے حمل سے ہے قرض دار
جسم میں اس کے تری تشکیل کی　　حمل میں اس کے تری راحت بنی
اس کا جزو متصل ہوکر رہا　　کردیا حکمت سے پھر اس کو جدا
صنع وفن کے جوڑ کر صدہا طریق　　پھر بنایا ماں کو بچہ پر شفیق

حق کا حق ہے ماں کے حق سے بھی بڑا
وہ کہ جو یہ حق نہ جانے ہے گدھا

ماں بنایا دودھ کو پستاں دیا
باپ ساتھی کیا یہ سب از خود ہوا؟

اے خداوند اے قدیم احساں ترا
جانا ان جانا مرا تیری عطا

تو نے فرمایا کروں یادِ خدا
حق پرانا ہی نہیں ہوتا مرا

یاد کر وہ صبح میرے لطف کی
نوحؑ کی کشتی تمھیں بچنے کو دی

اصل وآبا کو تمھارے اس زماں
موجوں اورطوفاں سے میں نے دی اماں

آب آتش خو زمیں گھیرے ہوئے
موجیں اوپر چل رہی تھیں کوہ کے

تھی تمھارے حفظ کی صورت یہی
کی حفاظت پشت میں اجداد کی

خلق میں اشرف تو، ٹھوکر ماردوں؟
کارخانہ اپنا ضائع کیوں کروں

بے وفاؤں پر فدا ہونے لگا
بدگماں ہو کر ادھر تو چل دیا

میں بری ہوں بے وفائی سہو سے
کیوں مری سمت آئے تو بدظن بنے

بدگمانی یہ تری لے جا وہاں
سر جھکانے اپنے جیسے کے یہاں

یاد تیرا جو بھی طاقت ور لگے
گر میں پوچھوں وہ کہاں بولے گئے

نیک یاروں کی جگہ چرخ بریں
یارِ فاسق دفن در قعر زمیں

رہ گیا تو ایسے ان کے درمیاں
بے مدد چوں آگ بعدِ کارواں

دامن اس کا تھام اے یار دلیر
جو کہ ہے آزاد ہر بالا و زیر

نے مثالِ عیسیٰؑ جو گردوں چلے
اور نہ جوں قاروں زمیں دھنس رہے

ساتھ تیرے در مکاں ولامکاں
اس کی دھن میں دور کیوں تر بر دکاں

چھان لاتا ہے وہ گدلے سے صفا
جو جفاؤں کی تری پائے وفا

جب جفا دیکھے وہ بھیجے گوشمال
نقص سے پہنچائے تا سوئے کمال

ورد کا معمول اگر تو چھوڑ دے
رنج غصہ قبض کا باعث بنے

گوشمالی تا کیا پھر کر نہ پائے
فرق عہد کہنہ میں کچھ آ نہ جائے

قبض کا جاری رہے کیوں سلسلہ
ہو نہ جائے دل کا دکھ زنجیر پا

ذہن کی پپتانہ ہو تن کا وبال — اس اشارے کو نہ کر مردہ خیال
جب گناہوں میں بنے دل گیر قبض — ہوتا ہے بعد از اجل زنجیر قبض
جو کرے دوری ہمارے ذکر سے — تنگ جی کر حشر میں اندھا اٹھے
چور تو لے جائے گا لوگوں کا مال — قبض، دل تنگی، خلش اس کا وبال
بولے وہ یہ قبض کیسا ہے مجھے — قبض اس سے ہے رلایا تو جسے
ملتفت کم ہوگا جب اس قبض سے — بادِ ضد کی آگ دہکانے چلے
قبض جوں قبضہ سپاہی کا ہوا — جو تھا معاً آشکارا ہوگیا
قبض زنداں، چار میخ اس کی سزا — قبض جڑ اور شاخیں اس کی خود نما
جڑ جو پنہاں تھی ہوئی کیوں آشکار — اپنے قبض وبسط کو کر جڑ شمار
بیخِ جد کو زود اکھڑوانا بھلا — تا نہ ہوجائے چمن کانٹوں بھرا
قبض دیکھا کر علاج اس کا ابھی — کیونکہ جڑ سے آتی ہیں شاخیں سبھی
بسط دیکھا، بسط کو سیراب کر — نذر یاراں کو وہ پھل لائے اگر
لوٹ سوئے قصۂ اہل سبا — تا دوبارہ کہہ سکوں میں مرحبا

اہل سبا کا باقی قصہ

وہ سبا والے تھے بچوں جیسے خام — کام تھا کفرانِ نعمت باکرام
ان کے اس کفرانِ نعمت کی مثال — تو کرے جوں اپنے محسن سے جدال
یہ بھلائی مجھ سے آخر کس لیے — رنج میں کہیں، رنج کیوں اس کا تجھے
کر کرم اور یہ بھلائی دور کر — میں نہ چاہوں آنکھ مجھ کو کور کر
پس سبا بولے بڑھا دیے فاصلے — عیب اچھے زینتیں یہ کس لیے
ہم نہیں چاہیں گے یہ ایوان وباغ — نہ ہی اچھا وقت نے امن وفراغ
ہیں بڑی شہری کی یہ نزدیکیاں — خوب وہ جنگل درندے ہیں جہاں
گرما میں انساں کہے جاڑا بھلا — آیا جب جاڑا اسے بھی رد کیا

جو ہوا اس سے وہ راضی کب ہوا   تنگی راس آئی نہ عیش اچھا لگا
نفس ہے ایسا ہی سو ہے کشتنی   نفس کو مارو کہے موسیٰؑ نبی
خار سہ پہلو ہے جیسا بھی رکھے   تو چبھن سے اس کی کیوں کر بچ سکے
آگ دے ترک ہوا کی خار کو   تھام لے جا دستِ نیکو کار کو
حد سے جب گذرے کہے اہل سبا   کہ صبا سے ہم کو بہتر ہے وبا
ناصحاں بہر نصیحت آگئے   کفر وبدکاری سے بچنے کو کہے
ناصحوں کے خوں کے درپے ہوگئے   بیج فسق وکفر کے بوتے رہے
موت جب آئے سکڑ جائے جہاں   حلوا ہوگا باعثِ رنج وہاں
بولے جب آئے قضا سکڑے فضا   ہوں گی آنکھیں بند درِ وقت قضا
بند ہوگی آنکھ در وقتِ قضا   تا نہ دیکھے آنکھ سرمہ آنکھ کا
گرد اڑائے مکر کی جب بھی سوار   استعانت دور کردے گا غبار
سوئے راکب جا نہ جا سو کے غبار   ورنہ کچلے گا تجھے مکرِ سوار
حق کہا اس کو کہ کھایا بھیڑیا   گرد دیکھی کیوں نہ کی زاری بتا
وہ نہ جانا گردِ گرگ ہوتی ہے کیا   باوجودِ ہوش چرتا ہی رہا
بکریاں سب بھیڑیے کی پا کے بو   گھس کے ہوجاتی ہیں غائب سو بہ سو
پا کے بوئے شیر حیوانات بھی   ترک کرتے ہیں چراگہ کو تبھی
دیکھا بوئے خشم حق بس لوٹ جا   خوف کر ہو جا تو غرقِ التجا
وہ نہ لوٹے گرگ کی شہ پا کے بھی   گرد کے بعد آہی گیا گرگِ قوی
رکھ دیا بس بکریوں کو پھاڑ کے   بند کی جب آنکھ راعی عقل سے
وہ نہ آئے دی صدا راعی نے بھی   خاکِ غم آنکھوں میں اس کی جھونک دی
بولے جا رکھوالی میں بہتر ہیں ہم   کیوں ترے تابع، سبھی سرور ہیں ہم
گرگ کا لقمہ ہیں، مالِ یار؟ نہ   آگ کا ایندھن ہیں اس سے عار؟ نہ
زعمِ غیرت، جاہلیت در دماغ   فالِ بد ہے گھور پر وہ بانگِ زاغ

کھودتے ہیں پھر مظلوماں وہ چاہ   چاہ میں خود گرتے ہیں، کرتے ہیں آہ
پھاڑتے ہیں جامۂ یوسف وہی   پاتے ہیں اپنا کیا خود آپ ہی
کون یوسف؟ وہ دل حق جو ترا   جو ترے کوچہ کے اندر ہے بندھا
تیرے ہاں جبریلؑ ہے کھم سے بندھا   اس کے پر کاٹے ہیں تو نے جا بجا
تو بُھنا بچھڑا کھلانے لائے گا   یا کبھی تو گھاس پر لے جائے گا
بولے کھا یہ ہے پسندیدہ غذا   جب کہ ہے اس کی غذا حق کی لقا
اس شکنجے وامتحاں میں مبتلا   وہ کرے اللہ سے شکوہ ترا
کہ خدا فریاد گرگِ کہنہ سے   بولے وقت آیا، تحمل چاہیے
داد ہر جاہل سے مجھکو چاہیے   داد گر تو گر نہ دے تو کون ہے
وہ کہے گا صبر اپنا سب فنا   ہے جدائی میں تری یا ربّنا
میں ہوں احمد پھنس کے در دست یہود   میں ہوں صالح بند در حبسِ ثمود
''اے سعادت بخشِ جانِ انبیا''   یا بلا، یا مالہ یا خود آپ آ
تاب ہجراں کافروں میں بھی نہیں   لائق اصحاب یہ ہوگی کہیں؟
دیکھ کر کافر عذابِ دردناک   بولے ہوتا کاش میں بے مایہ خاک
حال یہ تیرا نہیں جو اس کا ہو   ہوگا کیا حال اس کا جو خود تیرا ہو
سن اے پاکیزہ کہے حق بھی یہی   صبر کو اپنا ہے بہتر صبر ہی
ہے دمِ قرب سحر خاموش رہ   وقت باہر جانے کا لے آ گیا
جہد میری خوب تر ہے یا تری   تلخ دارو حلوے سے بہتر مری
ہاں تحمل کر تو چل خاموش رہ   بات کم کر تو سراپا گوش رہ
حد سے گذری بات یار اب لوٹ آ   شہری کو دہقان گھر کو لے چلا
اک طرف رکھ قصۂ اہلِ سبا   بول شہری گاؤں کو کیسے چلا

دیہاتی کی دعوت پر خواجہ کے گاؤں جانے کا قصہ

کی دیہاتی نے خوشامد اختیار ۔۔۔ رہ گیا حیران شہری ہوشیار
پے بہ پے پیغام نے حیراں کیا ۔۔۔ حزم سے ہٹ کر تذبذب میں پڑا
اور اُدھر وہ کودکوں کی کائیں کائیں ۔۔۔ کھائیں،کھیلیں،ہم وہاں شادی منائیں
جیسے یوسف کی وہ تقدیر عجب ۔۔۔ نرتع ونلعب نے چھینا ظلّ اب
کھیل کیسا، جان کی بازی تھی وہ ۔۔۔ حیلہ، مکاری، دغابازی تھی وہ
وہ جو کردے تجھ کو یاروں سے جدا ۔۔۔ سن نہ ان کی اس میں ہے گھاٹا تیرا
سود سو فیصد بھی ہو ہرگز نہ لے ۔۔۔ ردّ خازن بہرزر کیوں کس لیے؟
لو سنو! تنبیہ حق کے بعد بھی ۔۔۔ سن کے گرم وسرد اصحابِ نبیؐ
بس علانیہ بسالِ تنگ حال ۔۔۔ کر ہی ڈالے ترکِ جمعہ کی مجال
تانہ ارزاں مول پر وہ مال لائیں ۔۔۔ ہم سے بڑھ کر فائدہ لینے نہ پائیں
اور خلوت میں پیمبرؑ در نماز ۔۔۔ دو سہ فقرا ساتھ میں وقفِ نیاز
پیٹا تاجر کوئی طبلہ عیش کا ۔۔۔ کیوں رسولِ رب سے یوں چلنا پڑا
سوئے گندم تم جھپٹ کر چل دیے ۔۔۔ یوں پیمبرؑ کو اکیلے چھوڑ کے؟
بہر گندم تخمِ باطل بو دیے ۔۔۔ اور رسول اللہ چھوڑے چلے
صحبت ان کی عیش ودولت سے بھلی ۔۔۔ مال کی جانب نظر کیسے گئی
خود تمھاری حرص کو کب تھا یقیں ۔۔۔ رزق دینے میں ہوں خیر الرازقین
ہاں جوخود سے رزق گیہوں سے بھی دے ۔۔۔ کب توکل کو ترے ضائع کرے
بہرگندم تو جدا اس سے ہوا ۔۔۔ جس نے بھیجا، چرخ سے گندم ترا
تو نہیں کمتر بطخ سے جو در آب ۔۔۔ باز کی طبلی پہ دیکھ اس کا جواب

باز کا بطخوں کو پانی سے جنگل کی دعوت دینا اور بطخوں کا جواب

بط سے بولا باز پانی ترک کر　　جنگلوں کو دیکھے تا پُر از شکر

بط عاقل بولی جا اے باز دور　　آپ ہمیں ہے قلعہ امن وسرور

باز شیطاں ہے بطو جلدی کرو　　قلعۂ آبی کے اندر ہی رہو

باز سے کہدو تو جا جا لوٹ جا　　تو ہمارے سر سے ہاتھ اپنا اٹھا

ہم بری، دعوت مبارک ہو تجھے　　ہم نہ چاہیں، رکھ لے خود اپنے لیے

جاں ہے جب تک رزق بھی ہوگا نہ کم　　فوج جب تک ہے نہ ہوں گے کم علَم

خواجہ اور دیہاتی کے قصہ کی طرف واپسی

عذر کتنے شہری حازم نے کیے　　اور بہانے بھی کئی اس سے کیے

اب مجھے کرنے بہت سارے ہیں کام　　گر میں آجاؤں نہ ہوگا انتظام

شہ نے نازک کام سونپے ہیں مجھے　　نیند بن ہوگا وہ رستہ تاکتے

منھ نہ موڑوں گا میں حکم شاہ سے　　پیش شہ شرمندگی کیوں ہو مجھے

آتا ہے خاص اک سپاہی بار بار　　اس کا ہے اصرار پر تکمیلِ کار

تیرے ہاں آنا مرا تجھ کو روا　　شاہ کی ابرو پہ آئے گی گرہ

بعد ازاں اس کی دوا کیوں کر کروں　　قبر میں زندہ خود کو گاڑدوں

سو بہانے اس طرح اس نے کیے　　حکمِ حق جیسے نہ حیلے ہوسکے

ہوں جو سب ذرّات عالم حیلہ گر　　حکمِ حق آگے ہو ں گے بے اثر

آسماں سے یہ زمیں کیوں کر بچے　　کیا کرے خود کیوں کہاں جاکر چھپے

خاک پر جو بھی فلک سے آئے گا　　چھوٹ، چارہ ہے نہ چھپنے کو جگہ

اس پہ برسائے جو سورج آگ بھی　　آگ کے آگے کرے گو سجدہ ہی

یا کرے طوفاں بپا برسائے آب　　شہروں کو کر ڈالے ویراں وخراب

صورتِ ایوبؑ تسلیم ورضا — بولے ہوں پابند جو لانا ہو لا
جزو خاکی حکم عدولی تو نہ کر — پیش حکمِ حق نہ کرنا بند در
خاک اصلیت تری، یہ سن لیا — چاہے کردے خاک پھر نقصان کیا؟
بیج اک مٹی میں میں نے بودیا — ہوگیا مٹی، بلند اس کو کیا
خاک ہونا تجھ کو گر ہو دل پذیر — میں بناؤں تجھ کو سب میروں کا میر
پانی نیچے بہتا ہے بالائی سے — وہ وہیں سے جاتا ہے اوپر چلے
گیہوں بالائی سے مٹی میں گیا — پھر تھا خوشہ لہلہاتا گیہوں کا
بیج پھل کا دفن جو بھی ہوگیا — وہ زمیں سے اپنا سر اونچا کیا
نعمتیں آئیں فلک سے تا بہ خاک — ہوگئیں آکر غذائے جانِ پاک
نیچے جب بہر تواضع آگئی — جزو زندۂ آدمی خود ہورہی
بن کے وہ بے جاں صفات آدمی — شاد وشاداں عرش کے اوپر چلی
پہلے ہم زندہ جہاں سے آگے تھے — پھر تو پستی سے سوئے بالا چلے
حرکت وسکتہ کے عالم میں سبھی — بول کر جاتے ہیں اس کی سمت ہی
''ذکر وتسبیحات اجزائے نہاں'' — ایک شورش اندرونِ آسماں
تھی جو نیرنگ قضائے حق کی بات — کردیا دہقان نے شہری کو مات
باوجود حزم خواجہ مات تھا — معرضِ آفات کو جانا پڑا
گو یقیں مضبوط جیسے کوہ تھا — نیم سیل اس کو بہائے لے چلا
چرخ سے باہر قضا لائے جو سر — ہو رہیں گے جملہ عاقل کو روکر
مچھلیاں دریا سے باہر آرہیں — مرغِ یزاں جال میں آکر پھنسیں
بند ہوں بوتل میں تا دیو اور پری — سوئے بابل تا چلے ہاروت بھی
پس سوا اس کے قضا میں جو پھنسے — بہر تربیع کون خوں اس کا کرے
بس سوا اس کے تو بھاگے در قضا — کوئی حیلہ کر نہیں سکتا رہا

ضروان والوں کا قصہ اوران کا تدبیر کرنا تا کہ فقیروں کی زحمت سے بچ کر باغوں کے پھل بھی توڑ لیں

اہل ضرواں کا جو قصہ پڑھ لیا پھر تو حیلہ جوئی میں کیوں ہے پڑا
چند بچھو ڈنک حیلوں میں لگے تا کہ کچھ فقرا کی روزی سے بچے
مکر کے منصوبے باندھے رات بھر منھ سے منھ جوڑے ہوئے با یک دگر
باتیں خفیہ کر رہے تھے وہ برے نا خدا سے بھی وہ چھپ کر ہی رہے
گل کو خود اندیشہ گلِ انداز سے ہاتھ جوں دل سے چھپا کر کچھ کرے
کیوں نہ جانے خالق اپنے خلق کی جھوٹ یا سچ خفیہ باتیں ہی سہی
کیوں نہ جائے گا کہ وہ ہودج سوار کل کہاں پہنچے گا پائے گا قرار
نیچے وہ اترا کہ وہ اوپر چڑھا وہ محافظ جانے سب اس کا کیا
واقعاتِ خواجہ تو سن اب ذرا شہر سے گاؤں کی جانب جو چلا
کانوں کو غفلت سے کر کے پاک سن دور گھر سے قصۂ غمناک سن
جھیلیں کیسی سختیاں کیا کیا بلا گاؤں جاتے شہر سے ہوکر جدا
صدقہ ہے وہ دھیان سے سننا ترا جب سنے تو قصہ ایک غمناک کا
سن ذرا تو حالِ بیمارانِ دل فاقہ کش جاں ان کی اندر آب وگل
پُر دھواں کیوں خانۂ پُرفن رہے دھیان سے سن کر دریچہ کھول دے
تیرا سننا اس کو رستہ سانس کا جو دھواں گھر میں ہے کم ہوجائے گا
غمگساری کر تو اے سیراب آ جارہا ہے گر سوئے رب العلیٰ
یہ تردد قید اور بندش رہے جان تو روکے کہیں جانے نہ دے
یہ ادھر اور وہ اُدھر کھینچا کیے خود کو سیدھا راستہ کہتے رہے
ہے تردد گھاٹ در راہِ خدا مرحبا! وہ پاؤں جس کا ہے کھلا
ہے تردد جائے راہ راست پر رہ نہ جانے دیکھ ہے پاؤں کدھر

کام آہو پر چلے جا اے معاف　　گامِ آہو سے تو پہنچے تا بہ ناف
اس طرح تو اوجِ انور پر چلے　　اے برادر آگ پر بھی گر چلے
خوف کیا دریا سے موج اور جھاگ سے　　جب خطاب لا تخف آتا رہے
رہ نڈر ، ہے خوف تیرا داد حق　　آئے گی روٹی بھی جب آیا طبق
خوف اسے جس کو نہیں ہے اس کا خوف　　رنج اسے جس نے نہ جانا اس کا طوف

خواجہ کا بچوں کے ساتھ گاؤں کو روانہ ہونا

کام میں ساماں کے خواجہ لگ گیا　　گاؤں چلنے کا ارادہ کر لیا
بیوی بچوں نے بھی خود رخت سفر　　لاد ڈالا لا کے گاوِ عزم پر
شاد شاداں زود گاؤں کو چلے　　گاؤں کے پھل کھائے تا مژدہ سنے
وہ چراگہ اپنے مقصد کے لیے　　دوست اک فیاض و دل کش پائیں گے
با ہزاروں آروز مدعو کیا　　پیڑ فیاضی کا رکھا ہے لگا
ہم بھی دس جاڑوں کا ساماں جوڑ کر　　شہر میں لے آئیں گے پھر اپنے گھر
بلکہ سارا باغ ہی قرباں کرے　　اپنی جاں کے درمیاں جا ہم کو دے
ساتھیو! جلدی کرو تم نفع پاؤ　　عقل بولی کا ہے خوشیاں جاؤ جاؤ
نفع جو اللہ دے ہے سود مند　　حق کو بے فکرے نہیں آتے پسند
بس وہی تھوڑی خوشی اللہ جو دے　　دین میں مشغولیت ہالک بنے
چاہیے اس سے خوشی نے غیر سے　　وہ بہار اور سب خزاں ہیں دوسرے
سب علاوہ اس کے استدراج ہے　　گرچہ تیرا تخت وملک وتاج ہے
شاد غم سے رہ، وہ ہے دام لقا　　پستی ہی اس راہ میں ہے ارتقا
غم خزانہ رنج بھی ہے جیسے کان　　پر سمجھتے ہیں اسے بچے کہاں
کھیل کا بچے جہاں سنتے ہیں نام　　گور خر کے ساتھ جائیں گام گام
اے خراماں گور ادھر پھیلے ہیں دام　　گھات میں تیری درندے گام گام

تیر تو پنہاں نہیں لیکن کماں — آدمی پانے نہ پائے ہے کہاں
تیر چلتے ہیں کمال پوشیدہ ہے — اک جواں پر حملہ صد پیری کا ہے
داخلہ صحرائے دل میں چاہیے — جا نہیں ہے تن میں وسعت کے لیے
دل ہی جائے امن ہے لوگو یہاں — قلعہ محکم، امن کی جا بے گماں
گلشن خرم ہے بہر دوستاں — ہر سو چشمے گلستاں در گلستاں
چلنے والو جلد سوئے دل چلو — بہتے چشمے خوشنما اشجار لو
گاؤں کیوں؟ گاؤں تمھیں احمق کرے — عقل کو بے نور و بے رونق کرے
خواجہ سمجھا گاؤں دے گا اس کا رزق — یہ نہ جانا دینے والا دے گا رزق
قول پیغمبرؐ سنو اے مجتبیٰ — جا خرد کو گاؤں میں دفنائے گا
ایک دن بھی گاؤں میں گر رہ گیا — عقل اک مہ تک نہ آئے گی بجا
گر گزارے گاؤں میں روز اور شام — عقل اک مہ تک نہیں ہوگی تمام
ہوگی اس کو ایک مہ تک احمقی — گھاس سے گاؤں کی کیا ہوگا یہی
گاؤں میں اک ماہ جو بھی رہ گیا — جہل ونادانی سدا اس کا صلہ
گاؤں کیا ہے پیر جو ناقص رہا — پیروی، حجت کو جو اپنا لیا
گاؤں پیشِ عقل کل آبادی کے — چشم بستہ جیسے کولھو کے گدھے
چھوڑ اسے پھر قصہ لینا ہے تجھے — ترک کر موتی گیہوں کا دانہ لے
گیہوں لے موتی نہیں حاصل اگر — رہ نہ ہو گر اس طرف چل پر ادھر
گرچہ ظاہر کج رہے ظاہر کو لے — عاقبت ظاہر سوئے باطن چلے
صورت اول ہوتی ہے انسان کی — بعد سیرت جو ہے خوبی جان کی
اول ہر میوہ صورت میں رہی — بعد لذت اس کی معنی ہے وہی
پہلے خیمہ اپنا کرتے ہیں کھڑا — یار کو مہماں بنا لیتے ہیں لا
خیمہ صورت ترک معنی میہمان — معنیٰ ملاح کشتی بس صورت ہے جان

خواجہ اوراس کی قوم کا گاؤں کی طرف جانا

بہر حق یہ چھوڑ دم بھر کے لیے خواجہ خود جنبش جرس کو تانہ دے
خواجہ، بچے جمع سب ساماں کیے لاد کر چوپایوں پر ہانکے چلے
اور خوش خوش سوئے صحرا چل دیے ''ہے غنیمت کو سفر'' کہتے ہوئے
کہ سفر سے بندہ کے خسرو بنے بے سفر کیوں چاند خوش رو ہوسکے
اور سفر سے پیادہ بھی فرزیں بنے بارور یوسف سفر کرکے ہوئے
دن میں دھوپوں سے جلاتے منھ چلے شب میں رخِ منزل کا تاروں سے لیے
کڑوا بھی شیریں لبوں سے خوش لگے خار بھی گلزار میں دل کش رہے
یاد اندرائن خود سے خرما لگے بیوی سے گھر جیسے خوش صحرا لگے
کانٹے چننے میں کئی امیدوار تاکتے راہِ ماہ رویاں، گل عذار
پیٹھ زخمی کتنے قلیوں کی ہوئی دلبروں مہ رویوں کی دھن جو لگی
کئی لہاروں کے ہوئے چہرے سیاہ تاکہ چومیں رات کو وہ روئے ماہ
خواجہ تا شب قید ہے دکاں میں ہی سروئے جڑ اس کے دل میں گاڑ دی
خواجہ ایک دریا وکشتی رواں عشق میں خانہ نشیں کے ہے دواں
ہو اگر بے جاں کا سودائی کوئی ہے امید اس کو کسی جاندار کی
گر توجہ چوب پر بڑھی کرے وہ بہ ذوقِ خدمت مہ ہی کرے
کر امیدِ زندہ پر تو اجتہاد بعدِ کچھ دن کے نہ ہوگا وہ جماد
کر نہ ناکارے کو یار اپنا کبھی عارضی ہوتی ہے اس سے دوستی
انسِ تو ماں باپ سے اپنے کجا بعد حق ان سے کہاں تیری وفا
دایہ وخادم سے الفت کیا ہوئی زور بازو بعد حق ہے گر کوئی
شہرو بستیاں سے وہ الفت بھی نہیں مدرسہ سے تیری نفرت بھی نہیں
وہ کرن دیوار پر ان کی جو تھی جانبِ خورشید واپس ہوگئی

جس کسی شئے پر پڑے گی وہ شعاع اس کا بھی ہوگا تو عاشق اے شجاع
عشق نے تیرے جو کچھ موجود تھا وصفِ حق سے اس کو روشن کردیا
زر ملا جب اصل سے مس رہ گیا وہ زری کے وصف سے عاری ہوا
کردیا آزاد جب دل بھر گیا پیٹھ پھیری ہاتھ اٹھا کر چل دیا
پھر ملمع سازی کو ہرگز نہ جا کھوٹے سکے کو نہیں کہنا کھرا
ہے چمک کھوٹوں کی آخر عارضی زیر زینت ہے نہاں بے زینتی
قلب سے زر جائے گا پھر سوئے کاں سوئے کاں جا وہ جہاں جائے وہاں
جائے سورج کو کرن دیوار سے جانا سورج کی طرف زیبا تجھے
اب سے پانی آسماں سے مانگ پا تو نے پرنالوں کی دیکھی ہے وفا
کان دنبہ کی نہیں ہے دامِ گرگ کان کیا جانے بھلا گرگِ سترگ
جان کر سونا گرہ میں کرلیے سوئے وہ دھوکے میں پھنس دوڑے چلے
یوں ہی ہنستے کھیلتے اور ناچتے لڑھکیاں کھاتے ہوئے گاڑی چلے
سوئے دہ جاتے پرندے دیکھ کر رکھ نہ پاتے قابو اپنا صبر پر
از سوئے وہ جب ادھر آئی ہوا بوسہ کتنے پیار سے اس کو دیا
تو نے دیکھا ہے ہمارے یار کو جانِ جاں اس مرد خوش اطوار کو

مجنوں کا اس کتے کو نوازنا جو لیلیٰ کے کوچہ میں رہتا تھا

جیسے مجنوں جو کرے کتے سے پیار چوم کر اس کو بنائے اپنا یار
پُرخضوع گرد اس کے گھومے درطواف جیسے حاجی گردِ کعبہ بے گزاف
چومتا گاہے سروبال اس کی ناف دیتا گہ شربت گلابی پاک صاف
بولا اک بیہودہ اے مجنونِ خام کیا چلے کی تیری مکاری دوام
کتا کھاتا ہے غلاظت ہی سدا کون اپنی چاٹتا اس کو روا
عیب کتے کے یوں ہی گنتا رہا عیب چیں یوں غیب کی جانا نہ تھا

بولا مجنوں جسم وپیکر وہ تجھے   اس کے اندر دیکھ میری آنکھ سے
ہاں اسیرِ جادوئے مولٰی ہے یہ   پاسبانِ کوچۂ لیلٰی ہے یہ
جان ودل پہچان اس کی دیکھ آ   اپنا گھر اس نے بنایا کس جگہ
وہ مبارک چہرہ میرے غار کا   یار مخلص درد میں ساتھی مرا
اس کے کوچہ کا ہے وہ کتا مقیم   خاک پا اس کی ہیں شیران عظیم
یار کے کوچے کا ایک کتا سہی   دوں نہ بدلے شیر کے اک بال بھی
وہ کہ ہیں شیر اس کے کتے کے غلام   کیا کہوں اس کی رہو چپ والسلام
گر ہو ظاہر سے کنارا دوستاں   وہ ہے جنت، گلستاں در گلستاں
صورت خود گر جلا دے توڑ دے   صورت کل توڑنے کا گر ملے
توڑنے لگ جائے ہر پیکر کو تو   اور اکھیڑے گا در خیبر کو تو
ہوگیا صورت پہ شیدا وہ بھلا   باتوں میں آکر وہ گاؤں کو چلا
آیا در دامِ تملق شادماں   مرغ جوں پہنچا بہ دانۂ امتحاں
دام ودانہ سمجھا یار کا   پاس جاکر کھودیا جائے پناہ
لطف جانا مرغ نے دانہ جو تھا   حد تھی لالچ کی نہ تھی جود وعطا
طمع دانہ میں پرندہ شادماں   مکر کی جانب تھا پرّاں ودواں
اس کی خوشیوں سے اگر آگہ کروں   ڈر ہے ضائع وقت میں تیرا کروں
مختصر یہ، گاؤں جب دیکھا گیا   خود نہ تھا وہ گاؤں دیگر گاؤں تھا
گاؤں گاؤں ایک ماہ پھرتے رہے   گاؤں کے رستہ سے جب واقف نہ تھے
ہر کوئی جو راہ بے رہبر چلے   راہ دو روزہ کو صد سالہ کرے
جو بھی جائے سوئے کعبہ بے دلیل   ہوگا ان گم کردہ راہاں سا ذلیل
وہ جو بے استاد کے پیشہ کرے   مضحکہ وہ شہر وگاؤں میں بنے
اک عجوبہ مشرق ومغرب کا وہ   کوئی بن ماں باپ کے پیدا جو ہو
مال پائے کسب جو کرتا ہے وہ   یہی وہ نادر گنج خود پائے ہیں جو

ہیں اماں وہ مصطفیٰؐ تن جان ہے ۔۔۔ شان رحمٰن علّم القرآن ہے
اہل تن کو علم کا رستہ قلم ۔۔۔ ہے ذریعہ اس کو بس بذل وکرم
لالچی رہتے ہیں محروم اے پسر ۔۔۔ چا نہ ویسا چل ذرا آہستہ تر
دیکھے اس رستہ میں اکثر پیچ وتاب ۔۔۔ جوں عذاب مرغ خاکی اندر آؤ
گاؤں سے دہقاں سے سیری ہوگئی ۔۔۔ اور شکر ریزی سے بے استاد کی

خواجہ اوراس کے متعلقین کا گاؤں میں پہنچنا اور دیہاتی کا ان کو اجنبی اور نا آشنا ٹھہرانا

اک مہینہ بعد وہ پہنچے ادھر ۔۔۔ بے نوا خود اور بھوکے جانور
دیکھتا دہقان کی بد نیتی ۔۔۔ تھا زباں پر اس کی لیت ولعل ہی
منھ چھپا لیتا تھا اپنا دن کو وہ ۔۔۔ تا کہ وہ جانے نہ پائیں باغ کو
چہرہ ایسا گویا جملہ مکر وشر ۔۔۔ ہو مسلماں سے نہاں تو خوب تر
کتنے چہرے جن پہ دیوی کھیاں ۔۔۔ بیٹھے سر پر بن گئی ہیں پاسباں
تو جو منھ دیکھے لپٹیں گے تجھے ۔۔۔ یا نہ دیکھ یا ہنس نہ ان کو دیکھتے
ایسے بد رو عاصی کے حق میں خدا ۔۔۔ موئے پیشانی سے کھینچوں گا کہا
پوچھا پاچھی سے گھر اس کا پالیے ۔۔۔ جیسے خوشیاں جانبِ در چل پڑے
کرلیا در بند اہل خانہ نے ۔۔۔ خواجہ وہ دیوانہ ٹیڑھی چال سے
موقع پر سختی برتنے کا نہ تھا ۔۔۔ چہ میں گر کی تیزی سے کیا فائدہ
رہ گئے پس پانچ دن پر پڑے ۔۔۔ شب کا جاڑا دن کے انگارے سہے
اس میں غفلت تھی نہ ان کی احمقی ۔۔۔ ان کی مجبوری رہی بس بے زری
بد کی زد میں نیک مجبوراً پڑے ۔۔۔ شیر بھوکا مردے کو لقمہ کرے
اس نے بھی دیکھا کیا اس کو سلام ۔۔۔ کہ فلاں ہوں، اور یہ ہے میرا نام
بولا تو ہوگا، پہ میں واقف نہیں ۔۔۔ گندہ ہے یا تو ہے پاکی سے قریں

ہوں فدا صنعت پر میں اللہ کی
مجھ کو کیا پروا تیری، ہوگا کوئی

میں خود اپنی ذات سے ہوں بے خبر
مجھ پہ ہستی کا نہیں کوئی اثر

غیرِ حق سے میرے ہوش آگہ نہیں
میرے جان ودل میں جز اللہ نہیں

ہے قیامت کے مشابہ یہ زماں
بھاگے بھائی بھائی سے کا ہے سماں

بولا میں وہ جس کے ہاتھ کھاتا تھا تو
نعمتیں اک خوان پر برسوں دو تو

شئے جو مولیٰ میں نے اس دن تجھ کو دی
دو سے بڑھ کر بات سب پر کھل گئی

کیا نہ تھا مہماں مہینوں میرے ہاں؟
کیا نہ دیکھے مجھ سے احساں بے کراں

اس تواضع سے ہے واقف بعض خلق
چہرہ شرمائے جو نعمت کھائے حلق

وہ بھی بولا بس تری باتیں اے خام
تجھ کو جانا میں نہ نام ونے مقام

پانچویں شب ابرو باراں کا غضب
آسماں بارش سے اپنی در عجب

آخرش چاقو چلا در استخواں
کنڈی کھٹکائی کہ صاحب ہے کہاں

سو خوشامد سن کے آیا سوئے در
پوچھا ہے کیا بات اے جانِ پدر

بولا چھوڑا حق جو جانا تھا ابھی
ترک کر ڈالا توقعات بھی

پنج سالہ رنج اندر پنج روز
جاں سکیں، شدت سرما وسوز

یاروں،خوشیوں سے جو دیکھیں اک جفا
شدت اس کی ہوگی لاکھوں سے سوا

ان سے دل دیکھا نہ تھا جور وجفا
ان سے اس نے دیکھے بس مہر ووفا

ہے بشر پر جو بھی شدت اور بلا
ہے خلاف عادت کے جانے کا صلہ

اے کہ تیری مہر ہے رو در زوال
خون بھی کردے مرا تجھ کو حلال

شب ہمیں بارش سے دے کونے میں جا
حشر میں تا پائے تو اس کا صلہ

گوشت اک وہ ہے برائے باغباں
اس جگہ وہ گرگ کا ہے پاسباں

ساتھ میں تیر وکماں ان بہر گرگ
تا چلائے آئے گر گرگ سترگ

ہے جگہ تیری وہ خدمت گر کرے
ورنہ جا تو جائے دیگر ڈھونڈ لے

ویسی سو خدمت کروں تو جانے دے
لا کماں وتیر وہ دے دے مجھے

پہرہ دوں انگوروں کا سوئے بنا　　تیری ماروں آ گیا گر بھیڑیا
بہرِ حق مجھ کو نہ رکھ شب بھر یہاں　　پاؤں کیچڑ میں برستا آسماں
گوشہ خالی تھا گیا وہ باعیال　　تنگ اتنا کہ سمائی تھی محال
ٹڈیاں سی ایک دیگر پر سوار　　جوں پنہ سیلاب میں ڈھونڈیں یہ غار
رات بھر کہتے رہے سب اے خدا　　یہ سزا ہے یہ سزا ہم کو سزا
یہ کمینوں سے تلطف کی سزا　　اہل نا اہلوں کو کرنے کا صلہ
یہ سزا اس کی بہ ذوق طمع خام　　ترک کردی خدمت اہل کرام
پیش نیکاں انکساری عاجزی　　باغوں، انگوروں کی چوکی سے بھلی
مردِ روشن دل کا جا ہو جا غلام　　فرقِ شاہاں پر نہ ڈھونڈ اپنا مقام
کچھ نہ پائے شہ سے اے راہی کبھی　　ہے وہاں نقاروں کی آواز ہی
جاں کی نسبت شہری ڈاکو کی مثال　　اور دہقاں کیا ہر مثال تنگ حال
یہ سزا اس کی کہ بے تدبیرِ عقل　　غول کی آواز انھیں از بہرِ نقل
منفعل دل آپ ہی جب ہوگیا　　بعد ازاں اقرار سے کیا فائدہ
جب کیے پر دل پشیماں ہوگیا　　بعد آہِ سرد سے کیا فائدہ
تھے کمان وتیر دونوں اس کے ہاتھ　　تھا تلاشِ گرگ میں وہ ساری رات
گرگ خود حاوی تھا اس پر جوں شرر　　گرگ جویا گرگ سے خود بے خبر
پسو مچھر ہر کوئی جوں بھیڑیا　　اس کھنڈر میں زخم دیتا تھا لگا
کب تھی فرصت اس کو مچھر ہانکنے　　وہ پریشاں بھیڑیے کے خوف سے
تا نہ آئے بھیڑیا، نقصاں کرے　　خواجہ کی داڑھی نہ دہقاں نوچ لے
دانت وہ پیسا کیا تا نیم شب　　ناف سے جان آئی اس کی تا بہ لب
ناگہاں مانند چھوڑے گرگ کے　　سر اٹھایا پیچھے سے اک ٹیلے کے
تیر خواجہ نے جو چھوڑا شست سے　　گر پڑا حیوان نیچے ٹیلے کے
گرتے دم حیواں نے کی خارج ہوا　　پیٹا اس دہقاں نے سر ہائے کہا

ولا بدبخت یہ ہے خر بچہ مرا — نانا یہ ہے دیو پیکر بھیڑیا
گرگی اس کی شکل کرتی ہے عیاں — شکل بھی گرگی کی مخبر ہے جہاں
گور سے اس کے ہے مجھ پر ہے حجاب — جانتا ہوں جیسے میں آب وشراب
کھیت میں مارا مرے خر بچہ کو — تنگی سے دیکھے فراخی کو نہ تو
رات ہے تحقیق بہتر کرذرا — چہرے یونہی جانے جائیں گے بھلا
شب بدل کر یاغلط دکھلائے گی — شب میں جوں کا توں نہ دیکھے ہرکوئی
رات بادل سخت بارش کا سماں — کور کردے گی سہ تو تاریکیاں
یہ تو جیسے روز روشن ہے مجھے — جانتاہوں خربچہ کو گوز سے
بیس(20) ہواؤں میں بھی جانوں وہ ہوا — جیسا جانے اپناتوشہ مردِ رہ
خواجہ اچھلا بوکھلاکر آ گیا — اور دہقاں کاگریباں دھر لیا
ابلہ وطرار ،مکاری کیا — بھنگ و افیوں کو ملا کر کھا لیا
گہرے اندھیرے میں جانے بادخر — کیوں نہ پہچانا مجھے اے خیرہ سر
نیم شب جوپہچانے گوشالہ کو — کیوں نہ جاتا ہمدمِ دہ(10) سالہ کو
عارف وعاشق بتائے تو آپ کو — بے مروت ہورہے آؤ آئے تو
کہ میں اپنے آپ سے آگہ نہیں — دل میں میرے کچھ بجز اللہ نہیں
کل کاکھایا آج یاد آتا نہیں — کچھ بھی حیرت کے سوا بھاتا نہیں
عاقل و دیوانہ حق کرشمار — بے خودی میں ہے مقامِ اعتذار
وہ شرابی یعنی مردار خوار — کرتی ہے معذور شرع اس کو شمار
مست وبھنگی کو طلاق و بیع نہیں — جوں معافی طفل کے حق میں یقیں
بوئے وحدۂ لاشریک ایسا ہے جام — جس کے آگے نشہ سو بوتل کا خام
اس کو کرلینا مکلّف ناروا — گھوڑا گرکر ہورہے بے دست وپا
لنگ کو کارِ بار برداری نہیں — قولِ حق نابینا پر تنگی نہیں
یوں ہی لنگڑے پن پر جب تنگی نہیں — اندھے لنگڑے پر کوئی دکھ بھی نہیں

بار خربچہ پر کیوں ڈالے کوئی
کون شیطاں کو سکھائے فارسی
بہرِ خود اندھا 'برائے حق بصیر
میں کہ ہوں بخشودۂ بعض وکثیر
ڈینگیں تیری بے خودی درویشی کی
شور وغل جوں عاشقانِ ایزدی
میں نہ جانوں یہ زمین وآسماں
غیرتِ حق سے تیرا امتحاں
خربچہ کو گوز نے رسوا کیا
ہست تیری نیست کو کرکے رہا
مکر کو کرتا ہے رسوا حق یوں ہی
گھیرے یونہی بھاگتے قیدی کوبھی
سیکڑوں ہیں امتحاں ایسے ہی پدر
کہتے ہیں میں ہوں سپاہی اس کے در
گو عوام اس کو نہ مانیں امتحاں
مانگتے ہیں پختہ کار اس کا نشاں

مدعی کمال کو صاحبِ کمال اور عوام کی جانب سے غلط بکواس کو پہچاننے کے بارے میں اشارہ

دعویٰ درزی کا اگر کوئی کرے
پھینکے اطلس شاہ اس کے سامنے
کاٹ کر اس سے بنا چوڑی قبا
اس کو پس ہوگا دوراہی سامنا
آزمائش گر نہ ہو بد کے لیے
ہر مخنّث رن میں اک رستم بنے
ہاں زرہ پہنے بھی رن میں ہیجڑا
قیدی بس اک زخم پر ہوجائے گا
مستِ مے کو ہوش میں لائے دبور
مستِ حق جاگے نہ سن کر بانگِ صور
حق کی مے ہے، بوجھی کیوں نہ ہو جھوٹ کی
چھاچھ پی ہے تونے پی ہے چھاچھ ہی
کرلیا خود کو جنیدؒ وبایزیدؒ
ایک تجھ کو وہ شیر ہو یاکلید
کاہلی، بدذاتی، اپنی حرص وآز
کیوں چھپائے مکر سے اے مکرساز
کرلیا منصور حلاج آپ کو
پنجہء یاراں میں آتش زن ہے تو
تونہ جانے فرقِ عمر وبولہب
خربچہ کی یاد جانے نیم شب
اے گدھے اس کو گدھا باور کرے
تیری خاطر خود کو کوروکر کرے
توہے کمتر یہ پلکوں سے جان لے
یارِ رہزنی لاف اپنی چھوڑدے

مکر سے اڑکر تو سوئے عقل جا ... پر مجازی چرخ پر کب جائے گا
تجھ کو ہے اللہ سے دعوۂ عاشقی ... کی مگر دیوِ سیہ سے دوستی
عاشق ومعشوق کو روزِ جزا ... لے چلیں گے باندھ کر پیشِ خدا
خود کو دیوانہ و بے خود کہہ دیا ... مے کہاں خود خوں ہمارا پی گیا
میں نہ جانوں تجھ کو مجھ سے بھاگ جا ... میں ہوں بہلول عارفِ گُر گاؤں کا
قربِ حق سے وہم میں تو مبتلا ... دور مصنوع سے کہیں صانع رہا
یہ نہیں دیکھا کہ قربِ اولیا ... کیا کرامات ان کی، کیسا دبدبہ
لوٹا جیسے موم تھا داؤد کو ... موم بھی لوٹا بنے چھولے جو تو
قربِ حق ورزق تو سب پر ہے عام ... قربِ وحیِ عشق ہے شان کرام
قرب کے اقسام بھی ہیں اے پدر ... ہے چمک سورج کی زر پر کوہ پر
زر سے ہے خورشید کو قربت مگر ... بید کو اس کی نہیں کوئی خبر
شاخِ خشک وتر قریبِ آفتاب ... کب ہے ان دونوں سے سورج کو حجاب
شاخِ تازہ کی مگر قربت کہاں ... پختہ پھل کھائے تو جس سے بے گماں
سوکھی ٹہنی قربتِ خورشید سے ... خشک تر ہونے سے بڑھ کر کیا کرے
قرب سے سورج کے سوکھی ڈال کیا ... پائے گی کچھ اور خشکی کے سوا
مست اتنا ہو نہ جا ناداں کبھی ... تا نہ بعد ہوش ہو شرمندگی
بلکہ وہ مستی شرابی جب پئیں ... دیکھ کر عاقل انھیں حسرت کریں
اے کہ جھپٹا جیسے بلّی چوہے پر ... شیر گیری میں سے ممکن ہو تو کر
کچھ نہ پی تو نے خیال خام سے ... زعمِ مستانِ حقائق کیوں تجھے
لڑکھڑاتا ہے تو مستوں کی مثال ... چھوڑ ادھر کی دھن کہ یہ ہے تیرا مال
دخل کی صورت وہاں ہو بعد ازاں ... سر جھکا گاہے یہاں گاہے وہاں
ہے ادھر کا ہی اُدھر کا کب ہوا ... جیتے جی کیوں دکھاوا نزع کا
خضر دم جس کو نہیں ڈر موت کا ... گر نہ جانے خلق کو،اس کو سزا

تیری خوشی کافی ہے دھوکا وہم کا پھونک سے مشک اپنی تونے پُر کیا
ایک سوئی خالی کردے گی ہوا فربہ پودے جسم سے کیا فائدہ
کوزے سرما میں بنائے برف کے کیا حرارت میں وفا کر پائیں گے

گیدڑ کا رنگ کے مٹکے میں گر جانا اور اس کا رنگین ہو جانا

اور گیدڑوں میں مور ہونے کا دعویٰ کرنا

رنگ کی ٹھلیا میں گیدڑ گر پڑا ایک ساعت اس میں ہی ٹھہرا رہا
پوست رنگین کرکے باہر آگیا خود کو طاؤسِ ارم کہنے لگا
چشمِ رنگیں سے ہوئی رونق سوا رنگ کو سورج بھی چمکانے لگا
دیکھا خود کو سرخ وسبز زرد تھا گیدڑوں کے سامنے حاضر ہوا
پوچھے اے گیدڑ یہ کیا حالت تری مستی تیرے سر میں ہے لپٹی ہوئی
مستی میں ہم سے کنارہ کرلیا یہ تکبر تجھ میں کیسے آگیا
پوچھا اک گیدڑ یہ کیوں مکر اے فلاں تاتو کہلائے یکے از خوش دلاں
مکر کیا منبر پر جمنے کے لیے جوبھی دیکھے خلق تا حسرت کرے
کی جو کوشش دیکھی گرمی بھی کوئی؟ مکر سے کیا پایا، جز بے غیرتی
گرمجوشی، صدق کار اولیا اور بے شرمی پناہِ ہر دغا
تا تری جانب کھنچ آئے ہر کوئی تا خوشی اندر، بظاہر سب خوشی

ایک شیخی خور کا ہونٹ اور موچھوں کو صبح کو دنبہ کے چمڑے سے چکنا کرنا

اور باہر دوستوں میں کہنا کہ میں نے ایسا ایسا کھانا کھایا ہے

ایک گپّی صبح کو دنبہ کی کھال گھِس کے چمکا تا رہا موچھوں کے بال
جاکے کہتا مالداروں میں یہی کھا کے آیا خوش مزہ کھانے ابھی
ہاتھ پھر رکھتا تھا اپنی مونچھ پر اک اشارہ، یعنی تم دیکھو اِدھر

یہ گواہ ہے میری سچی بات کا | وہ نشاں ہے لوٹ کا لذات کا
بے صدا پر پیٹ کہتا تھا وہیں | کر خدا! برباد کَیدَالکافرین
لاف نے انگار پر بٹھلادیا | چرب مونچھ ہوں تیری برباد ہوا
جھوٹی شیخی گر نہ ہوئی اے گدا | رحم کرتا ہم پہ کوئی مردِ سخا
بولتا سچ، ترک گر کرتا کجی | چارہ گر ہوتا ہمیں حاصل کوئی
عیب دکھلاتا جو کم کرتا جفا | کرتا مہماں تجھ کو کوئی آشنا
بولا حق ٹیڑھے نہ گوش و دم ہلا | دے گا سچ سچوں کو سچ کا فائدہ
مختلم تو غار میں سونے نہ جا | سچ بتا، پابند ہوجا حکم کا
عیب بتلائے نہ گر خاموش رہ | خود کو اہلاکِ نمائش سے بچا
اپنی چکنی مونچھ پر تکیہ نہ کر | لے گئی بلّی وہ چکتی بے خبر
نقد گر پائے نہ کھول اپنی زباں | راستے میں ہیں بہت سے امتحاں
آگے پتھر امتحاں کے ہیں کئی | امتحاں احوال میں ہیں اور بھی
مہد سے تا گور بولا کردگار | آدمی کے امتحاں ہوں گے دوبار
امتحاں پر امتحاں ہے اے پدر | زعم کمتر امتحاں پر تو نہ کر
امتحاناتِ قضا سے اے نڈر | بھائی رسوائی سے اپنی خوف کر

بلعم باعور کا مطمئن ہوجانا کہ خدا نے اس کا امتحان کرلیا ہے

اوراس سے وہ ثابت ہوا تھا

بلعمِ باعود و شیطاں لعنتی | رسوا وقتِ امتحانِ آخری
وہ نہ تھے آگاہ خدا کے او سے | امتحاں ماضی میں بہتیرے ہوئے
عاقبت رسوائی تھی ان کا صلہ | تم کو بھی معلوم ہے کیا کچھ ہوا
دعوے میں اس کو شکایت مال کی | مونچھ کو ٹھہرایا معدہ لعنتی
وہ جسے ڈھانپے ، اسے کر مشتہر | ہم کو پھونکا ہے، تو اس کو خوار کر

جملہ اجزائے تن اس کے دشمناں　　گو کہے فصلِ چمن، وہ ہے خزاں
پیش کر سچائی یا خاموش رہ　　دیکھ رحمت کی طرف لے فائدہ
پیٹ دشمن ہوگیا خود مونچھ کا　　ہاتھ اندر ہوگئے وقتِ دعا
لاف زن، دل تنگ رسوا ہوں خدا!　　اور ہوں مائل اس طرف اہلِ سخا
پیٹ کی حاجت تھی مقبولِ خدا　　اور علم سوزش کا اونچا ہوگیا
وہ کوئی فاسق سہی مشرک سہی　　گر پکارے ہے قبولیت مری
گریہ و زاری، بہ شدّت ہو دعا　　کر دعا تو کرتے کرتے تھک نہ جا

گربہ کا دنبہ کی کھال کو لے بھاگنا اور پہلوان کا رسوا ہونا

پیٹ جس دم حق پہ قانع ہوگیا　　لے گئی بلّی وہ چمڑا دنبہ کا
دوڑا پیچھے بلّی کے وہ جاچکی　　لافی کے لڑکے پہ حالت خوف کی
چھوٹا بچہ انجمن میں آگیا　　آبرو برباد لافی کی کیا
بولا اس دنبہ سے ہر دن صبح کو　　ہونٹ چمکاتا رگڑتا اس سے مو
بس اچانک آئی بلّی لے گئی　　دوڑے پیچھے، رہ گئے ناکام ہی
اشتیاق و لاف میں گم پہلواں　　ہوگیا بے حال سن کر یہ بیاں
منفعل وہ درمیانِ انجمن　　سر جھکایا اور کیا ترکِ سخن
غرقِ حیرت خندہ زن سب حاضرین　　آگیا رحم ان کا جنبش میں وہیں
کرکے دعوت پیٹ اس کا بھر دیا　　تخمِ رحمت کا اسے حامل کیا
دیکھا سچائی میں جب ذوقِ کرام　　راستی کا ہوگیا از خود غلام
راستی کو اپنا پیشہ کر مدام　　تا دو عالم میں رہے تو نیک نام

اس گیدڑ کا مور ہونے کا دعویٰ کرنا جو رنگریز کے مٹکے میں گرگیا تھا

رنگیں گیدڑ کان تک منھ لے گیا　　اور ملامت گر کو چپکے سے کہا

دیکھ مجھ کو، رنگ کو اور کر قیاس
مجھ سا بت ہے پوجنے والے کے پاس؟

جوں چمن میں بھی ہوں صد ہا رنگ کا
کیوں ادھر جائے، ادھر آ سر جھکا

دیکھ آب و تاب و کرّ وفر و رنگ
فخر دنیا، رکنِ دیں کہہ بے و رنگ

بن گیا میں مظہر لطفِ خدا
ہوگیا ہوں لوحِ شرحِ کبریا

گیدڑو! گیدڑ نہ کہنا، میں نہیں!
ہوتا ہے گیدڑ کہیں مجھ سا حسیں

آئے گیدڑ، جمع اس جا ہوگئے
جس طرح پروانے ہر سو شمع کے

پوچھے پھر ہم کیا کہیں اے جوہری؟
بولا نر طاؤس جیسے مشتری

پس کہے گیدڑ کہ اے طاؤسِ جاں
یہ تو ہے حسنِ شبابِ گلستاں

کیا وہ جلوہ تجھ میں ہے؟ بولا کہ نا
دیکھتا گر دشت، کہہ سکتا منیٰ

جانے بولی مور کی؟ بولا کہ نا
تو نہیں طاؤس تو اے بوالعلا

خلعتِ طاؤس عطائے آسماں
رنگ آمیزی سے ممکن ہے کہاں

گر کرے دعویٰ حقیقت آگے لا
ورنہ چپ گردن خود اپنی مت کھچا

فرعون کا خدائی کا دعویٰ کرنا اوراس گیدڑ کے مشابہ بتانا جس نے مور ہونے کا دعویٰ کیا

جوں سجا کر داڑھی کو فرعون نے
بر تر اڑتا تھا کلیم اللہ ؑ سے

وہ پیدا نسلِ گیدڑ سے ہوا
خم میں مال و جاہ کے جو گر پڑا

جس نے دیکھا مال و جاہ سجدہ کیا
مسخروں کے سجدوں کو جو کھالیا

تھا اندر دلقِ بوسیدہ گدا
غرقِ حیرت خلق نے سجدہ کیا

مال سانپ اور زہر ہے اس میں بھرا
سجدۂ خلق و قبول اک اژدہا

حیف اے فرعون باوقعت نہ بن
تو ہے گیدڑ، ناسزا یہ مور پن

ہوگا طاؤسوں میں گر تو رونما
عجز دیکھے، پائے رسوائی صلہ

موسیٰؑ و ہارونؑ جوں طاؤس تھے
یہ ہیں اثرات ان کے پرِّ جلوہ کے

یہ نشاں ہیں زشتی و رسوائی کے
منھ کے بل تو گر پڑا بالائی سے
جب محک دیکھا تو قلعی کھل گئی
شیر کا نقش، اصلیت کتّے کی تھی
حرص کے ماتے سگِ خارش زدہ!
پوستینِ شیر میں ہرگز نہ آ
امتحاں تیرا گرج ہے شیر کی
نقشِ شیری چال کتّے کی وہی
اے شغالِ بے جمال و بے ہنر
تو گماں طاؤس کا خود پر نہ کر
کیوں کہ طاؤساں کریں گے امتحاں
خوار و بے رونق تو ان کے درمیاں

اور تم ان کو بات کے لہجے سے پہچان لو گے کہ تفسیر منافقوں کے امتحان کے ذیل میں

حق نے فرمایا نبی کو در خبر
اک منافق کی نشانی سہل تر
رعب دار و خوبرو موٹا ہے گر
قول و لہجہ سے ہے ظاہر خوب تر
مٹی کا کوزہ خریدے جب کبھی
ٹھوک کر دیکھے گا اس کو مشتری
ٹھوکتا ہے ہاتھ سے تو کس لیے
ٹوٹا ظاہر ہوتا ہے آواز سے
ہے صدا ٹوٹے ہوئے کی اور ہی
یہ صدا ہے پیش رو سرہنگ کی
اس صدا میں کوزے کی تعریف ہے
فعل سے مصدر کی جوں تعریف ہے
امتحاں کی بات جب آئی یہاں
قصۂ ہاروت یاد آیا وہاں
اس سے پہلے بھی کچھ آیا ہے بیاں
ہوں ہزاروں میں اک میں ہی کہاں
اس میں کچھ تحقیق کرنی تھی بیاں
ڈھیل میں ہے اب تلک وہ بے گماں
جملہ دیگر بہت سے ذرّہ ہی
شرح جوں ہاتھی سے صرف اک جز وکی
قصہ سن ہاروت اور ماروت کا
دانا صورت پر تری ہم ہیں فدا

ہاروت و ماروت کا قصہ اور اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر ان کی دلیری

گوش دل سے سن اِدھر تو دھیان دے
تا کہوں کچھ یار کے اسرار سے
مست تھے اللہ کے دیدار سے
ساتھ ہی مسحور استدراج تھے

حق کی جانب نشہ استدراج کا
مرحبا اے کیفِ معراجِ خدا
دانہ در دام اس کی کیسی مستیاں
اے وہ انعامات سے پُر اس کے خواں
چھوٹ کر پھندے سے ان کی مستیاں
ہاؤ ہو کا شور مثلِ عاشقاں
گھات اک اور امتحاں رستے میں تھا
کوہ کو جوں کاہ کر ڈالی ہوا
امتحاں نے کردیا زیر و زبر
جو ہوں سرمست کیا انھیں اس کی خبر
کھائی میداں ان کے حق میں ایک سے
کھائی ہو یا باؤلی رستہ اسے

بکری کو دیکھ کر بکرے کو مستی اور اس کے بالمقابل کوہ پر کودنا

وہ پہاڑی بکرا اونچے کوہ پر
کھاتا پیتا دوڑتا ہے بے خطر
گھاس چُگتے دیکھتا ہے ناگہاں
کھیل اک دیگر زحکمِ آسماں
ڈالتا ہے کوہ دیگر پر نظر
دیکھتا ہے مادہ برکوہِ دگر
خیرہ ہوتی ہے تبھی اس کی نظر
غرق مستی کودا دیگر کوہ پر
اس طرح نزدیک تر اس کو لگا
گھومنے آنگن میں جوں ہو اک گڑھا
وہ ہزاروں گز دو گز دکھنے لگے
مستی میں تھی کودنے کی دھن اسے
جوں ہی کودا وہ فوراً گر پڑا
درمیانِ ہر دو کوہِ بے پناہ
بچنے صیادوں سے وہ بھاگا ہوا
خود پنہ نے خون اس کا کردیا
کچھ شکاری دو پہاڑوں بیچ تھے
منتظر اس پُرشکوہ تقدیر کے
ہوتا ہے اکثر یوں ہی بز کا شکار
ورنہ زیرک مست عدو سے ہوشیار
گرچہ ریشم ذی وقار و شان تھا
دامِ شہوت نے اسے عاجز کیا
جیسے میں شہوت کی مست ترک کر
دیکھ شہوت کا نشہ اندر شتر
مستیِ شہوت جہاں میں بالیقیں
پیشِ مستی ملک کچھ بھی نہیں
اس نشہ کو وہ نشہ زائل کرے
اس نشہ کا ذوق اس کو کس لیے
آبِ شیریں تا نہ چکھے آبِ شور
خوش لگے جیسے دروں دیدہ نور

ایک قطرہ بس شراب آسماں — پھر کہاں ذوقِ شراب و ساقیاں
کیا کیا مستی ہے فرشتوں کے یہاں — کیا بزرگی ہے برائے پاک جاں
بو کے باعث مے سے دل وابستہ ہے — بادۂ دنیا کا خم شکستہ ہے
ہاں سوا ان کے کہ ہیں نومید و دور — جس طرح کفار پنہاں در قبور
نا امید ہر دوعالم ہوگئے — اور کانٹے بے نہایت بودیے

ہاروت و ماروت کا مقام بشریت کی تمنا کرنا اور حق تعالیٰ کی غیرت

ولے مستی میں جو ہوتے ہم یہاں — ابر جوں برساتے پانی بے گماں
ہم تو بیدادی کے بدلے اس جگہ — لاتے انصاف، عدل و طاعات و وفا
وہ یہی کہتے تھے تب بولی قضا — دام ناپیدا بچھے ہیں ٹھہر جا
بے دھڑک جانا نہ در دشتِ بلا — ہاں! نہ جا کورانہ اندر کربلا
کہ ہیں مہلوکوں کے بال اور ہڈیاں — راہروؤں کو راہ مشکل ہے یہاں
ہڈی، پٹھے، بال جملہ راستا — تیغ لا شئے سے ہوئی ہر شئے فنا
بندے جو ہیں نصرتِ حق کے قریں — چلتے ہیں جوں خاکساراں بر زمیں
ننگے پاؤں جو بھی خارستاں چلے — جائے آہستہ، سنبھلتے ، دیکھتے
گو قضا کہتی رہی سنتے کدھر — جوش کے پردے پڑے تھے کان پر
بند چشم و گوش سب کے ہی رہے — تھے جو از خود رفتہ ان کے تھے کھلے
کون کھولے آنکھ کو غیر از خدا — غصہ کس سے ہو فرو غیر از ولا
جہد بے توفیق اذیت جان کی — اک چنے سے کم وہ سو کھلیاں سہی
جہدِ بے توفیق سے اللہ بچائے — بس وہی جانے ہدایت کون پائے

خواب میں فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کو دیکھنا اور اس کو روکنے کی تدبیر کرنا

کوششِ فرعون بے توفیق تھی — جو بھی سیتا پھاڑ دیتا تھا تبھی

زیرِ حکم اس کے نجومی تھے ہزار — تھے معبّر اور ساحر بے شمار
دیکھا موسیٰؑ کی ولادت خود بہ خواب — خود اسے اور ملک کو کرنے خراب
رائے جوتشی اور معبّر سے بھی لی — کیوں ہو شومی دفع خوابِ شوم کی
بولے سب ڈھونڈیں کوئی تدبیر بھی — راہ پیدائش میں کیوں ہو رہزنی
آ گئی خود رات جب مولود کی — رائے یہ فرعون والوں کی ہوئی
لائیں گے اس روز باہر صبح گاہ — سوئے میداں بزم و تختِ بادشاہ
پس کہے بلدے کے اندر آشکار — ہو یہ اعلان از برائے شہریار
تم سبھی مدعو ہو اسرائیلیو! — شہ بلاتا ہے تمھیں اس جا چلو
تا وہ دکھلائے تمھیں منھ بے نقاب — تم پہ تا احساں کرے بہرِ ثواب
قیدیوں کو کیا تھا دوری کے سوا — دیکھنا فرعون کو تھا نا روا
راہ میں گر ہوتا اس سے سامنا — اوندھے پڑ جانے کا تھا اک قاعدہ
قاعدہ دیکھے نہ اسرائیل اسیر — گاہ و بے گاہ جلوہ روئے امیر
بانگ گر حاجب کی سن پاتے کبھی — پھیر لیتے منھ طرف دیوار کی
دیکھ لیتے چہرہ گر وہ شاہ کا — بنتے مجرم، پاتے وہ بدتر سزا
دید شہ کی حرص تھی ان کو پڑی — ہوتا ہے ممنوع کا شیدا آدمی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو روکنے کی تدبر کے لیے فرعون کا بنی اسرائیل کو میدان میں طلب کرنا

ہر محلے کو منادی چل پڑے — ساتھ اعلان کے خوشی میں جھومتے
کہ اسیرو سوئے میداں گہ چلو — دید و جود شاہِ پاشاں دیکھ لو
مژدہ اسرائیلیوں نے سن لیا — دید کے پیاسے، وہ مشتاقِ لقا
آئے دھوکے میں ادھر دوڑے چلے — دید کو آمادگی دل میں لیے
تھے غرض نا آشنا و بے خبر — چل دیے باہر طمع میں سر بسر

مثالاً ایک حکایت

جس طرح وہ اک مغولِ حیلہ داں
ٹوہ اک مصری کی ہے مجھ کو یہاں

کیجیے جمع مصریوں کو اس طرف
تا کہ جس کو ڈھونڈتا ہوں ہو بکف

مصری ہر جا سے اکٹھے ہوگئے
آئے ایک اک سامنے اور چل دیے

جو بھی ہوتا آگے، کہتا یہ نہیں
کہتا جا اُس جا تو بیٹھے رہ وہیں

اس طرح سب کو اکٹھا کرلیا
گردنیں دھوکے سے دیں سب کی اڑا

شومی بانگ اذاں خود سن کے بھی
داعیِ حق کی کوئی پروا نہ کی

کھینچا اندر دعوتِ مکار نے
الحذر مکار اس شیطان سے

سن صدا درویشوں محتاجوں کی تو
تا نہ گھیرے تجھ کو بانگ حیلہ جو

گر ہوں مفلس لالچی اور زشت خو
کر تو صاحب دل کی ان میں جستجو

تہ میں دریا کی گہر باسنگ ہیں
تاز والے بھی میانِ ننگ ہیں

جوش دکھلاتے تھے خود اسرائیلیاں
صبح دم ہی آئے میداں کو دواں

حیلوں سے میدان میں لایا انھیں
خوش نما چہرہ بھی دکھلایا انھیں

بخششیں دی ان کی دلداری بھی کی
ساتھ انعام و عطا کے وعدے بھی

بولا پھر تم از پئے تفریحِ جاں
آج شب میداں میں سوجاؤں یہاں

پس جواباً بولے، ویسا ہی کریں
گر تو چاہے اک مہینہ بھی رہیں

حمل ہونے کی رات میں بنی اسرائیل کو ان کی عورتوں سے جدا کردینے پر فرعون کا میدان سے شہر کی جانب خوشی خوشی جانا

شام کو لوٹا شہنشہ شادماں
حمل کی شب دور مردوں سے زناں

خازن عمراں وقفِ خدمت دن تمام
ساتھ لوٹے وہ بھی اس کے وقتِ شام

بولا عمراں سوجا تو دہلیز پر
دور زن سے تو بھی بس رہ جا ادھر

بولا میں بھی تیرے در سوجاؤں گا　　میں نہ چاہوں تیری مرضی کے سوا
گرچہ عمراں بھی تھے اسرائیل سے　　ول دل و جاں تھے مگر فرعون کے
جانتا کیوں خود وہ نافرماں بنے　　خوف جاں شہ کو تھا جس سے وہ کرے
مطمئن عمراں سے اس کے حال سے　　پر وہ تھا باعث خرابی کے لیے
تھی خبر فرعون کو ہونے ہے زود؟　　منتہی وہ قسمتِ عاد و ثمود

عمران کا مادرموسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مجامعت کرنا اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا حاملہ ہونا

شہ گیا اور سوگئے عمران بھی　　آئیں بیوی نیم شب عمران کی
ان پہ بیوی آ پڑی اور چومے لب　　اور جگایا خواب سے تب نیمِ شب
ہوگئے بیدار دیکھے زن کو جب　　بوسوں کی بھرمار تھی تب لب بہ لب
پوچھے عمران ایسے میں کیوں آ گئی　　بولیں وجہِ شوق و حکمِ ایزدی
مرد کھینچا زن کو پہلو میں لیا　　خود سے اپنی جنگ میں چت ہوگیا
ہوگئی جفت اور امانت سونپ دی　　بات یہ چھوٹی نہیں بولا تبھی
سنگ سے ٹکرایا لوہا آگ اٹھی　　آگ شاہ و ملک سے بدلے کی تھی
تو زمیں میں ابر، موسیٰ جوں نبات　　حق شہِ شطرنج ہم در برو مات
ہار جیت اللہ کی مرضی پہ سب　　ہم ہیں عاجز، بس نہ کر افسوس اب
وہ کہ جس کا خوف تھا فرعون کو　　اس ہماری جفت کا حاصل ہے وہ

صحبت کے بعد عمران کا بیوی کو نصیحت کرنا کہ میرے پاس نہ آنا

کچھ کسی سے بھی نہ کہہ اور دم نہ مار　　آ پڑیں گے مفت ہم پر دکھ ہزار
عاقبت آثار ہوتے ہیں عیاں　　جب علامات ہوں گے پیدا اس زماں
اور تبھی میداں سے برپا شور تھا　　شور لوگوں کا چلا اندر ہوا

پا برہنہ شاہ باہر آگیا　　وہ پریشاں کہ ہے کیسا غلغلہ
شور وہ میدان کی جانب سے تھا　　دیو و جن بھاگے سن کر غلغلہ
بولے عمران عمر شہ کی ہو زیاد　　قومِ اسرائیلیاں ہے اس سے شاد
شاہ کی بخشش سے ہیں سب شادماں　　رقص کرتے ہیں بجاتے تالیاں

فرعون کا شور اور غل اور غوغا سے ڈرنا

بولا ممکن ہے ہوا یوں ہی مگر　　کیا ہے یہ وہم گماں وجہِ ضرر
اس صدا سے حال دیگر ہوگیا　　غم کی تلخی نے مجھے بوڑھا کیا
آگے پیچھے آتا جاتا ہی رہا　　رات بھر جوں حاملہ ہنگامِ زہ
کہتا تھا عمراں بتا یہ کیا ہوا　　نعروں نے کیوں ہلہلا کر رکھ دیا
تھی کہاں عمراں میں ہمت تا کہے　　کہ ہے یہ سب مرد وزن کی جفت سے
جوں ہی عمراں بیوی کو چمٹا لیا　　آشکارا ستارۂ موسیٰ ہوا
رحم میں آتا ہے جب کوئی نبی　　کھلتا ہے امبر پہ اک تارا تبھی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ستارے کا آسمان پر نمودار ہونا اور نجومیوں کا میدان میں شور وغل

نجمِ موسیٰ آسماں پر کھل گیا　　مکر و چارہ مات تھا فرعون کا
دن ہوا بولا کہ اے عمران جا　　غلغلہ اور شور کی اخبار لا
آئے میداں کو خبر لی زود تر　　شور کیوں تھا شہ نہ سویا رات بھر
ہر منجم سر برہنہ جامہ چاک　　جس طرح اہلِ عزا بر فرق خاک
بال اکھڑے اور منھ نوچے ہوئے　　خاک سر پر، خون آنکھوں میں لیے
خیریت پوچھی، دکھ ان کا اور حال　　بولا بد آثار ہیں منحوس سال
عذر چاہے اور بولے اے امیر　　ہوگئے تقدیرِ حق سے ہم اسیر

سب کیے اقبالِ شہ تاریک تھا
جس سے دشمن شاہ کا غالب رہا

تھا ستارہ بچہ کاکل شب عیاں
اپنی کوری سے تھا تیرہ آسماں

اس نبی کا تھا ستارہ ہر سہا
ہم نے بھی برسائے تارے دربکا

خوشدلی کے ساتھ عمراں با نفاق
پیٹا اپنا سر کہ ہائے الفراق

چڑ چڑا، پُر غصہ خود کو کرلیا
باولا جوں ہوش کھوکر چل دیا

خود کو سادہ لوح جیسا کرلیا
سخت و سست اس نے سرِ محفل کہا

کرلیا خود کو وہ غمگیں چڑچڑا
چال اک الٹی دکھاوے کو چلا

بولا میرے شاہ کو دھوکہ دیے
نہ خیانت سے نہ لالچ سے بچے

شہ کو میداں آنے کی زحمت بھی دی
آبرو بھی شاہ کی بے وجہ لی

صدق سے ہاتھ اپنے سینوں پر دھرو
شہ کا غم ہم دور کردیں گے کہو

روپیہ برباد سب اور کار خام
جا کہا فرعون کو قصہ تمام

جب سنا غصہ سے چہرہ تھا سیاہ
ان کو غصہ سے بلایا روتباہ

بولا ان کو ہوشیار اے خائنو
میں تمھیں سولی چڑھاؤں گا سنو

ہم نے خود کو کرلیا اک مضحکہ
مال اپنا خرچ اعدا پر ہوا

تاکہ شب بھر جملہ اسرائیلیاں
کر نہیں پائیں ملاقاتِ زناں

مال ضائع، ساکھ کم اور کار خام
ہے یہی یاری و افعالِ کرام

ہر برس خلعت عطایا سب لیے
مملکت پوری نگلتے چل دیے

تا کسی دن میرے ایسے وقت میں
سوچ کر تائید میری کرسکیں

ایسی تدبیر، عقل، یہ فہم نجوم!
پیٹو ہو مکّار ہو تم اور شوم

پھاڑ ہی ڈالوں میں تم کو پھونک دوں
کان، ناک اور ہونٹ یوں ہی کھینچ لوں

عیشِ رفتہ کو کروں ناخوش گوار
مثلِ ایندھن کیوں نہ کردوں نور نار

گر پڑے سجدے میں بولے اے خدیو
آگیا غالب اگر اک دفعہ دیو

سالہا دفعِ بلا کرتے رہے
عقل حیراں اس پہ جو کچھ ہم کیے

هم سے بچ کر حمل ظاہر ہوگیا
نطفہ کودا رحم کے اندر چلا

ہم برائے عفو تار روزِ ولاد
رکھیں گے اس پر نظر شاہِ قباد

روزِ پیدائش رصد نبوی کریں
جیت کا موقع قضا کو تا نہ دیں

گر نگہداری نہ کی تو مار دے
اے کہ ہوش افکار سب بندے ترے

نو مہینے گن رہا تھا روز روز
تا نہ چل جائے وہ خصم دون

لا مکاں پر گر مکاں حملہ کرے
خوں کرے اپنا بلائیں مول لے

نقش گر پر نقش کر حملہ کرے
آبرو اپنی گنوائے آپ سے

فرعون کا بنی اسرائیل کی ان عورتوں کو مکاری سے میدان کی طرف بلانا جن کے حال میں بچے ہوئے تھے

تخت باہر لایا نو مہ بعد شاہ
کی منادی سوئے میداں چل دیا

تھی منادی دگر اے عورتو
وقت سے تم آ کے اپنا حصہ لو

بچہ والی عورتو میداں چلو
داد و بخشش مجھ سے لو شادی کرو

جوں گزشتہ سال مردوں نے کیا
خلعت اور روپیہ ہر اک ان سے لیا

دیکھو یہ دن ہے تمھارا عورتو!
تا کہ جو بھی چاہیے تم مانگ لو

عورتوں کو خلعت و زیور ملے
بچوں کو بھی لو کلاہِ زر ملے

بچہ جو اس ماہ میں پیدا ہوا
مجھ سے بے شک وہ خزانہ پائے گا

عورتیں بچے لیے باہر چلیں
شادماں تا خیمۂ شہ آ گئیں

ہر زن اک نوزادہ بچے کو لیے
آئی ہے انجانی دستِ قہر سے

جملہ مائیں آئیں اس کے سامنے
نر بچے جتنے تھے دیکھے لے لیے

قتل کر ڈالے حفاظت تھی یہی
تا نہ دشمن ہی رہے بے دشمنی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا اور سپاہیوں کا عمران کے گھر پہنچنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے پاس وحی آنا کہ ان کو آگ کے شور میں ڈال دے میں اس کی حفاظت کروں گا

زوجہ وہ جس نے کہ موسیٰ کو جنا فتنہ سے دامن لیا اپنا بچا
عورتوں سے مکر جو اس نے کیا پھر کیا کیا سن وہ قصہ بھی ذرا
بہرِ جاسوسی گھروں کو وہ دغا دائیوں کو بھی روانہ کردیا
اس گلی میں اک حسیں زن ہے کوئی اس کا بچہ ہے پہ ہے پُرفن بڑی
آئے جاسوس، بچہ از حکمِ خدا آگ کے تنور میں ڈالا گیا
وحی زن کو آئی حق سے جا نہ ڈر ہے خلیل اللہ کی عترت یہ پسر
ڈال دے تنّور میں موسیٰ کو زود ہم محافظ اس کے اندر نار و دود
آگ ٹھنڈی ہوگئی فرماں سنتے ہی نہ جلائے گی نہ ہی بجھ جائے گی
ڈال دی بچہ کو ماں اندر شرر جسمِ موسیٰ پر نہ کی آتش اثر
پس سپاہی چھان ڈالے گھر سبھی پر نہیں پایا گیا بچہ کوئی
پھر سپہ بادستِ خالی چل دیے پھر چغل خور اس سے جو آگاہ تھے
چھیڑا قصہ پھر سپہ کے سامنے چند فرعونی ٹکوں کے واسطے
بولا جاؤ تم دوبارا اس جگہ کونہ کونہ چھاننا غرفے میں جا
پھر دوبارہ وہ سپہ آئے سبھی ڈھونڈ لائیں تا کہ موسیٰ کو تبھی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے پاس پھر وحی آنا کہ اس کو پانی میں ڈال دے

وحی پھر آئی اسے پانی میں ڈال رکھ امید اور کر نہ لے بد اپنا حال
رکھ امید اور نیل میں تو ڈال دے ہم بھی با عزت اسے لوٹائیں گے
ماں بہا کر اس کو اندر رودِ نیل سونپ دی انجام یا نعم الوکیل
اس سخن کی حد نہ اس کے مکر کی اس کی پنڈلی پاسے ہے لپٹی ہوئی

خون لاکھوں بچوں کا باہر بہے　　دشمن آزاد اپنے ہی گھر میں رہے!

قتل کر ڈالا جہاں پایا جنیں　　حیلوں سے وہ کور چشم دور ہیں

مکر اس فرعون کا تھا اژدہا　　مکرِ شاہانِ جہاں کو کھالیا

سخت تر فرعون اک ظاہر ہوا　　اس کو، اس کے مکر ، سب کو کھالیا

اژدہا تھا ہوگیا وہ خود عصا　　اژدہا کھائے بہ توفیق خدا

ہاتھ پر اک ہاتھ دیگر تا کجا　　تا بہ یزداں ہے وہی اک انتہا

وہ بلا تہ، بے کراں دریا کوئی　　اس کے آگے جیسے جو دریا سبھی

حیلے ، تدبیریں اگر ہوں اژدہا　　آگے الا اللہ کے وہ سب ہیں لا

جب یہاں پہنچا یہاں سر رکھ دیا　　بس خدا ہی جائے وہ راہِ ہدیٰ

خاصا ہے فرعون کا اندر ترے　　ہاں کنویں میں بند ہیں اژدر ترے

حیف یہ سب ہیں ترے ہی واقعے　　چاہے تو مختص رہیں فرعون سے

جو کہا میں نے وہ قصہ ہے ترا　　میں نے اک فیصد بھی کب اس سے کہا

تجھ سے گر جوڑیں تری وحشت بڑھے　　ہو اگر دیگر سے افسانہ لکھے

کرتا ہے تجھ سے بدی نفسِ لعیں　　دور لے جائے گا تجھ کو یہ قریں

زخم یہ سب ہیں ترے ہی نفس کے　　اور تو مغلوب سخت و سست سے

آگ کو ایندھن نہ تھا فرعون کا　　ورنہ ہوتا شعلہ بھی فرعون سا

خالی خار و خس بھٹی نفس کی　　ورنہ جوں فرعون ہوتی قاہری

ایک تاریخی حکایت سن ذرا　　تا کہ ہو اس راز سے تو آشنا

اس سپیرے کا قصہ جس نے ٹھٹھرے سانپ کو مردہ سمجھا اور رسیوں سے باندھ کر اور لپیٹ کر بغداد میں لے آیا

اک سپیرا کوہ کی جانب چلا　　تا کہ پکڑے مار کو منتر چلا

سست ہو یا چست جیسا بھی رہے　　جستجو جس کی کرے پا کر رہے

تو طلب میں اپنی رہ شام و سحر
ہے طلب ہی رہنما اک معتبر

لنگڑا، لولا سوتی صورت، بے ادب
اس کی جانب بڑھ، اسی کو کر طلب

بولتے یا چپ کیے یا سونگھتے
بوئے شہ آئے جدھر سے رخ وہ لے

بولے وہ یعقوبؑ خود اولاد سے
حد سے بڑھ کر کھوج یوسفؑ کی کرے

جملہ حس اک ساتھ کوشش چاہیے
جاؤگے ہر سمت اس کو ڈھونڈتے

نا امیدی حق کی رحمت سے نہ ہو
جیسے بابا ڈھونڈے بیٹے کو چلو

منہ سے اپنے پوچھتے جانا پتہ
کھوج جاناں کی رہے جاں سے سوا

پوچھنے سے جاں کو خوشخبری ملے
چاروں جانب کانوں کو رکھو کھلے

بوئے خوش آئے جدھر سے بھی چلو
سوئے سِر، جس سِر سے تم آگاہ ہو

جس کسی سے ہو ظہورا نصف کا
اصل کی جانب ملے گا راستہ

ندیاں دریا سے دریا ہے بڑا
چھوڑ جز کو کل پہ رکھ اپنی نگہ

خلق کی زشتی ہے خوبی کو ابھار
برگِ بے برگی ہے صبحِ خوشگوار

جنگیں انسانوں کی بہر آشتی
اور راحت کے لیے بے راحتی

ان کی ناراضی کا الفت ہے صلہ
اور جفائے خلق سے پیدا وفا

ضرب ہوتی ہے نوازش کے لیے
ہے گلہ کہ شکر سے آگہ کرے

جزو سے لے راہ تا کل اے کریم
بوئے ضد سے ضد کو پالے اے حکیم

لاٹھی موسیٰ کی بنی جس طرح مار
جملہ عالم کو کرو یونہی شمار

آشتی جوں جنگ کی ہے انتہا
سانپ سے یاری سپیرے کا صلہ

مار سے یاری امیدِ آدمی
کھائے غم وہ در امیدِ بے غمی

کوئی نادر سانپ مقصود اس کا تھا
گردِ کوہستان، موسم برف کا

دیکھا اژدر مردہ اک اس جا بڑا
شکل اس کی دیکھ کر خود ڈر گیا

وہ سپیرا سخت جاڑے میں چلا
مردہ اژدر سانپ کے بدلے ملا

تا سپیرا خلق کو حیراں کرے
پکڑے مار ابلہ بنانے کے لیے

آدمی ہے کوہ، کیوں مفتوں بنے — سانپ کیا ہے، اس سے حیرت کیوں اسے
خود کو پہچانا کہاں یہ آدمی — آیا افزونی سے پاتا ہے کمی
خود کو سستا بیچ ڈالا آدمی — خود ہے اطلس دلق سے دل بستگی
مار لاکھوں ، کوہ حیراں کس لیے — مار وہ یار حیرت کیوں کرے
مار گیر اس اژدہے کو دھر لیا — اور نمائش کو وہ بغداد آگیا
کھمبا جیسے اژدہے کو کھینچتے — جارہا تھا اپنی روزی کے لیے
اژدہا اک مردہ لایا ہوں ادھر — صید اسے کرتے پیا خونِ جگر
خود اسے مردہ وہ سمجھا تھا مگر — زندہ تھا دیکھا نہ اس کو جانچ کر
برف سے جاڑے سے وہ افسردہ تھا — مردہ سا پایا گیا پر زندہ تھا
عالم افسردہ ہے نام اس کا جماد — جامد اور ٹھٹھرا ہے وہ اے مرد ہاد
ٹھہرتا خورشید محشر ہو عیاں — تاکہ دیکھے جنبشِ جسمِ جہاں
مار موسیٰ کا عصا جب ہوگیا — عقل پر بے جاں عالم کھل گیا
پارۂ خاکی تو جوں زندہ ہوا — یوں ہی ساری خاک کو ہے جاننا
اس طرف مردہ اُدھر وہ زندہ ہیں — اِس طرف خاموش اُدھر گویندہ ہیں
جب وہ ان کو بھیجتا ہے اس جگہ — وہ عصا آکر بنے گا اژدہا
لحنِ داؤدی پہاڑوں سے سنے — موم جوں آہن بھی ہاتھوں میں بنے
باد حمّالِ سلیمانیؑ بنے — اور دریا بات موسیٰؑ کی سنے
چاند احمدؐ کا اشارہ دیکھ لے — آگ ابراہیمؑ کو نسریں بنے
پتھر احمدؐ کو کہے اپنا سلام — کوہ بھی یحییٰؑ کو دے اپنا پیام
ذرّہ ذرّہ اس جہاں کا در نہاں — روز و شب تجھ سے یہاں نا محرماں
دیکھتے، سنتے ہیں، ہم ہیں شادماں — ہم ہیں تم نا محرموں میں بے زباں
آؤ گے جب تم جمادوں میں یہاں — جان لوگے ہے جمادوں میں بھی جاں
جب جمادی سے چلو گے سوئے جاں — شور اجزا کا سنو گے تم وہاں

شورِ تسبیحِ جمادی آئے گا
وسوسے، تاویلیں سب ہوں گی ہوا

جاں کی قندیلیں بھلا تجھ میں کہاں
کام تاویلوں سے لے گا ہر زماں

یہ نہیں تسبیح کوئی ظاہری
دید کا دعویٰ خیال و گمرہی

بلکہ ہر اک دیکھنے والا وہاں
ہوگا عبرت گیر اور تسبیح خواں

ان سے جب تسبیح یاد آئے تجھے
ہے دلالت جیسے وہ خود ہی پڑھے

بس یہ ہے تاویل اہلِ اعتزال
حیف وہ جس میں نہیں ہے نورِ حال

جس سے باہر گر نہ ہوگا آدمی
نقشِ غیبی سے رہے گا دور ہی

بس یہاں تک وہ سپیرا ہر جگہ
ساتھ ساتھ اس سانپ کو کھینچے چلا

آ گیا بغداد کو ہنگامہ خواہ
تا کہ ہو چوراہے پہ ہنگامہ کھڑا

دجلہ کے ساحل پہ اک مجمع لگا
شہر میں بغداد کے تھا غلغلہ

اک سپیرا لایا نادر اژدہا
اے عجب کیسا شکار اس نے کیا

جمع اس جا بے وقوفاں صد ہزار
ہوگیا ہر خر دماغ اس کا شکار

منتظر سب اس کے وہ بھی منتظر
تاہوں یکجا لوگ جو تھے منتشر

بھیڑ لوگوں کی زیادہ ہو اگر
بھیک چندہ جمع ہوگا خوب تر

جمع بکواسی ہوئے تب اس قدر
ایک کے پاؤں پہ تھا پائے دگر

بھیڑ جوں چھپّر پہ انگوروں کا حال
بت پرستوں میں پجاری کی مثال

مرد ان سے بے خبر وہ ازدحام
حشر میں چوں منتشر سب خاص و عام

جیسے جیسے ٹاٹ سرکاتا گیا
چیختے تھے پھاڑ کر وہ بھی گلا

اژدہا جاڑے سے جو افسردہ تھا
ٹاٹ سے سو طرح تھا لپٹا ہوا

رسیوں سے موٹی تھا جکڑا ہوا
یوں سپیرا حفظ میں محتاط تھا

جمع ہونے دیر، کرتے انتظار
ہاؤ ہو کا شور چیخیں بے شمار

خلق کی کثرت، جماؤ کرّ و فر
اور سورج کی تپش بھی مار پر

مہر کی تابش نے بھی گرما دیا
اور اثر سردی کا تن سے مٹ گیا

اے عجب مردہ تھا زندہ ہوگیا — اژدہا وہ خود سے بل کھانے لگا
خلق حیراں دیکھ کر جنبش میں مار — ایک حیرانی ہوئی وہ صد ہزار
وقفِ حیرت ہوگئے نعرے لگے — دیکھ کر جنبش سبھی بھاگے چلے
توڑتا بندش بہ آوازِ بلند — اور تڑاتڑ ٹوٹتے جاتے تھے بند
بندشیں ٹوٹیں وہ نکلا نیچے سے — اژدہا جوں شیر آیا دھاڑتے
لوگ پسپائی میں کتنے رُند گئے — گرتے مرتے لوگوں کے پشتے لگے
پس سپیرا خوف سے ٹھٹھرا گیا — اس کو کیوں جنگل سے لایا کیا ہوا
گُرگ کو چونکایا اندھی بھیڑ نے — کردیا خود کو حوالے موت کے
بن گیا اک لقمہ ابلہ مار کو — سہل خوں حجاج سے خونخوار کو
لپٹا اک کھمبے سے جوں ہی بل دیا — ٹکڑے ٹکڑے ہڈی لقمہ کی کیا
نفس تیرا مار ہے مردہ کہاں — ہے بلا اسباب افسردہ وہاں
ملتے گر فرعون کے اسباب اسے — جُو میں پانی اس کی مرضی پر بہے
وہ تبھی بنیادِ فرعونی کرے — رہزنی صد موسیٰ، ہارونؑ کی کرے
کیڑا جو افلاس سے وہ اژدہا — جاہ و دولت ہو تو مچھر تیندوا
اژدہے کو رکھ تو در برفِ فراق — ہاں نہ مار اس کو یہ خورشیدِ عراق
تھا فسردہ جب تلک تھا اژدہا — لقمہ تو اس کا ہوا گر وہ رہا
اور وہ جب دیا اس کو ہرا — کر نہ رحم اس پر کہ ہوگا نا سزا
آئے گا خورشید شہوت کا ابھر — ادنیٰ چمگادڑ ادھر پھیلائے پر
مار اسے اندر جہاد اندر قتال — مرد جوں، تیری جزا حق سے وصال
مرد وہ لایا تھا چوں کہ اژدہا — وہ ہوائے گر اسے سرخوش ہوا
بلکہ پیارے فتنے کئی برپا کیے — اس سے صد چنداں زیادہ ہوگئے
تجھ کو یہ امید چوں کہ بے جفا — باندھ رکھا باوقار و با وفا
راس کب ہے آس یہ سب کے لیے — چاہیے موسیٰؑ ہی اژدر مارنے

لوگ لاکھوں مارنے اژدر چلے | اورخود اس کی رائے سے مارے گئے
طمع میں اس کی ہوئے کتنے تباہ | کہہ دیا! اللہ ہی جانے راست راہ

فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو دھمکانا

پوچھا یوں موسیٰؑ سے فرعون اے کلیمؑ | خلق کو مارا گرایا تو ز بیم
لوگ سب تجھ سے تردد میں پڑے | اور پسپائی میں پھسلے مر رہے
سب سمجھتے ہیں کہ ہے دشمن تو ہی | کہتے ہیں تجھ کو ہی کینہ ور سبھی
تونے دعوت دی اثر الٹا ہوا | اور تخالف کے بنا چارہ تھا کیا
میں بھی تیرے شر سے گو پیچھے ہٹوں | دیگ بدلے کی پکانے کو چلوں
بھول جا دھوکے میں لائے گا مجھے | سایہ ہی بس جائے گا پیچھے ترے
کر نہ غرّہ کہ بنایا تو اسے | خوف کا باعث تو خلقت کے لیے
سو عجوبے لائے پر رسوا رہے | خوار ہو اور مسخرہ لوگوں کو بنے
تجھ سے ماری میں ماہر تھے کئی | مصر میں آخر ہوئے رسوا سبھی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس دھمکی کا جواب دینا جو فرعون نے ان کو دی

امرِ حق سے ہوں میں کچھ میرا نہیں | خوں بھی میرا گر بے پروا نہیں
اس سے راضی اس پہ شاکر اے حریف | ہوں ادھر رسوا تو پیش حق شریف
اک تمسخر خوار و زاد اندر جہاں | پیارا مطلوب اور پسند اللہ کے ہاں
کہہ دیا کہنے کو ورنہ کل خدا | روسیاہوں میں تجھے دے گا جگہ
عزت اس کا حق بھی حق بندگاں | آدم و ابلیس میں اس کا نشاں
شرح حق کی حد نہیں مانندِ حق | بند کر اپنی زباں پلٹا ورق

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس دن کی مہلت مانگنا

بولا فرعون اس کو میرا ہے ورق — دفتر و دیواں و فرماں میرا حق
منتخب اہلِ جہاں میں میں ہوا — سب میں بہتر عقل والا تو رہا
خود کو چننے والا موسیٰؑ اک تو ہی — غرّہ مت کر چھوڑ خود بینی تری
کر رہا ہوں جمع سارے ساحراں — جہل تیرا تا کروں سب پر عیاں
بس نہیں اس کے لیے دن ایک دو — گرما میں چالیس دن کا وقت ہو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو جواب

بولے موسیٰؑ یہ نہیں رستہ مرا — بندہ میں مہلت کو ہو حکمِ خدا
گو ہے غالب یار بھی ہے کچھ مرا؟ — حکم کا بندہ ہوں کارِ غیر کیا!
میں بھڑوں قوت سے جب تک زندہ ہوں — پھر مدد کا کیا کروں میں بندہ ہوں
مجھ کو تو لڑنا ہے تا حکمِ خدا — دشمنی دشمن کی وہ دے گا مٹا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا جواب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آنا

بولا نہ نہ مجھ کو مہلت چاہیے — بھول جا ناز، اپنا بکوا چھوڑ دے
وحی آئی حق سے موسیٰؑ کو وہیں — دے دے مہلت، مت ڈرا اس کو نہیں
ڈھیل دے چالیس دن کی تو اسے — نوع بہ نوع مکاری نہ وہ کر سکے
وہ کرے کوشش رہوں میں باخبر — بول چل جلدی، رکھوں رہ بند ادھر
ان کی تدبیریں پراگندہ کروں — وہ بڑھائیں جس کو میں چھوٹا کروں
پانی وہ لائیں، میں آتش دوں لگا — شہد لیں اچھا، بناؤں بدمزہ
دوستی پھیلائے وہ میں توڑ دوں — وہم میں بھی جو نہ آئے وہ کروں
تو نہ ڈر تھوڑی سی مہلت دے اسے — جمع کر لے فوج، حیلے سو کرے

فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مہلت دینا تاکہ شہروں کے جادوگروں کو جمع کرے

بولے حکم آیا ہے مہلت تجھ کو جا   تو بھی چھوٹا، میں چلا اپنی جگہ
وہ چلے اور اژدہا پیچھے چلا   جیسے اک کتّا شکاری باوفا
جوں شکاری سگ ہلاتا اپنی دُم   ریت کرتا پتھروں کو زیرِ سُم
سنگ و آہن منہ میں دم سے بھر لیا   پیس کر دانتوں سے پرزے کر دیا
جا پہنچتا اڑ کے بر بالائے برج   بھاگتے دیکھے سے اہل روم و گرج
پھینکتا کف جیسے اشتر در لگام   جس پہ اک قطرہ پڑے دیکھے جذام
کڑکڑاہٹ دانتوں کی دل پھاڑ دے   جان شیروں کی بھی جائے خوف سے
جوں ہی پہنچا قوم میں وہ مجتبیٰ   لب کا گوشہ تھاما بس وہ تھا عصا
پھر لگائی ٹیک، بولا اے عجب   روز اپنے واسطے دشمن کو شب
چشم و گوش و ہوش سب ٹھیک اور بجا   اے عجب یہ چشم بندیِ خدا
ان سے حیرت مجھ کو، مجھ سے ان کو بھی   خار وہ، میں گل بہاراں ایک ہی
ان کے آگے لے گیا جامِ شراب   ہوگیا پتھر سراسر ان کو آب
لے گیا گلدستہ جب کرنے کو پیش   ہوگئے گل خار، نکلا نوش نیش
وہ تھا حصہ بے خودوں کے نام کا   وہ بخود ہیں ان کو کیوں ملتا بھلا
جاگنا ہے خفتہ کو اپنے یہاں   خواب بیداری میں تا دیکھے یہاں
خواب خوش کی ہے عدو یہ فکرِ خلق   تا نہ سوئے بند رکھے فکر حلق
چاہیے حیرت مٹانے فکر کو   کھائے حیرت فکر کو اور ذکر کو
وہ جو کامل ہے یہ دنیا در ہنر   پیچھے معناً ہے بظاہر پیشتر
لوٹتا وہ راجعوں کا یوں رہے   جب بھی ریوڑ دشت سے واپس چلے
جب بھی ریوڑ واپس آئے دشت سے   جاتے جو بھی پہلے تھے آخر رہے
پچھلی لنگڑی بکری اول ہوگئی   ترش چہروں پر نظر آئی خوشی

خواہ مخواہ یہ قوم کب لنگڑی بنی
فخر کے بدلے میں ذلت مول لی

جارہے ہیں حج کو با شکستہ پا
ہے یہاں تنگی سے خوشحالی کی راہ

عقلوں کو دل سے انھوں نے دھو دیا
دل کو ان عقلوں سے ہے کیا واسطہ

عقل ہو وہ جس کا منبع ہے اُدھر
شاخ ہر اک اصل تک ہے راہبر

پاٹ دریا کی نہ پاٹے پُر ہر اک
لے چلے علمِ لدنّی حق تلک

علم کیوں سکھلانے جاتے ہو اسے
سینہ اُس سے پاک کرنا ہے جسے

کر نہ پیشی لنگ ہونا ہے اگر
پیش رو بن لوٹنے کے وقت پر

آخر آیا ہے پہ سبقت کر ظریف
پائے سبقت پیڑ پر میوہ لطیف

ہاں وجود میوہ آخر ہی سہی
اولیت ہے اسے معنی وہی

جوں ملائک بول لَا عِلْمَ لَنَا
تو نے سکھلایا ''میں ڈھونڈا'' ہی پناہ

مدرسے میں گر نہ سیکھے تو ہجے
جیسے احمدؐ نور دانش سے اڑے

گر نہیں مشہور تو اندر بلاد
کم نہیں واللہ اعلم بالرشاد

ایک ویرانہ نہیں جو مشتہر
ہے حفاظت کو وہاں اک گنجِ زر

جائے معلومہ میں کب رکھتے ہیں گنج
سچ ہے راحت ہوتی ہے در زیرِ رنج

دل کو ڈر ہے مشکلوں کا گو یہاں
اچھا گھوڑا توڑ دے گا رسّیاں

عشق اس کا آتشِ اشکال سوز
ختم کردے گا سب اندیشوں کو روز

ڈھونڈ اسی جانب جواب خوش جمال
کہ اسی جانب سے آیا ہے سوال

قلبِ بے گوشہ ہے خود اک شاہراہ
ہے بلا سمت اس کے اندر تابِ ماہ

تو ادھر سے وہ اُدھر سے جوں گدا
اے تو خود معنی ہے کیوں ڈھونڈے صدا

لے وہیں سے جب بھی مشکل آپڑے
جان و دل سے ذکر ''یاربی'' کرے

مرگ و شکل میں ادھر جھکتا رہا
ٹل گیا جب وقت گود کاہن گیا

وقتِ محنت لے گا تو حق کا پتہ
ہوگیا فارغ تو ڈھونڈے راستہ

درد و غم میں یاد تو اس کو کرے
اور خوشی کے وقت غفلت میں چلے

وجہ یہ جو حق کو جانے بے گماں ہے بھروسہ اُس پہ قائم ہر زماں
وہ جو ہے عقل و گماں میں مبتلا گہ بھلایا گاہ دیوانہ بنا
گاہ چھائے عقلِ ناقص گہ جھکے عقلِ کل مامون صدموں سے رہے
عقل و فن کو بیچ حیرت مول لے جا بہ خواری تو بخارا کیوں چلے
تیرے اندر ہے بخارا اک دگر اس بخارا میں تفقہ میں کدھر
پس سخن میں اس قدر آشفتہ ہم خود فسانوں میں بنے افسانہ ہم
گریہ میں گم میں خود اک افسانہ ہوں سجدہ ریزوں میں جگہ تا پاسکوں
یہ نہیں افسانہ بہرِ مرد کار یہ ہے عرضِ حال پیش یار غار
قصے قدما کے جو قرآں کو کہا بس نفاقِ سرکشاں اس سے کھلا
لا مکاں وہ اس میں سب نورِ خدا ماضی، مستقبل کہاں ہے حال کیا
ماضی مستقبل سبھی تیرے یہاں دونوں ہی اک چیز ہیں پس دو کہاں
ایک ہی تن باپ اسے ہم پسر زید کے نیچے چھت عمرو کے اوپر
ان دو کس کو چھت رہی زیر و زبر چھت تو اپنے حق میں ہے اک ہی مگر
وہ نہیں مثل اس کے ہے میرا سخن تازہ معنی کیا، وہی حرف کہن
بے کنارا جو ہے رکھنا منھ کو بند بے لب و ساحل رہا یہ بحر قند
لوٹ چل کہ ہے سخن بے انتہا دیکھیں کیا فرعون سرکش نے کیا

فرعون کا جادوگروں کو بلانے کے لیے شہروں کی طرف لوگوں کو روانہ کرنا

لوٹے موسیٰ پر وہ اپنی جا پہ تھا پیش اہل الرائے کو آنے کہا
ہوگئے سب جمع پاؤں کو جمائے ہر کسی نے کی ہے ظاہر اپنی رائے
آخرش ہامانِ بے سامان نے رائے دی ہے رہبری کرتے ہوئے
اے شہِ شاہ ظفر کیوں غم تجھے جمع کرلے ساحروں کو جلدی سے
ہیں ہمارے ملک میں جادوگراں اپنے فن میں پیشوا ہیں سب یہاں

مصلحت وہ کہ مصر کے ہر سمت سے | حکم ہو ہر اک کو آنے کے لیے
بھیجے اس نے بھی بہت سے قاصداں | جمع کرنے ساحروں کو اُس زماں
تھا کہیں بھی کوئی ساحر نامدار | بھیجا پراں اس کی جانب مردکار
دو جواں مشہور ساحر تھے اِدھر | ان کا جادو چاند میں بھی کارگر
دودھ دوہا تھا انھوں نے شیر کا | اور سواری کو انھیں مٹکا رہا
جیسے کپڑا چاندنی ان کے لیے | بیچ دیتے ناپ کر فوراً اسے
ہوتا جب آگاہ وہ گاہک لٹا | اپنے ہاتھوں چہرے اپنا پیٹتا
صد ہزار ، ان کی یہی جادوگری | وہ تھے موجد وہ نہ تھے جیسے روی
لاکھ جادو ایسی ہی جادوگری | آشکارا دیکھنے کو تھے سبھی
پائے جب اس طرح کا پیغامِ شاہ | کہ ہے تم سے شاہ اپنا چارہ خواہ
باعث اس کا یہ دو درویش آئے ہیں | شہ و ایوان شہی پرچھائے ہیں
پاس ان کے کچھ نہیں غیر از عصا | حکم سے اس کے بنے وہ اژدہا
شاہ و لشکر اس کا عاجز آگیا | ہیں سبھی ان کے سبب نالہ سرا
شاہ نے مجھ کو خاص اس واسطے | بھیجا تم سے کوئی چارنے کے لیے
چارہ کیجیے دفع کرنے کو انھیں | شاہ خزانے دے گا بدلے میں تمھیں
چاہیے چارہ ز روئے ساحری | تا ہو ان دو ساحروں سے جاں بری
یہ خبر ان ساحروں کو ہم نے دی | ان پہ کیفیت تھی قہر و مہر کی
جنسیت کی رگ پھڑکنے جب لگی | وقف حیرت سر بہ زانو تھے تبھی
درسگاہِ صوفیا خود زانو ہے | حلِّ مشکل کو دو زانو جادو ہے

دونوں جادوگر کا ماں سے باپ کی قبر کو دریافت کرنا اوران کا اس کی روح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اصلیت دریافت کرنا

بعد ازاں بولے کہ ماں تو ساتھ آ | ہے کہاں بابا کا مدفن تو دکھا
لے کے قبرستاں گئی دکھلائی راہ | روزے رکھے تین انھوں نے بہرِ شاہ

بعد ازاں بولے کہ ہم کو بادشاہ　　نامہ بھجوایا ہراس و خوف کا
تنگ دو تن کر رہے ہیں شاہ کو　　پیشِ لشکر لی انھوں نے آبرو
ان کے ہاں ساماں نہیں لشکر نہیں　　جز عصا پر شورش اس کی ہر کہیں
اب بسیرا صادقوں میں ہے ترا　　ہے بظاہر خاک میں سویا ہوا
وہ اگر جادو ہے دے ہم کو خبر　　یا خدائی کار اے جانِ پدر
یہ بھی بتلا تاکہ ہم سجدہ کریں　　کیمیا سے خود کو وابستہ کریں
یاس کے مارے ہیں تو امید دے　　تا شب دیجور سورج آ سکے
گمرہی چھوڑیں ہدایت پا سکیں　　ہم جو دھتکارے ہیں قربت پا سکیں

مردہ جادوگر کا اپنے لڑکوں کو جواب دینا

خواب میں اس نے کہا بچوے مرے　　کون اس میں کھل کے کچھ بتلا سکے
دی صدا اے پیارو، فرزندو مرے　　کون کھل کر باب میں اس کے کہے
قطعی کچھ کہہ دیں کہاں دستور ہے　　راز کب میری نظر سے دور ہے
پر بتاؤں گا تمھیں میں اک نشاں　　پھر سمجھ سکتے ہو تم سرِ نہاں
اک نشاں تم کو بتاؤں کھول کر　　تاہو ظاہر اس میں کیا ہے مستتر
نورِ چشمو! جب بھی تم پہنچو وہاں　　جان لو پہلے وہ ہوتا ہے کہاں
نیند میں جس وقت ہوگا وہ حکیم　　تھام لو لاٹھی کو کر لو ختم بیم
گر چرالی لاٹھی وہ ساحر ہوا　　تم کو خود معلوم ساحر کی دوا
گر نہ کر پاؤ تو کارِ ایزدی　　وہ رسولِ پُرجلال و مہتدی
گرچہ ہو فرعون فاتحِ شرق و غرب　　پیشِ حق ہونا ہے پسپا وقتِ حرب
یہ علامت ٹھیک دی اے جانِ باب　　لکھ تو! بس اللہ کو ہے علمِ صواب
جانِ بابا سوگیا جب جادوگر　　سحر کو اس کے نہ ہوگا راہبر
سوئے جویاں ڈر نہ جانے بھیڑیا　　نیند کیا ہے، جہد ہی کا خاتمہ

پر وہ حیواں جس کا حافظ ہے خدا بھیڑیے کو کیا امید و رہ کجا
جو بھی جادو حق کرے حق ہے بجا ساحری حق کو جو بولیں ہے خطا
جانِ بابا! یہ نشاں ہے واقعی ان کا حق اونچا رہے گا مر کے بھی

قرآن مجید کو عصائے موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دینا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سونے سے تشبیہ دینا اور قرآن میں تغیر کرنے والوں کے جادوگر بچوں کے ساتھ تشبیہ دینا جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی چرانے کا ارادہ کیا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سویا ہوا پایا

لطف حق کا مصطفیؐ سے وعدہ تھا تم نہ ہوگے یہ سبق ہوگا سدا
میں ہوں نگرانِ کتاب و معجزات اصل پر قائم رہے گی بات بات
میں دو عالم میں بلندی تجھ کو دوں دفع سرکش کو حدیثوں سے کروں
تیری رونق دن بدن بڑھتی رہے نام چاندی سونے پر کندہ رہے
تیری خاطر منبر و محراب سب مہر میں میرا غضب تیرا غضب
نام بھی چھپ چھپ کے لیتے ہیں ترا چھپ کے کرتے ہیں نمازیں بھی ادا
چھپ کے ہی لیتے ہیں تیرا نام بھی ہوتی ہے بانگِ نماز ان کی چھپی
اس قدر ہے خوفِ کفارِ لعیں دین تیرا ہے نہاں زیرِ زمیں
روشنی کا سکھم کروں آفاق کو اور نابینا کروں میں عاق کو
تیرے خدام پائیں سب ملک و جاہ دین پھیلے تیرا ماہی تا بہ ماہ
حشر تک باقی رہے گا دیں ترا ہوگا کیوں منسوخ دینِ مصطفیؐ
اے نبیؐ تم کوئی جادوگر نہیں سچے ہو، ہم مشربِ موسیٰؑ وہیں
تم کو ہے قرآن مانندِ عصا کفر کو لقمہ کرے جوں اژدہا
خاک میں سونا پڑے بھی کیا ہوا ہے عصا تم کو جو کچھ تم نے کہا

سو بھی جائیں تم اگر در زیرِ خاک — ہوں گے آگہ جوں عصا اقوال پاک
قصدِ بد خواہاں عصا پر کیوں چلے — اے مبارک نیند، سو آرام سے
نیند میں تو نور فوقِ آسماں — زد کی خاطر کھینچ رکھا ہے کماں
فلسفی، اس کی دلیلیں اور بیاں — سب کو چھیدے تیر سے نوری کماں
حق کیا جو بھی کہا، اس سے سوا — خفتہ وہ اقبال ان کا جاگتا
پیارے بچو! جوں ہی ساحر ہوگیا — کام بے تاثیر و بد رو ہوگیا
سوختہ گورِ پدر سے چل دیے — مصر کی جانب لڑائی کے لیے
جوں ہی پہنچے مصر کو اس کام سے — ڈھونڈتے موسیٰ کو ان کی جا چلے
چلتے چلتے نزدِ موسیٰ آگئے — موسیٰ زیرِ نخل تھے سوئے ہوئے
پس پتہ کچھ لوگوں نے ان کو دیا — سوئے نخلستاں انھیں جانے کو کہا
پہنچے دیکھے زیرِ خرما تھے وہاں — نیند کے عالم میں بیدارِ جہاں
دونوں آنکھیں ناز سے موندی مگر — جملہ عرش و فرش تھے پیشِ نظر
ہیں کئی بیدار چشم و خفتہ دل — دیکھے گی کیوں چشم اہلِ آب و گل
جس کا دل بیدار ہو اور چشم سر — گر وہ سوئے کھول دے صدہا نظر
گر نہیں تو اہلِ دل بیدار رہ — طالب دل گرم درپیکار رہ
گر ہے دل بیدار سو دن ہو کہ رات — گم نہیں ہوں گے یہ افلاک و جہات
آنکھ سوتی ہے بتائے مصطفیٰ ؐ — نیند میں سوتا نہیں پر دل مرا
شاہ جاگے نیند کی ماتی سپہ — جاں فدائے خفتہ دل ہو جاگتا
وصفِ بیدارِیِ دل کو معنوی — بس نہیں ہوں گی ہزاراں مثنوی
پاؤں پھیلائے جو دیکھا مستِ خواب — دزدی لاٹھی کی انھیں سوجھی شتاب
ساحروں نے قصد عطا کا کرلیا — پشت سے چل کر اڑالینے کا تھا
قصد جوں ہی آگے بڑھنے کا کیا — آگیا حرکت میں فوراً وہ عصا
لی عصا نے از خود ایسی جھرجھری — سانس ان دونوں کی ڈر سے رک گئی

پھر بہ شکل اژدہا حملہ کیا — بھاگے ڈر سے چہرہ پیلا پڑ گیا
اوندھے گرتے راہ میں بھاگے چلے — اور نشیبوں میں لڑھکتے لوٹتے
ہوگیا معلوم ہے قدرت کا کام — جانتے تھے سحر کی حدِ تمام
یوں اگر ہو ساحری کا سیکھنا — نے ہے ممنوع نے ذلیل و ناروا
سحرِ فرقِ حق و باطل ہے بجا — جادو کرنا اور پر ہے ناروا
دست جاری اور بخار آنے لگا — نزع تا مرگ ان کا عالم ہوگیا
بھیجے وہ اک آدمی کو تیزی سے — پیشِ موسیٰ معذرت کے واسطے
امتحاں گو حق نہ تھا، ہم نے کیا — ہم نہ کرتے گر حسد تجھ سے نہ تھا
شاہ مجرم ہوئے ہم عذر خواہ — اے تو خاص الخاص درگاہِ الٰہ
بخشیے ہم کو برائی ہم نے کی — اے ترے لطف و کرم بے منتہی
عفو پاتے ہی وہ اچھے ہوگئے — پیشِ موسیٰ سر زمیں پر رکھ دیے
بولے موسیٰ ہم نے بخشا اے کرام — ہے جلانا تم کو دوزخ پر حرام
خود نہ دیکھا میں نے تم کو اے دو یار — اجنبی ہو تم بوجہِ اعتذار
ہاں یوں ہی بیگانہ شکل اور آشنا — جنگ میں آجاؤ پیشِ بادشاہ
جو بھی کرتب ہیں تمھیں معلوم ابھی — جمع کرلو باہر اندر سے سبھی

شہروں سے جادوگروں کا فرعون کے سامنے جمع ہونا اور اس کی جانب سے خلعتیں پانا اور اس کے مخالف کو مغلوب کرنے کے لیے سینہ پر ہاتھ مارنا کہ اس کام کی مدافعت ہمارے ذمہ لکھ دے

پس زمیں کو بوسہ دے کر چل دیے — منتظر وہ وقتِ فرصت کے رہے
پاس آئے ساحراں فرعون کے — اس نے انعامات بہتیرے دیے
وعدے بھی ان سے کیے دی پیشگی — گھوڑے، نوکر، نقد و جنس و زاد بھی
بعد ازاں بولا کہ تم اے ماہرو! — گر بوقت امتحاں غالب رہو

تم پہ برساؤں گا میں ابر عطا
پھاڑ دے جو چادرِ جود و سخا

بولے سب اقبال سے تیرے اے شاہ
ہم ہی غالب ہوں گے کام اس کے تباہ

صف شکن ہم اپنے فن کے پہلواں
کوئی ہم پلہ کہاں اندر جہاں

ذکرِ موسیٰ گو ہے دلچسپی لیے
قصے پارینہ یہ آئے ہیں چلے

ذکرِ موسیٰ رخ پہ جوں پردہ رہا
نورِ موسیٰ نقد ہے اے با صفا

موسیٰ و فرعون ہیں اندر ترے
ڈھونڈ کر دونوں کو پانا ہے تجھے

حشر تک موسیٰ کا جاری سلسلہ
ہے وہی اک نور دیگر ہے دیا

ہے دیا مٹی کا یہ بتی دگر
ایک ہی اس نور کا منبع اُدھر

شیشہ گر دیکھے صلہ ہو گمرہی
کیوں کہ شیشے ہی کے باعث ہے دوئی

نور پر ہو گر نظر ہوگا رہا
اے دوئی و اعدادِ تن میں مبتلا

ہے اک اندازِ نظر جان و وجود!
یہ تمیزِ مومن و گبر و جہود

اندھیری رات میں ہاتھی کی شکل اور کیفیت میں اختلاف

اک اندھیرے گھر میں ہاتھی ہند کا
تھا نمائش کے لیے لایا ہوا

لوگ آئے دیکھنے اس کو کئی
پاس پہنچے اس کے اُس ظلمت میں بھی

دیکھنا تو آنکھ سے ممکن نہ تھا
چھوکے اس کو ہر کوئی جانچا کیا

ہاتھ اک کا سونڈ پر ہاتھی کے تھا
بولا اس کا جسم ہے پرنالا سا

ہاتھ جس کا کان پر ہاتھی کے تھا
بولا وہ مجھ کو تو وہ پنکھا لگا

ہاتھ اک کا اس کے پاؤں سے لگا
بولا مجھ کو ہاتھی جوں کھمبا لگا

ہاتھ جس کا پیٹھ کے اوپر پڑا
اس نے اس ہاتھی کو جوں تختہ کہا

ہر کسی نے جز و وہ جس کو چھوا
ویسا سمجھا جب بھی نام اس کا سنا

ان کا اندازِ نظر تھا مختلف
پس تھا جوں دال اک کو دیگر کو الف

جوں ہتھیلی جانیے حسِ نظر
کل کو کیوں پائے ہتھیلی جانچ کر

جسمِ دریا اور ہے کف ہے دگر — چھوڑ کف دریا میں ڈال اپنی نظر
حرکتِ کف وجہِ دریا روز و شب — دیکھے کف دریا نہ دیکھے اے عجب
کشتیوں کی طرح ٹکراتے ہیں ہم — پانی روشن اندھے جوں جاتے ہیں ہم
تن کی کشتی میں ہے تو سویا ہوا — پانی دیکھا، دیکھ ہے پانی میں کیا!
پانی ہے پانی نہانے کے لیے — روح ہے روح کو بلانے کے لیے
عیسیٰؑ موسیٰؑ تھے کہاں جب آفتاب — کشتِ ہستی میں چلاتا تھا خود آب
آدمؑ و حوّاؑ کہاں تھے اس زماں — جب خدا چلہ چڑھایا بر کماں
یہ سخن بھی ناقص و ابتر رہا — جو نہیں ناقص وہ ہے اس سمت کا
گر میں کہہ دوں پاؤں پھسلے گر ترا — کچھ نہ بولوں بھی تاسف کو جگہ
گر کسی صورت کی میں دوں گا مثال — چپکے اس پر ہی نہ رہ جائے خیال
وہ پاؤں گاڑے ہے اندر زمیں — سر ہلاتا ہے ہوا میں بے یقیں
پا کہاں نقلِ مکانی کے لیے — یا جو دلدل سے اسے باہر کرے
کیا کریں تیری حیات اس گِل میں ہے — زندگانی کی روش مشکل میں ہے
بعدِ سیری لے جو حق سے زندگی — گِل سے چھوٹے ہوگی دل میں جاتری
گل سے فارغ جائے گا تو سوئے دل — اور رہے آزادِ قیدِ اہلِ گِل
دودھ پیتا کھانا کھانے پر جو آئے — کھائے حلوا اور دایہ کو بھلائے
دانے دُنکے قوتِ خاکی میں پھنسے — مانگ قوت دل بھی، تجھ کو چاہیے
قوتِ حکمت، نور در پردہ غذا — نور بے پردہ نہیں تجھ کو سزا
دیدِ نور جاں کے لائق جب ہوا — نورِ بے پردہ کا ناظر بن گیا
بہ سیرِ گردوں میں ستاروں جیسا حال — بلکہ گردوں کا سفر ہو بے مثال
ویسے جوں ہستی میں ایا نیست سے — بول کیسے، پر تجھے کب ہوش تھے
یاد آنے کے نہیں ہیں راستے — اک اشارہ کرنے والا ہوں تجھے
کیوں نہ بولا میں؟ تو کچا ہے ابھی — فصلِ گُل ہے، دیکھنا ہے گرما بھی

جھاڑ جیسی ہے یہ دنیا اے کرام
اس پہ ہم ہیں جیسے میوے نیم خام
کچوں کی ہے سخت پکڑ شاخ پر
کچے ناقابل ہیں جانے کاخ پر
پک گئے، آئی مٹھاس، چپکائے لب
ہوگئی ہے سست پکڑ ان کی اب
خوش نصیبی سے جو منھ میٹھا ہوا
ملک دنیا اپنی وقعت کھودیا
سخت گیری اور تعصب خامی ہے
اور جنیں کا کام خوں آشامی ہے
چیز اک کہنے کی اب بھی رہ گئی
میں نہیں بولیں گے روح القدر ہی
بول اپنے کان میں خود، وہ نہیں
میں نہ میرا غیر، دو ہوں گے کہیں
جیسے سوتے وقت اندر خواب کے
آپ خود آئے تو اپنے سامنے
آپ خود سے تو سنے، سمجھے فلاں
بولے تجھ کو خواب میں رازِ نہاں
ایک تو، تو ہی نہیں ہے اے رفیق
آسمانی ہے، تو دریائے عمیق
فربہی میں تو جو نوسو درجہ ہے
غرق کرنے تجھ سے سو کو دریا ہے
بے ٹھکانہ ہے یہ بیداری و خواب
بس تو چپ واللہ اعلم بالصواب
سن لو پہلے کہنے والوں کا بیاں
جو نہ آئے در بیان و در زباں
چپ رہو، سن لو کہے کیا آفتاب
اس پہ حاوی نے کتاب و نے خطاب
دم نہ مارو تا سنو از مہ لقا
الصلوٰۃ اے پاکبازو! الصلوٰ
تا نہ سن لے بھید کیا ہے حال کا
سن زبانِ حال سے ہو جاکر کھڑا
دم نہ مار اب تا لگے کہنے کو روح
تیرنا بس، آتو لے کشتیِ نوحؑ
تیرتے کنعان کہتا تھا یہی
لوں نہ کشتیِ نوحؑ، دشمن ہے مری

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹے کو بلانا اور اس کا سرکشی کرنا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور تدبیر کرلوں گا، تیرا احسان نہ اٹھاؤں گا

نوحؑ بولے ناؤ میں آ بیٹھ جا
کھا نہ جائے تجھ کو طوفاں ہے بڑا
بولا تیراکی سے میں ہوں آشنا
شمع دیگر میں نے اپنی دی جلا
ہاں نہ کر یوں، یہ ہے طوفانِ بلا
تیرنے کو دست و پا ہیں آج لا

تند ہوا یہ شمعیں رکھ دے گی بجھا　　جل نہ پائے کوئی جز شمعِ خدا
بولا اونچے کوہ پر چڑھ جاؤں گا　　ہر مصیبت سے مجھے دے گا پناہ
ہاں نہ کر ہے کوہ تنکا اس زماں　　اپنے ہی محبوب کو دے گا اماں
بولا میں نے کب سنا تیرا کہا　　کیسے اپنے گھر کا مجھ کو کرلیا
بات تو مجھ کو نہیں بھائی تری　　میں تو تجھ سے ہوں دوعالم میں بری
فخر کا موقع نہیں پایا تو آ　　خویش کوئی نے شریک اللہ کا
کرلیا اب تک، یہ موقع ہے جدا　　فخر اس درگاہ میں ہے ناروا
لم یلد و یولد اس کی شان کیا!　　نے پدر فرزند اس کے ، نے چچا
اس سے فرزندوں کی نازش کیوں اٹھے　　راز باباؤں کا وہ کیسے سنے
ناؤ بس بوڑھے میں نو پیدا نہیں　　اے جواں مت اینٹھ میں بابا نہیں
میں نہیں شوہر نہ ہی میں شہوتی　　ترک کر ناز و ادا سب اے ستی
جز عبادت، گڑگڑاہٹ، انکسار　　اپنے ہاں ہے کیا کسی کا اعتبار؟
بولا بابا برسوں یہ کہتے رہے　　کہتے ہو پھر جہل میں بہکے ہوئے
ایسی باتیں سب سے تم کرتے رہے　　اور ان کی بے حسی دیکھا کیے
مجھ پہ ان باتوں کا کیا ہوتا اثر　　اب جو دانا ہوگیا ہوں خاص کر
بولے بابا کیا برائی ہے اگر　　سن لیا اک بار اب پندِ پدر
پند نرمی سے وہ دیتے ہی رہے　　رد کیا اس نے درشتی سے اسے
نہ ہی بابا پندِ کنعاں سے تھکے　　نہ ہی بدقسمت کے کان ان کو کھلے
تھے ان ہی باتوں میں موج تند رو　　ٹوٹی سر پر غرق کی کنعان کو
نوحؑ بولے اے تو صابر بادشہ　　حُر مرا سامان سارا بہہ گیا
وعدہ تونے بارہا مجھ سے کیا　　اہل تیرے ہوں گے طوفاں سے رہا
بھولے نے اس وعدے پہ تکیہ کیا　　میری کملی کیوں بہاؤ لے چلا
بولا وہ اہل اور خوشیوں سے نہ تھا　　نیلے ، اجلے کو تو خود پایا نہ تھا

دانت میں تیرے جو کیڑا لگ گیا / دے اکھاڑ اس کو، نہیں دنداں ترا
تاکہ باقی تن بچے آزار سے / مال تیرا تھا پہ جانے اسے
بولے تیرے غیر سے بیزار ہوں / غیر تیرے ماتے کو کیوں کر کہوں
جانتا ہے تو کہ تجھ سے میں ہوں کیوں / بیس گنا اک چمن باراں میں ہوں
زندہ تجھ سے شاد تجھ سے بے نوا / رزق پانے والا میں بے واسطہ
میں نہ چڑ کر ہوں نہ کٹ کرائے کمال / بلکہ بے چوں و چگون و اعتلال
ہم جو ماہی ہیں تو دریائے حیات / زندہ ہیں ہم لطف سے نیک وصفات
فکر کے پہلو میں بس سکتا نہیں / روگ سے معلول کو رشتہ نہیں
پہلے طوفاں بعد بھی طوفان کے / ہے خطابت کو تو ہی میرے لیے
ہے غرض تجھ سے نہیں کچھ غیر سے / تو نے گویائی عطا کی ہے مجھے
کیا نہیں عشاق باتوں میں لگے؟ / کہ کھنڈر گا ہے خس و خاشاک سے
دیکھنے کو ہے کھنڈر کی سمت رو / مدح گو ہے کون ہے اس مدح کو
شکر جو طوفاں مسلط کردیا / اٹھ گیا جو واسطہ کھنڈروں سے تھا
وہ کھنڈر کتنے کمینے اور ہرے / بولا چالی کچھ نہ تھی خاموش تھے
چاہتا ہوں میں تو کھنڈروں سے خطاب / کوہ جوں لوٹا کے دیتے ہیں جواب
تا مکرر نام تیرا میں سنوں / عشق میں آرامِ جاں اس کو کروں
ہر نبی کو دوستی ہے کوہ سے / نام تیرا تا مکرر سن سکے
پست کوہ جوں کوئی پتھریلی زمیں / ہے ٹھکانا چوہوں کا اپنا نہیں
میں نہ بولوں وہ نہیں ہمدم مرا / میں کہوں، اس سے نہ آئے اک صدا
یہ زمیں ہموار ہو بہتر یہی / وہ نہیں ہمدم، رہے بے بود بھی
بولا اے نوحؑ گر تو چاہے سب کو ہی / حشر ہوگا خاک سے اٹھیں سبھی
دل نہ توڑوں ایک کنعاں کے لیے / پر کروں آگاہ میں احوال سے
نوحؑ بولے بس رضا تیری مجھے / غرق کردے مجھ کو بھی گر چاہیے

تو ڈبوئے ہر زماں میں خوش رہوں
حکم تیرا جاں ہے کیسے مار دوں

کچھ نہ دیکھوں دیکھنا ہی گر ہوا
وہ بہانہ ہوگا تو منظر مرا

صنع پر تیری فدا در صبر و شکر
عاشق مصنوع نے مانندِ گبر

عاشق صنعِ خدا باقر سدا
عاشقِ مصنوع پس کافر ہوا

درمیاں دونوں کے ہے فرقِ خفی
ہو پرکھ میں طاق جو جانے وہی

ان دوحدیثوں میں تطبیق کرنا کہ کفر پر رضامندی کفر ہےاور دوسری حدیث کہ جوشخص میری قضا پر راضی نہ ہواور میری (طرف سے نازل شدہ) بلا پر صبر نہ کرے اس کو چاہیے کہ میرے علاوہ کوئی خدا تلاش کر لے

کل سوال اک مجھ سے سائل نے کیا
کیوں کہ باتوں کا تھا دیوانہ بڑا

نکتہ راضی کفر پر ہونا ہے کفر
قولِ پیغمبرؐ ہے، قول ان کا ہے مہر

پھر کہا جیسا بھی ہو حکمِ خدا
چاہیے مسلم ہو راضی بر رضا

حکمِ حق سے جب کہ ہیں کفر و نفاق
اس سے راضی میں رہوں تو ہے شقاق

گر نہ میں راضی رہوں تو ہے زماں
پس کوئی چارہ ہے ان کے درمیاں

بولا یہ ہے کفر مقضی نے قضا
اس میں آثارِ قضا ہوں بھی تو کیا

پس قضا مقضی میں کیا ہے فرق جان
تا شکایت دور ہو اندر زمان

کفر سے راضی ہوں گر ہے بر قضا
ورنہ نہ گر ہے وہ جھگڑا خبث کا

کفر کیسا، ہو جو از روئے قضا
حق کو کافر کیوں کہے بس ٹھہر جا

کفر ہے جہل اور قضائے کفر علم
ایک کیوں کر ہوسکیں گے حِلم وعلم

بد خطی زشتی نہیں نقاش کی
اس کو دکھلانا ہے بھدا پن یہی

ہے ہنر نقاش کا دکھلائے جو
زشت یوں ہوتا ہے یوں ہوگا نکو

بحث اگر چھیڑوں یہ باسامان و ساز
گفتگو کا سلسلہ ہوگا دراز

ذوقِ نکتہ عشق پھر کھوجائے گا
نقش خدمت اور ہی ہوجائے گا

اس بیان میں ایک مثال کہ حیرت بحث وفکر سے مانع ہے

دوڑتے مرد آیا تل چاول کے ساتھ	پاس اس کے آئینہ تھا جس کے ہاتھ
بولا کر بال اجلے داڑھی سے جدا	اک نئی دلہن کا دولہا ہوگیا
اس نے داڑھی کاٹی آگے رکھ دیا	بولا تو چن لے مجھے کام آپڑا
ہے سوال اور اس کا رد دونوں یہیں	اس جنوں کے کب ہیں قائل مردِ دیں
ایک نے تھپڑ لگائی زید کو	اس نے بھی کر ڈالا حملہ روبرو
بولا سیلی زن سوال اک ہے تجھے	دے جواب اور پیٹ لینا پھر مجھے
دی چپت گردن پہ فوراً اک تڑاق	اک سوالِ تازہ پھر اندر وفاق
تھی وہ میرے ہاتھ کی آواز یا	تھی تری گردن کی بتلا اے کیا
درد سے اب تک نہ چھٹکارا ملا	ہوں اسی کی فکر میں مبتلا
درد سے خالی جو ہے سوچ اتنا تو	کیا نہ ہوگی فکر صاحب درد کو
دردمندوں کو نہ ہوگی فکر غیر	چاہے جا مسجد میں چاہے بہ دیر
بھول، بے دردی تفکر کا سبب	اور نئی باریکیوں میں ذہن سب
جز غم دیں کیا ہے صاحب درد کو	جانتا ہے گرد کو اور مرد کو
حکمِ حق کو سر پہ آنکھوں پر رکھے	فکرِ ذاتی کو سدا رکھے پرے

حکایت

گو صحابہ میں کوئی حافظ نہ تھا	لیکن اس کا شوق تھا ان کو بڑا
کیوں کہ پُر تھا مغز ان کا اور بکا	چھلکے چوں کہ پتلے تھے وہ پھٹ گیا
چھلکے پستہ بادام و اخروٹ کے	مغز بھر جانے کو چھلکا گھٹ چلے
بھر گیا مغز علم کا چھلکا گھٹا	دیتے ہیں معشوق عاشق کو جلا
وصف مطلوبی ہے ضدِّ طالبی	وحی و نور حق کا پھونکا ہے نبی

تھے تجلی زار اوصافِ قدیم　　پھونک ڈالے وصف حادث کو کلیمؑ
چوتھائی قرآن جس کسی کو حفظ تھا　　بڑھ گیا ہم سے صحابہ نے کہا
حفظ لفظ اور معنی کی گہرائیاں　　کون پاٹے غیر شاہ دوجہاں
ایسی مستی میں توجہ پر ادب　　غیر ممکن ہو نہ ممکن تو عجب
بے نیازی و پاسداریِ نیاز　　جوڑ ہے ضدوں کی کیوں کر ہو دراز
جمع ہے ضدین کی ناز و نیاز　　اور دو حالِ تحیر امتیاز
لاٹھی بیناؤں کی محبوب جوں　　کور ہے قرآں کا صندوق یوں
کہتے ہو کوراں ہیں صندوقاں بھرے　　حرفِ قرآں ذکر سے انداز سے
پُر جو ہو قرآن سے پُر پیٹی بھلی　　اس سے جو ہو ہاتھ میں پیٹی تہی
اور ہیں کچھ صندوق خالی بار سے　　کاہے کو سانپوں سے چوہوں سے بھرے
وصلِ معنی پر ہوا فائز جو مرد　　رہنما ہوجائے آگے اس کے سرد
یار تک تیری پہنچ جب ہوگئی　　تب طلب بھی علم کی ہوگی بری
جب کہ پہنچا تو بہ بامِ آسماں　　ڈھونڈنے کیوں جائے تو سیڑھی وہاں
ہاں مگر بہرِ مدد، تعلیمِ غیر　　سرد ٹھہرے خیر جوئی بعدِ خیر
آئینہ جب ہوگیا صاف اور جلی　　اس پہ نادانی ہے پھر صیقل گری
شاد و شاداں شہ کے آگے بیٹھ کر　　جہل ہے چاہے جو نامہ و نامہ بر

ایک عاشق کا عشق نامہ میں مشغول ہونا اور عشق نامہ کو اپنے معشوق کے سامنے پڑھنے کا بیان اور معشوق کا اس کو ناپسند کرنا کیونکہ مدلول کی موجودگی میں رہنما کی طلب بری ہے اور معلوم تک پہنچنے کے بعد علم میں مشغول ہونا برا ہے

وہ جسے آگے بٹھایا یار نے　　خط نکالے پڑھ رہا تھا سامنے
خط میں ابیات اور تعریف و ثنا　　عجز ، مسکینی، خوشامد سے بھرا
درد و غم اور گریہ و نالہ سبھی　　اپنی بیزاری اور اپنے خوشیوں کی

دوری و رنجوری اور ہجرانِ دوست — ''ذکر و پیغام و رسول از مغز و پوست''
یوں ہی خود بڑھتا چلا وہ پیشِ یار — بڑھ گیا آخر وہ از حد و شمار
یار بولا گر ہے یہ میرے لیے — عمر اکارت ملتے دم کرنا ہے یہ
میں ترے آگے ہوں اور تو قصہ خواں — یہ نہیں ہرگز نشانِ عاشقاں
بولا گرچہ خود تو حاضر ہے یہیں — پر مرا حصہ مجھے ملتا نہیں
تجھ سے دیکھا جو بھی میں نے پارسال — اب نظر آتا نہیں گو ہے وصال
ہاں پیا تھا آبِ صاف اس چشمہ کا — دیدہ و دل اپنے تازہ کرلیا
دیکھتا ہوں چشمہ پر پانی نہیں — رہ پہ پانی کی نہ ہو رہزن کہیں
پھر تو میں معشوق تیرا کب ہوا — میں بہ یلغار و قتو ہے گھر ترا
تو ہے عاشق مجھ پہ، حالت پر مری — قابو حالت پر نہیں ہوتا کبھی
پس نہیں مطلوب کلّی میں ترا — ہوں زمانی جز وہی مقصود کا
خانۂ معشوق ہوں معشوق نے — کا ہے سے صندوق نقدی چاہیے
وہ جو ہے معشوق یک رنگی رہا — وہ ہے تیری ابتدا و انتہا
حال کا حاکم نہیں محکومِ حال — بلکہ ہیں محکوم اس کے ماہ و سال
حال کو گر کچھ کہے، فرماں بنے — وہ اگر چاہے تو تن کو جاں کرے
زیرِ فرماں وہ نہیں اہلِ کمال — منتظر بیٹھا ہوا ہے بہرحال
اس کا جادو حال پر حاوی رہا — مست اس کے ہاتھ کی جنبش کرے
گر وہ چاہے موت بھی میٹھی رہے — خار و نشتر نرگس و نسریں بنے
حال پر اس کا تصرف ہے کمال — اور تو ہے بے نصیب جذب وحال
حال کا پابند ہے یہ آدمی — ہے فزونی اس میں گاہے گہ کمی
صوفی ابن الوقت از روئے مثال — اور صافی فارغ از اوقات وحال
تحت حالات اس کے عزم ورائے کے — زندہ وہ جیسے مسیح کی پھونک سے
حال کا عاشق نہیں ہے تو مرا — حال کی امید پر میرا ہوا

وہ جو ناقص اور کبھی کامل رہا
ڈوبنے والا نہیں ہوگا خدا

ایسا ویسا ڈوبنے والا کہیں
ہوگا دلبر میں نہ چاہوں گا نہیں

جو کبھی خوش اور کبھی ناخوش رہے
گاہے پانی گاہے آتش ہو رہے

چاند کا گنبد ہے چاند اس میں نہیں
نقش ہے بت کا مگر آگہ نہیں

جیسے ابن الوقت صوفی باصفا
سخت پکڑے وقت کو خود باپ سا

صوفی ہے مغروق عشقِ ذوالجلال
بیٹا نے ہے فارغ اوقات وحال

غرق وہ در نورِ پیدا شدہ
لَمْ یَلِدْ لَمْ یُوْلَدْ، اے شانِ خدا

ڈھونڈ ایسا عشق گر تو زندہ ہے
ورنہ وقتِ مختلف کا بندہ ہے

جا نہ دیکھ اپنے تو زشت و خوب کو
دیکھ اپنے عشق کو مطلوب کو

فکر کیوں تو خوار ہوگا یا ضعیف
دیکھ تو ہمت کو اپنی اے شریف

جو بھی حالت ہو رہے جاری طلب
کر طلب پانی ہمیشہ خشک لب

خشک لب خود ہیں گواہ اس بات پر
ہوگا اک دن اپنا منبع پر گزر

ہونٹوں کی خشکی ہمیں پیغامِ آب
یعنی لے آئے گا ہم تک اضطراب

یہ طلبگاری مبارک ہے رہے
ختم مانع کو رہِ حق سے کرے

یہ طلب کنجی ہے مطلوبات کی
یہ ہے نصرت کی سپہ، جھنڈی تری

مرغ کی للکار جوں تیری طلب
نعرہ زن کہ صبح ہونے کو ہے اب

اس کا ساماں گو نہیں تو کر طلب
راہِ رب میں حاجتِ ساماں ہے کب

جس کو تو پائے طلبگار اے پسر
یار بن، رکھ دے تو آگے اس کے سر

طالبوں کے قرب میں طالب بنے
غالبوں کی چھاؤں میں غالب بنے

ڈھونڈے اک چیونٹی سلیماں کو اگر
دیکھ اس کی دُھن، حقارت تو نہ کر

مال، پیشہ جو بھی حاصل ہے تجھے
فکر و اندیشہ بھی تھا اس کے لیے

گنج پانا بے طلب بات اک عجب
وہ ہے قاصر چھوڑے جو اپنی طلب

جو بھی ڈھونڈے کوئی شے پائے اسے
خاص کر محنت کرے جب دوڑتے

جب قدم رکھا طلب میں اے پسر | پالیا مطلوب اپنا بے خطر
ہاں نہ رہ اے خواجہ یک دم بے طلب | تا تو پائے جو بھی چاہے بے تعب
پاتا ہے وہ جستجو کرتا ہے جو | چونکہ بھاگے جاتا ہے خدمت کو وہ
جو طلب میں تیز رو رہ ، فتح یاب | کر طلب واللہ اعلم بالصواب

اس شخص کا قصہ جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں دن رات دعا اور عاجزی کرتا تھا کہ خدا تعالیٰ کمائی کی تکلیف کے بغیر مجھے حلال روزی عنایت کر

وہ کوئی در وقت داؤدِ نبی | آگے ہر دانا کے پیش ہر غبی
یہ دعا کرتا تھا دائم اے خدا | دولتِ بے رنج کر مجھ کو عطا
کیوں کہ تو کاہل مجھے پیدا کیا | مار کھانے والا سست اور مبتلا
پشت زخمی اور بدقسمت گدھے | بار اونٹوں کا اٹھانے سے رہے
جب کہ تو کاہل مجھے پیدا کیا | کاہلی کی راہ سے کر رزق عطا
سست میں سایہ میں سوتا اک وجود | سویا اندر سایۂ افضال وجود
سست لوگوں اور تن آسانوں کو پر | رزق دیتا ہے بہ اندازِ دگر
پاؤں میں جن کے کمائی کو چلے | رحم کر اس پر نہیں پاؤں جسے
تو چلا خود رزق کو سوئے حزیں | ابر لے جا ہے جہاں سوکھی زمیں
چونکہ دھرتی کا کوئی پاؤں نہیں | ابر کو خود ہانکتا ہے تو وہیں
اپنے بچے کو نہ ہو پاؤ جہاں | پاس لاکر رزق برساتی ہے ماں
چاہیے روزی اچانک بے تعب | جہد سے حاصل نہیں غیر از طلب
اک زمانہ یہ دعا کرتا رہا | روز تا شب، شب سبھی ثبت تا ضحیٰ
لوگ تو ہنستے تھے اس کی بات پر | اس کی خام امید پر پیکار پر
اے عجب کہتا ہے کیا یہ سر پھرا! | آئے گا سر پر غذا برسائے گا
رستہ روزی کا، کمائی ، رنج، تعب | یوں تو ناممکن ہے گر ہو تو عجب
ساتھ پیشے کے دیا سب کو طلب | سب مشقت، کسب اور رنج و تعب

رزق کو حاصل کرو اسباب سے
ہو وطن میں داخلہ ابواب سے

شاہ و سلطاں و رسولِ حق ابھی
ذو فسوں خود آپ داؤدِ نبی

حکم میں ان کے پرندے، جانور
اور زمیں پر چار سو سیر و سفر

باوجود اس درجہ عز و ناز کے
کردیا ممتاز انھیں اللہ نے

معجزات ان کے نہ گنتی نے عدد
اور پیا پے موجِ بخشش کی مدد

یا نہیں پاؤں کہ تو جانے کہیں
یا سکت گل سے نکلنے کی نہیں

حضرتِ آدمؑ سے اب تک ہے کوئی
ارغواں جیسی صدا جس کو ملی

آپ کی آواز اتنی خوب تھی
مرتے ہر مجلس میں دو سو آدمی

شیر آہو جمع ہوتے تھے وہاں
غافل اک دیگر سے دونوں اس زماں

کوہ و صحرا سب شریکِ نغمہ تھے
وقت دعوت دونوں ہی محرم رہے

یہ اور ایسے ہی وہ صدہا معجزات
نور ان کا جہت میں اور بے جہات

پس اسی تسکین سے روزی اسے
جوڑ رکھا تھا تلاشی کے لیے

بے زرہ باقی، بلا کا ہش کبھی
روزی سب پاتے نہیں خوش بخت بھی

اس قدر بدنام اور بچھڑا ہوا
خانہ ویراں، چرخ کارانده ہوا

پس پا، چاہے کچھ نہ کرنا ہو اسے
پاؤں خود جاکر خزانے پر پڑے

چاہے احمق بے مشقت زود اسے
بے تجارت پر ہو دامن سود سے

باؤلا دنیا میں ہے ایسا کدھر
تا بنا سیڑھی کے پہنچے چرخ پر

کوئی طنزاً کہتے آ لے لے اِدھر
رزق آ پہنچا ترا اے خوش خبر

ہنس کے کہتا کوئی آقا ہم کو دے
ہدیہ دے کچھ اس سے جو پہنچا تجھے

لوگوں کے طعنے تمسخر سن کے بھی
چاپلوسی مانگ جاری ہی رہی

شہر بھر شہرہ، کہ چاہے باؤلا
خالی تھیلی سے نچوڑا دودھ کا

احمقی کی اک کہاوت بن گیا
اُس طلب کو ترک کرنے سے رہا

جب نہ آئی اس کی زاری میں کمی
حق تعالٰی سے قبولیت ملی

اس عاجزی کے ساتھ دعا کرنے والے کے گھر میں گائے کا دوڑ کر آنا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا میں عاجزی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے کیونکہ عاجزی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز ہے اور مانگنے والے کے لیے عاجزی اس سے بھی زیادہ اچھی ہے جو اس سے وہ مانگتا ہے اور ناظم کا عذر کرنا اور مدد چاہنا

ایک دن پس ناگہانی صبح گاہ
کی دعا گو نے بصد زاری دعا

دوڑتے اس گھر میں اک گائے گھسی
سینگ ماری کھٹکا، کنڈی توڑ دی

گھر میں گستاخانہ آئی کودتی
مرد لپکا اور جکڑ ڈالا تبھی

اور اسی دم کاٹ بھی ڈالا گلا
بے توقف بے تامّل، بے پناہ

سر جدا کر کے چلا سوئے قصاب
تا کہ کھال اس کی اتارے وہ شتاب

اے تقاضا گر جنیں کی طرح تو
مضطرب ہے کس لیے تکمیل کو

سہل کر، رستہ دکھا،، توفیق دے
کر رہا ہم کو تقاضا چھوڑ دے

بے نوا سے مانگ زر کی تو کرے
اے غنی خود چھپ کے زر تو اس کو دے

بن ترے دن رات نظم و قافیہ
کیوں رہے جاری، ہے کس میں حوصلہ

نظم و تجنیس و قوافی اے علیم
تابعِ فرماں ہیں سب از خوب و بیم

جب ثنا گو کردیا ہرچیز کو
سب کو بے تمیز و باتمیز کو

اور ثنا ہر ایک کی نوعِ دگر
ایک کی تسبیح سے دیگر بے خبر

آدمی جانے نہ تسبیحِ جماد
بندگی میں گرچہ ہیں وہ اوستاد

ہیں بہتّر ملتیں، ایک ایک سے
بے خبر سب، ظن و شک میں ہیں پڑے

بے خبر ناطق سے ناطق ہو اگر
ہے کہیں ممکن کہ ہوں دیوار و در

خاص اک تسبیح سنّی کو رہی
جبری کی تسبیح ضد میں اور ہی

تسبیح جبری سنّی بے خبر
تسبیح سنّی سے جبری بے اثر

وہ اسے بولے کہ ہے گم کردہ راہ
یہ نہ جانے اس کا حال اور قُم ہے کیا

وہ بھی کہتا ہے اس کو کیا پتہ　　بحث ان میں یہ کہ ہے تقدیر کیا
کرنا ہے ہر ایک اصلیت عیاں　　جنس سے ناجنس کی صورت عیاں
قہر کو بھی مہر جانے ہر کوئی　　دانا بھی نادان بھی، ناچیز بھی
مہر وہ جو قہر میں پوشیدہ ہو　　قہر وہ جو مہر میں نادیدہ ہو
کون جانے اس کو غیر از باخدا　　وہ کسوٹی جاں کی جو خود ہوگیا
باقی سب سب پر غلبۂ ہر دو گماں　　چل دیے اک پر سے سوئے آشیاں

اس بیان میں کہ علم کے دو بازو اور شک کا ایک بازو ہے

علم کے دو پر گماں کو ایک پر　　ظن ہے ناقص اور اڑان اس کی بتر
مرغِ اک پر زود تر اوندھا گرے　　دو قدم یا کچھ زیادہ جا گرے
گرتے اڑتے جائے گا مرغِ گماں　　ایک ہی پر اور امید آشیاں
ظن سے چھوٹا علم اسے حاصل ہوا　　ہوگیا دو پر، چلا پھر پرکسا
بعد ازاں لے گا وہ سیدھا راستہ　　نہ ہی اوندھا جائے نے بیمار سا
اونچے جوں جبریل اڑتے جائے گا　　بے گماں، بے فکر، سیدھے جائے گا
گو سبھی عالم کہے بس اک تو ہی　　راہِ حق پر، راست تیرا دین بھی
کچھ کہیں وہ جوش دکھلاتا نہیں　　آپ اکیلا، غیر کی سنتا نہیں
کچھ نہیں کرتا قبول اس کا خیال　　طاعنوں سے بھی نہیں رنجیدہ حال
پُر یقین و مطمئن بے احتیال　　ہے سدا ایسا ہی شاید اس کا حال

انسان کا لوگوں کی تعظیم کرنے اور معتقدین کی اس طرف رغبت کے وہم سے بیمار پڑنا اور بچوں کے استاد کا قصہ

مدرسے کے بچے اک استاد سے　　تھک گئے محنت سے رنجیدہ ہوئے
مشورہ تھا کام میں تاخیر کا　　تاکہ ہو دکھ میں معلم مبتلا

کیوں نہیں آتا مرض کوئی اسے
تا کہ ہم سے دور وہ کچھ دن رہے
قید اور کاہش سے ہم چھوٹیں ذرا
سنگِ خارا سا سلامت وہ سدا
ان میں جو چالاک تھا سب سے سوا
پوچھے کیوں ہے زرد چہرہ آپ کا
خیر ہے رنگ آپ کا ایسا نہ تھا
ہے ہوا سے یا ہو تپ میں مبتلا
اس سے وہ خود وہم میں آپ ہی پڑے
بھائی تم بھی ساتھ میرا دیجیے
پوچھو اندر مدرسے کے آتے ہی
خیر ہے؟ کیوں ہے طبیعت آپ کی
اس سے اس کا وہم اور آگے بڑھے
وہم دانا کو بھی دیوانہ کرے
تیسرا ، چوتھا بھی پنجم بھی یونہی
بعد سب روئیں گے اور ہوں گے دکھی
تیس بچے ایک کے بعد ایک جب
بولیں، اس کے دل میں بیٹھے بات تب
بولا ہر اک ان میں شاباش اے ذکی
بخششیں حق کی ہوں قسمت میں تری
ہوگئے سب متفق، پیماں کیا
بات سے کوئی نہ مکرے گا ذرا
بعد ازاں سوگند لی ہر ایک کی
تا نہ چغلی کھائے گا ان میں کوئی
بات اس بچہ کی سب سے بڑھ گئی
گلہ سے عقل اس کی آگے بڑھ گئی
عقلِ انسانی میں ہے فرق ایسا ہی
صورتوں میں جس طرح معشوق کی

اس کا بیان کہ اصل فطرت میں لوگوں کی عقلوں میں فرق ہے اور معتزلہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔ اور عقلوں کا فرق تجربہ اور علم حاصل کر لینے کی وجہ سے ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کا حسن اس کی زبان کی فصاحت ہے

قول ہے اک یہ رسول اللہؐ کا
حسن انساں کا زباں میں ہے چھپا
فرق عقلوں میں ہے فطرت کی عطا
یہ تو مسلک اہلِ سنت کا رہا
برخلاف اس کے ہے قولِ اعتزال
عقلوں میں ہے اصلیت سے اعتدال
بیش یا کم تجربہ تعلیم سے
ایک تا کمتر دگر برتر رہے
بات جھوٹی اور ہے بچکانہ رائے
تجربے کو ہے کہاں مسلک میں جائے

ترک کر اندیشۂ مردانِ کار
کام لاحاصل وہ خود بے اختیار

چھوٹا بچہ بڑھ گیا اس کا خیال
جس کی بو تک بھی نہ پہنچے کہنہ سال

خود فزوں اول وہ فطرت کی عطا
بعد سب جہد و تکلف کا صلہ

بول خود بہتر ہے قدرت کی عطا
یا وہ لنگڑا، تیز گھوڑے سا چلا

مکاری سے بچوں کا استاد کو وہم میں ڈالنا

نکلا سورج آ گئے بچے وہاں
تھے اسی دھن میں وہ مکتب کو رواں

بچے سب باہر کھڑے تھے منتظر
تا ہو داخل حملہ آور پیشتر

چوں کہ سر چشمہ تھا وہ اس رائے کا
سر ہمیشہ پیشوا ہے پاؤں کا

اے مقلّد اس سے پہلے تو نہ جا
ہے عطائے حق جو وہ منبع بنا

پس معلم کو کہا آ کر سلام
خیر ہے؟ کیسے یہ چہرہ زرد فام

پس معلم نے کہا اچھا ہوں پر
جا تو اندر بیٹھ، ہاں بک بک نہ کر

کی نفی لیکن غبارِ بدظنی
دل پہ بیٹھا اور ذرا سی زد لگی

اندر آیا دوسرا بولا وہی
وہم وہ اس کا بڑھا کچھ اور بھی

یوں ہی ہوتے وہم کی شدت بڑھی
خود اسے حالت پہ حیرانی ہوئی

فرعون کا لوگوں کی تعظیم کے وہم سے بیمار ہونا

مرد و زن بچوں کے سجدے دیکھ کر
ہوگیا فرعون پر دکھ کارگر

ہر کوئی کہتا تھا مالک بادشہ
وہم مہلک کا اثر اس پر ہوا

ہوگیا دعوائے حق کو وہ دلیر
اژدہا جوں کب کسی شے سے تھا سیر

عقلِ ناقص اس کی آفت وہم وظن
اس کا لکھا تھا سمندر میں وطن

آدھی گز کا بس زمیں پر راستہ
آدمی بے شک سلامت جائے گا

اونچی اک دیوار پر گر تو رہے
گز دو گز چوڑی بی ہو جھک کر چلے

بلکہ دل کے وہم سے لرزے گرے
خوب ڈر شک کو سمجھنا چاہیے

وہم اور خیال کی وجہ سے پڑھانے والے استاد کا بیمار پڑنا

خوف وشک سے تھا جو بے تاب وتواں — کھینچ لی کمبل ہوا گھر کو رواں
غصہ زن پر کہ ہے چاہت میں کمی — میری حالت پر توجہ ہی نہ کی
رنگ سے میرے مجھے آگہ نہ کی — چاہے چھٹکارا مرے قبضہ سے ہی
اس کو حسن و جلوہ آرائی سے کام — وہ نہ جائے ہم ہوئے رسوائے عام
آیا اور تندی سے کھولا گھر کا در — کپے میں بچے اور استاد اپنے گھر
پوچھی زن ہے خیر؟ کیوں جلد آگئے — بد نہ چھو پائے تمھیں اللہ کرے
بولا اندھی دیکھ رنگ و حالِ زار — میرے غم میں غیر سارے زار زار
گھر میں بیٹھے بغض کینے میں خیال — خود جلے، پوچھے گی کیسے میرا حال
بولی زن رنجش نہیں کوئی تجھے — ہے گمان و فکر بے معنی تجھے
بولا بدخو تو جھگڑنے میں ابھی — بے قراری کیا نہیں دِکھتی مری
اندھی بہری ہو ہماری کیا خطا — ہم ہیں اپنے رنج و غم میں مبتلا
بولی خواجہ لاؤں گی میں آئینہ — تا کہ تو جانے نہیں میرا گنہ
بولا جا کیا تو ترا آئینہ کیا! — بغض کینہ رات دن جھگڑا ترا
جا ذرا میرے لیے بستر بچھا — تا میں سوجاؤں ہے سر بوجھل مرا
کی توقف زن تو ڈانٹا مرد اسے — جلدی کر دشمن یہی زیبا تجھے

استاد کا بستر پر لیٹ جانا اور بیماری کے وہم سے اس کا رونا

لائی بستر اور بچھائی زود زن — کچھ نہ کہہ سکتی تھی، دل میں تھی جلن
گر کہوں کچھ، مجھ پہ وہ تہمت دھرے — کچھ نہ گر بولوں تو قصہ سچ بنے
فالِ بد بیمار کردے گی یونہی — گرچہ بیماری نہ ہو اس کو کوئی
قولِ پیغمبرؐ یہ ایماں چاہیے — بھائے بیماری تو بیماری چلے
گر کہوں کچھ وہ گمانِ بد کرے — کام گر ہو زن کو خلوت چاہیے

گھر سے باہر چاہتی ہے وہ مجھے
چاہے بدکاری کو کچھ فرصت ملے
لگ گیا بستر معلم جا پڑا
آہ و نالہ ساتھ ہی کرنے لگا
بچے اس جا تھے چھپے بیٹھے رہے
اور سبق پڑھتے رہے دکھ درد سے
یہ سبھی ہم نے کیا قیدی بنے
بد بنا تھی، بد کے ہم بانی ہوئے
ہاں دگر تدبیر کرنی چاہیے
جلد تا کلفت سے راحت مل سکے

بچوں کا استاد کو دوبارہ وہم میں مبتلا کر دینا کہ قرآن پڑھنے سے اس کے سر میں درد پیدا ہو جائے گا اور بڑھ جائے گا

پھر کہا چالاک نے اے دوستو
اب سبق آواز سے پڑھتے چلو
بچے سب پڑھنے لگے جس دم وہاں
بولا شور اپنا اسے وجہِ زماں
دردِ سر استاد کو آواز سے
دردِ سر کیوں اس کو دمڑی کے لیے

اس مکاری کی وجہ سے بچوں کا چھٹکارا حاصل کرنا اور ماؤں کا ان سے پوچھنا

بولا ، ہاں استاد، بس تم سب چلو
درد میرا بڑھ گیا ہے اب چلو
سجدہ کرکے بولے سب ہاں اے کریم
دور ہو اللہ کرے یہ رنج و بیم
نکلے باہر اور گھروں کو چل دیے
جوں پرندے دانہ چگنے کے لیے
دیکھ کر مائیں پکاریں پُر غضب
دن پڑھائی کا تمھیں لہو و لعب؟
وقت ابھی پڑھنے کا تم بھاگے ادھر
وہ معلم اور کتابیں سب کدھر
عذر کرتے بولے اماں رک ذرا
یہ نہ کوتاہی ہماری نے خطا
عذر فوراً پیش انھوں نے کردیا
یہ گناہ ہم سے نہیں ہرگز ہوا
جو ہوا استاد کو حق کی قضا
ہوگیا بیمار، دکھ میں مبتلا
مائیں بولیں جھوٹ سب دھوکا دہی
بولنا سو جھوٹ پانے کچھ دہی
جا ملیں گے صبح کل استاد سے
جان لیں گے باب میں اس مکر کے
بولے بچے جاؤ بسم اللہ چلو
جھوٹ کیا ہے سچ ہے کیا خود جان لو

صبح کو بچوں کی ماؤں کا استاد کی مزاج پرسی کے لیے جانا

مائیں صبح ہوتے ہی سب آ گئیں — پرسشِ استاد کی خاطر وہیں
سخت اک بیمار سا سویا ہوا — سر سے پٹی جوں زناں باندھا ہوا
تر پسینے میں، لحاف اندر لحاف — سر پہ پٹی منہ چھپائے در سجاف
آہ آہ کرتے ہوئے آہستہ سے — اور سب ''لاحول'' بھی پڑھتے ہوئے
خیر ہو، استاد کیوں ہے درد سر — ہے قسم جاں کی نہ تھی ہم کو خبر
بولا مجھ کو بھی نہ تھی اس کی خبر — ہاں مجھے بچوں نے دی اس کی خبر
میں پڑھانے پڑھنے میں مشغول تھا — عارضہ یہ سخت تھا اندر چھپا
کام میں بالکل جو ہو محو آدمی — کرتا ہے صرف نظر دکھ کو سبھی
ہے زنانِ مصر و یوسفؑ داستاں — محویت میں ہوش ان کو تھے کہاں
ٹکڑے کر ڈالے خود اپنے ہاتھ بس — روحِ مفتوں کیسے جانے پیش و پس؟
کئی بہادر جنگوں میں ایسے بھی تھے — دست و پا خود کاٹے اپنی تیغ سے
سعی کرتا ہے اسی سے ضرب کی — یہ سمجھتے ہے سلامت وہ ابھی
یاد کیوں ہو اس کو بازو کا ضرر — کتنا خوں اس سے بہا وہ بے خبر

اس کا بیان کہ جسم، روح کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے اور یہ ہاتھ روح کے ہاتھ کی آستین ہے اور یہ پاؤں روح کے پاؤں کا موزہ

تا کہ جانے جسم ہے جیسے لباس — لا جو پہنے اس کو کیوں چاٹے لباس
روح کو توحیدِ اللہ خوب تر — دست و پا نادیدہ ہوتے ہیں دگر
دست و پا ہم خواب میں پاتے ہیں جو — ہیں حقیقی، جھوٹ مت ان کو کہو
بے بدن ہوتے بھی تن ہے اک دگر — خوف کیوں جاں جسم سے جائے اگر
بے بدن جاں کے ہیں کیا کیا کاروبار! — اک پرندہ ہے قفس میں بے قرار

ٹھیرتا پنجرے سے باہر مرغ آئے ۔۔۔ کہ مطیع سات آسمانوں کو تو پائے
اک حکایت میں سناؤں گر سنے ۔۔۔ واقعی اس سچ کا گرویدہ رہے

اس درویش کا قصہ جو پہاڑ میں خلوت نشیں ہو گیا تھا اور لوگوں میں جدائی اور خلوت کی شیرینی کا بیان اور اس فضیلت میں داخل ہو جانا کہ میں اس کا ہم نشیں ہوں جو مجھے یاد کرے اور میں اس کا دوست جو مجھ سے انسیت کرے

ہیں ساتھ سب، میں جو نہیں کوئی نہیں ۔۔۔ ہوں میں تو گو کوئی نہ ہو سب ہیں وہیں
اک پہاڑی میں کوئی درویش تھا ۔۔۔ تھا نہ ہمدم اس کا خلوت کے سوا
رحمتِ حق کا ہوا چونکہ شمول ۔۔۔ مرد و زن سے ہوگیا تھا وہ ملول
ہے اقامت سہل ہم کو جس قدر ۔۔۔ دوسروں کو سہل لگتا ہے سفر
جس طرح بھائی ہے تجھ کو سروری ۔۔۔ اس دگر کو بھائی ہے آہنگری
کام ہے مخصوص ہر اک کا کوئی ۔۔۔ دھن اسی کی اس کے دل میں ڈال دی
ہاتھ پاؤں بے غرض ہلتے ہیں کب ۔۔۔ تنکے بے آب و ہوا چلتے ہیں کب
گر نظر تیری ہے سوئے آسماں ۔۔۔ جوں ہما خوش بختی کھولے پر وہاں
میل تیرا ہے اگر سوئے زمیں ۔۔۔ کچھ تجھے دکھ کے سوا حاصل نہیں
پہلے رو لیتے ہیں جو ہیں عاقلاں ۔۔۔ سر بآخر پیٹتے ہیں جاہلاں
ابتدا میں دیکھ لے انجامِ کار ۔۔۔ یومِ دیں میں تا نہ ہو تو شرمسار

سنار کا انجام کار کو دیکھنا اور ترازو مانگنے والے سے انجام کے مطابق بات کہنا

آیا زرگر کے یہاں کوئی بشر ۔۔۔ دے ترازو تولنا ہے مجھ کو زر
بولا جا چھلنی نہیں میرے یہاں ۔۔۔ بولا ٹھٹھا چھوڑ میزاں دے یہاں
بولا جھاڑو بھی دکاں میں ہے کہاں ۔۔۔ بولا رہنے دے یہ ٹھٹھے دے یہاں
میں ترازو چاہتا ہوں دے اِدھر ۔۔۔ بن کے بہرہ اس طرح حیلے نہ کر

بولا سنتا ہوں میں کچھ بہرا نہیں
تا نہ سمجھے تو مجھے جاہل کہیں
ہاں سنا، تم پیر لرزاں ہو میاں
کانپتے ہاتھ اور بدن ہے ناتواں
سمجھا پر ہنگامِ پیری ناتواں
ضعف سے ہیں ہاتھ لرزاں ہر زماں
ریزہ ریزہ زر ترا کترن کا سب
دستِ لرزاں سے گرا دے گا تو جب
تب کہے گا خواجہ جھاڑو لا ذرا
جھاڑ کر کرلوں اکٹھا زر مرا
جمع کرلے گا جو مٹی جھاڑ کر
مجھ سے بولے گا کہ چھلنی لا ادھر
تا کہ پالوں اپنا زر میں چھان کر
کوئی چھلنی اس دکاں میں ہے کدھر
کرلیا معلوم پہلے ہی تمام
جا یہاں سے جائے دیگر والسلام
ابتدا میں کور ہے مجہول ہے
جو ہے آخر میں وہی معقول ہے
جو شروع ہی دیکھ لے انجام کار
انتہا میں وہ نہ ہوگا شرمسار
عاقبت بینی پہ ہے اصرارِ تام
بادشاہی ہے فقیری کی غلام
عاقبت بیں ہیں ہدایت یافتہ
راستی سے خوب واقف ہے خدا
یہ سخن بے حد ہے راز آخر بتا
مردِ زاہد کو بتا پھر کیا ہوا
وہ حکایت اب بیاں کردے تمام
کھانا، پینا وہ پہاڑی پر قیام

پہاڑ میں رہنے والے اس عبادت گزار کا قصہ جس نے منت مان لی تھی کہ میں درخت سے پہاڑی میوہ نہ توڑوں گا اور نہ درخت کو جھاڑوں گا اور کبھی صاف اور اشارے میں نہ کہوں گا کہ لو جھاڑ دے اور اس کو کھالوں گا جس کو ہوا درخت سے گرا دے گی

جھاڑ کئی پھلدار بھی تھے اس جگہ
سیب انار امرود کے حد سے سوا
تھے وہی میوے غذا درویش کی
کچھ نہ کھاتا تھا سوا اس کے کبھی
بولا یارب عہد ہے تجھ سے مرا
میں نہ توڑوں گا کوئی پھل جھاڑ کا
میں نہ توڑوں گا ز خود میوہ کبھی
اور نہ بولوں توڑنے اوروں کو بھی

بس وہی پھل جھاڑ دے جس کو ہوا — میں نہ توڑوں پھل کسی پھلدار کا
ایک مدت نذر پر قائم رہا — چل پڑا پھر امتحاں کا سلسلہ
اس لیے فرمایا استثنا کرو — گر خدا چاہے، قسم سے جوڑ لو
کیونکہ میرے ہاتھ میں ہے حکمِ کار — تحت میرے ہے سبھوں کا اختیار
ہر کبھی تازہ طلب پیدا کروں — ہر نفس اک داغ تازہ دل پہ دوں
ہاں ہماری شان ہے ہر دن نئی — شئے زخود پھیرے نہ اپنا رخ کبھی
دل ہے جیسے ایک پر قولِ نبیؐ — زد میں صرصر کے بیاباں میں کوئی
بادلے چلتی ہے پر کو خواہ مخواہ — سیدھے دائیں بائیں ہرسو ہر جگہ
دل کی بابت قولِ دیگر آپ کا — پانی جو شاں جیسے جلتی دیگ کا
دل کی بابت ہر کبھی رائے دگر — گو نہیں اس پر ہے مثبت وقت پر
پس تو کیوں ہے مطمئن بر رائے دل — عہد بندی گز کرے ہوگا خجل
ہے یہ سب کچھ امرِ حق کار قدر — چاہ دیکھا، جائے گا بچ کر کدھر
تو کوئی اڑتا پرندہ تو نہ تھا — دام سے غافل، ہلاکت میں پڑا
سامنے کھونٹی بھی اور وہ جال تھا — چاہے ان چاہے تو آ کر پھنس رہا
چشم بینا، گوش شنوا، آگے جال — لا پھنسائے خود ترے ہی پر و بال

قضا خداوندی کے جال کی تشبیہ جو ظاہر میں پوشیدہ و اثر پیدا

دیکھ گدڑی پوش مہر زادہ کو — سر برہنہ در بلا افتادہ کو
اک حسینہ کی محبت میں تباہ — بیچ ڈالا ملک و مال اپنا جو تھا
اپنی خوشیوں میں پریشاں اس کا حال — زخمی دل طعنوں سے اور مرہم محال
کھودیا سب کچھ ہوا بدنام و خوار — وہ خرابی میں تو دشمن کامگار
دیکھے زاہد کو کہے بابا ذرا — ہو نگاہ خاص از بہرِ خدا
ہوں نحوست میں غضب کی مبتلا — مال و دولت نعمتیں سب کھودیا

اک توجہ، تا کروں خود کو رہا　　　تیرہ دلدل سے نکل آؤں ذرا
تھا اسی کا ملتجی از عام و خاص　　　تا کہ دم بھر پا سکے غم سے خلاص
ہاتھ پاؤں سب کھلے بندی نہیں　　　سنتری سر پر نہیں، بیڑی نہیں
کون سی بندش سے تو چاہے خلاص　　　جب نہیں قیدی تو کاہے سے مناص
بند قسمت کی، نہاں امرِ خدا　　　کون دیکھے غیرِ مردِ با فضا
گو نہیں وہ پوشیدہ ہے گر　　　قید، بیڑی سے بھی ہے وہ سخت تر
ہو جو بیڑی توڑے آہنگر اسے　　　اینٹ اکھیڑے نقب در زنداں کرے
اے عجب یہ غیب کی بیڑی گراں　　　توڑنے عاجز اسے آہنگراں
وہ گلوبند چشم آقا کو سزا　　　مونج کی رسّی کا گردن میں بندھا
بو لہب کی زن پہ وہ گٹھا جو تھا　　　اس کو حمالۂ حطب خود کہہ دیا
حیل و ہیزم کس پہ ظاہر تھے سوا　　　ان کے جن پر فاش تھا جو بھی چھپا
باقی تاویلات میں پھنس کر رہے　　　ہوشمندی اپنی دکھلانے لگے
پشت دو تو اس کی اس تاثیر سے　　　رو رہا تھا متقی کے سامنے
وہ دعا کرتے رہو کہتا رہا　　　تا نہ ہو لوں بندِ مخفی سے رہا
جو اشاروں سے حقیقت جان لے　　　کیوں نہ وہ تمیزِ نیک و بد کرے
جان کر انجان بہ حکمِ ذوالجلال　　　کہ نہیں افشائے رازِ حق حلال
اس بیاں کی حد کہاں، پس وہ فقیر　　　بھوک سے بد حال تھا اور تن اسیر

اس عہد کرنے والے درویش کا درخت سے امرود توڑنے پر مجبور ہو جانا اور بغیر تاخیر کے اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے گوشمالی کا پہنچنا

پانچ دن امرود اک بھی نہ گرا　　　آگ بھڑکی بھوک کی صبر اڑ گیا
شاخ پر امرود بھی دیکھے کئی　　　صبر سے خود کو سنبھالا آپ ہی
ڈال کے سر کو جھکا ڈالی ہوا　　　کھانے پر آمادہ دل بھی کردیا

ناتوانی بھوک اور جذبِ قضا — عہد سے اپنے نہ کرپایا وفا
پھل جو توڑا جھاڑ سے امرود کے — سستی برتی اس نے اپنے عہد سے
حق سے فوراً گوشمالی آگئی — کھنچ گیا کان آنکھ بھی اس کی کھلی
مخلصوں کے واسطے دائم ہے ڈر — امتحاں ہیں راہ میں ان کی پسر
جان من ہے عہد کو شرطِ وفا — ورنہ ہوگی شرمساری، ابتلا
گر نہ ہو ممکن وفا وعدہ نہ کر — امتحاں سے باہر آ! کیوں در خطر
راہِ حق میں نذر کو لازم وفا — پر نہیں توفیقِ سبقت کو خدا
وعدے کتنے کاموں میں ہم نے کیے — منتیں مانیں کئی پوشیدہ سے
ہے کہاں طاقت کہ ہم پورا کریں — عاجز و بے بس ہیں آخر کیا کریں
دستگیری گر نہ فضلِ حق کرے — حاصل اپنا صرف رسوائی رہے
وعدوں کو یارب وفا سے جوڑ دے — استواری بھی عطا کر لطف سے
لوٹوں اب میں جانبِ قصۂ فقیر — توڑا عہد اور ہوگیا فوراً اسیر
غیرت حق سے ملی تنبیہ زود — اس نے فرمایا ہے ''اوفو بالعقودْ''
چوروں کا جتھا تھا شاید اس جگہ — چاندی سونا لائے وہ لوٹا ہوا
اتفاقاً چور آئے دوڑتے — اس پہاڑی میں گھر اپنا کرلیے

اس درویش کو چوروں کے ساتھ متہم کرنا اور اس کا ہاتھ کاٹنا

کچھ زیادہ بیس سے وہ چور تھے — بانٹنے میں محو مسروقات کے
کردیا کوتوال کو آگہ کوئی — آدمی کوتوال کے پہنچے تبھی
کوتوال اس کوہ کی جانب چلا — سب کو پکڑا باندھ ڈالا سورہا
اور صدا دی پر غضب جلاد کو — دست و پا تن سے جدا کر ان کے تو
تھے وہاں سب بایاں پاؤں دایاں ہاتھ — کاٹ ڈالا گونجا اک شورِ نجات
شیخ کا بھی ہاتھ غلطی سے کٹا — پاؤں بھی بیکار کرنے کو ہی تھا

آ گیا اتنے میں اک صاحب سوار — اور سپاہی کو صدا دی نابکار
یہ فلاں شیخ اور ہے ابدالِ خدا — ہاتھ اس کا کیوں کیا تو نے جدا
ہاتھ وجہِ حلق گر کاٹا گیا — بند اس پر راہِ شکوہ کردیا
ہے بجا بند ایک در ہوتا ہے گر — اس پہ سو دروازے کھلتے ہیں دگر

ٹنڈے شیخ کی کرامت اور تنہائی میں ان کا دونوں ہاتھوں سے جھولی بننا

شیخِ اقطع نام ان کا پیشِ خلق — نام ان کا یوں ہوا ہے وجہِ حلق
پہلا نام ان کا جو لینا ہی ہوا — پس تو جا بوالخیر تینا تیش کہہ
جھونپڑی میں اک ملاقی کو ملے — بن رہے تھے جھولی دونوں ہاتھ سے
بولے اپنی جاں کے دشمن کیوں بھلا — سر اٹھائے جھونپڑی میں آ گیا
پوچھے آتے جلدی کی کیا وجہ تھی؟ — بولا شدت دھوپ اور شوق بھی
مسکراتے بولے بس نزدیک آ — پر اسے مخفی ہی رہنے دے ذرا
میرے مرنے تک نہ کرنا فاش اسے — خویش ہو یا خاص کوئی بھی رہے
لوگ دیگر بعد ازاں سوراخ سے — آ گہی بننے کی پاتے ہی رہے
تیری حکمت تو ہی جانے کردگار — میں چھپاؤں خود کو تو کر آشکار
پس ہوا الہام لوگ ایسے بھی تھے — دیکھ کر غم تجھ سے منکر ہوگئے
کہ تھا شاید وہ فریبی کہ خدا — خلق کے اندر اسے رسوا کیا
میں نہ چاہا لوگ وہ کافر بنیں — گمرہی میں پڑ کے بدظن ہورہیں
یہ کرامت ہم نے کی ہے آشکار — ہاتھ ہم دیتے ہیں تجھ کو وقتِ کار
تا کہ یہ بے چارے جو ہیں بدگماں — خود نہ ہوں مردود پیش آسماں
میں نے ہی قبل از کرامت بھی تجھے — دی تسلی تجھ کو اپنی ذات سے
یہ کرامت میں نے دی ان کے لیے — شمع یہ ان کے لیے دی ہے تجھے
مرگِ تن سے تو تو آگے بڑھ چلا — تن کے اجزا ہوں جدا تو خوف کیا
وہمِ تفریقِ سروپا بھی گیا — ڈھال دفعِ وہم کو ہے خود رضا

فرعون کے جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کٹ جانے پر جرأت کا سبب

ساحروں کو کیا نہ فرونِ لعیں   دھمکیاں دیں، بھی سزاؤں کی کہیں
کاٹ دوں گا دائیں بائیں دست و پا   میں نہ بخشوں گا تمھیں لٹکاؤں گا
ان کو بھی معلوم تھا ہے وہ سبھی   اک ڈراوا وہم ہے وسواس ہی
سمجھا جاں کے خوف سے ڈر جائیں گے   سب گمان اور اس کی تہدیدات سے
کیا خبر اس کو کہ وہ وارستہ تھے   چست تھے چالاک تھے برجستہ تھے
اوکھلی امبر کی گر سو بار بھی   پیس کر کردے انھیں پرزے سہی
چوں کہ تھے آگاہ وہ ترکیب سے   وہم کے بڑھنے سے وہ ڈرتے نہ تھے
یہ جہاں ہے خواب کیوں رہن گماں   کٹ بھی جائے ہاتھ کیا ہوگا زیاں
سر اڑا دے خواب میں قینچی اگر   عمر لمبی اور سلامت تیرا سر
خواب میں دیکھے اگر خود کو دو نیم   خیریت ہے چوں کہ اٹھے بے سقیم
پس اگر ہو خواب میں نقصانِ تن   ہو دو سو ٹکر بھی کیا حُزن و حزن
یہ جہاں موجود لگتا ہے ضرور   خواب میں جوں سوتے کا فرمائے حضورؐ
تونے تقلیداً کیا ہے یوں قبول   اسالک از خود نے زتعلیمِ رسول
مان لو کہ دن بھی ہے در اصل خواب   فرع یہ اور اصل اس کی ماہتاب
جاں لے یہ خواب و بیداری تری   جیسے دیکھے خواب سوتے میں کوئی
وہ سمجھتا ہے مجھے اب آیا خواب   بے خبر ہے خواب کے عالم کا خواب
کوزہ گر اک کوزہ کو توڑے اگر   جب بھی چاہے لڑکھڑائے گا دگر
نا بینا کو ہر قدم پر خوفِ چاہ   وہ ہزاروں ڈر لیے آئے بہ راہ
راہ کی چوڑائی دیکھے دیدہ ور   دیکھے پھر کھڈ ہے کدھر ہے چہ کدھر
پاؤں اور گھٹنے لرزتے ہی نہیں   رنج سے غم دیدہ ہوگا وہ کہیں؟
اٹھ چل اے فرعون ہم ویسے نہیں   غول کی آواز پر رکتے نہیں

پھاڑ گدڑی، سینے والا ہے ادھر
ورنہ ننگا جسم بھی ہے خوب تر

ننگے تن ہی اے عدوِ نابکار!
نیند کو لے لیں گے ہم اندر کنار

تن طبیعت سے جدائی ہم کو خوب
جائے کیا فرعون احمق پر زنوب

اونٹ سے خچر کا شکایت کرنا کہ میں منہ کے بل بہت گرتا ہوں اور تو نہیں گرتا مگر بہت کم اور اس کا جواب دینا

بولا خچر ، اونٹ اپنے یار سے
اونچے نیچے اور مشکل راستے

ان میں تو گرتا نہیں چلتا ہے صاف
منہ کے بل گرتا ہوں میں پر برخلاف

کھل کے کہہ مجھ کو ہے باعث اس کا کیا
تا کہ جانوں کیسا جینا ہے بجا

بولا تیری آنکھ سے میری یقیں
آنکھ روشن تر رہی اور تیز بیں

دیکھنا بھی میرا اونچائی سے ہی
منہ کے بل گرتا نہیں اس سے کبھی

تجھ سے روشن تر جو ہیں آنکھیں مری
دیکھتا ہوں بھی تو اونچائی سے ہی

چھبوتا ہوں چوٹی جو اونچے کوہ کی
دیکھ لیتا ہوں میں گھاٹی آخری

یا ہو پستی یا ہو بالائیِ راہ
صاف دکھلاتا ہے آنکھوں کو خدا

ہر قدم کو دیکھ کر رکھتا ہوں میں
ٹھوکروں گرنے سے یوں بچتا ہوں میں

پیش بینی تیری بس دو تین گام
دیکھتا ہے فاش تونے رنج و دام

اندھا بینا دونوں تم کو ایک ہی
چلنا، رکنا اور سکونت اک سبھی

جاں جنیں میں جب بھی پھونکا ہے خدا
جذبِ اجزا کا سلیقہ بھی دیا

جذبِ اجزا وہ کرے خواک سے
تانے بانے جسم کے وہ خود بنے

جذبِ اجزا کا عمل چالیس سال
اور نمو کی حرص عطائے ذوالجلال

جذب اجزا روح کو سکھلا دیا
جذب اجزا کیوں نہ جانے گا خدا

جامع ان ذرّوں کا وہ خورشید تھا
جانے وہ ذرّوں کو چننا ہے غذا

جب تو خود میں آئے گا چھوڑے گا خواب
ہوش و حس کو خود بلا لے گا شتاب

تا تو جانے وہ نہیں ہوں گے فنا
لوٹ آئیں تو اگر ''عُد'' کہہ دیا

اللہ تعالیٰ کے حکم سے بوسیدہ ہو جانے کے بعد عزیر علیہ السلام کے گدھے کے اجزا کا جمع ہو جانا اور فوراً عزیر علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے جڑ جانا

دیکھ عزیر اب کیا ہوا تیرا گدھا — سامنے تیرے ہے گل سڑ کر پڑا
جوڑ کر رکھ دیں گے تیرے آگے اب — اس کا سر، دُم، کان دو، اور پاؤں سب
ہاتھ بن اجزا سبھی جمنے لگے — اور ٹکڑے بھی ادھر جڑنے لگے
دیکھ پارہ دوز کی صنعت نئی — سل رہے ہیں سوئی بن پرزے سبھی
سیتے دم دھاگا نہیں سوئی نہیں — سیون ایسا درز بھی دکھتی نہیں
کھول آنکھیں حشر پیدا دیکھ لے — شک قیامِ حشر میں کیوں کر رہے
جمع کرنا تا مرا تو دیکھ لے — تا کہ ڈر تجھ کو نہ ہو مرتے ہوئے
جیسے سوتے وقت اطمینان سے — سب حسوں کو فوت ہونے چھوڑ دے
مطمئن جوں تو حسوں سے وقتِ خواب — ان کو ہونے دے پریشاں اور خراب

ایک شیخ بزرگوار کا اپنی اولاد کے مرنے پر جھلاہٹ کا اظہار نہ کرنا

اس سے پہلے رہنما اک شیخ تھے — جوں زمیں پر آسمانی شمع تھے
جوں پیمبر درمیانِ امتحاں — کھولنے دروازۂ باغِ جناں
بولے پیغمبرؐ کہ شیخِ رہنما — جوں نبی ہوتا ہے اپنی قوم کا
اس کی گھر والی نے اک دن یوں کہا — شیخ اتنا سنگدل کیوں ہے بتا
ہم ترے بچوں کی موت اور ہجر سے — ہے کمر دو تو مر رونے چلے
گریہ و زاری نہیں کرنا کبھی — یا محبت تیرے سے اڑ گئی
تیرے دل میں رحم آخر کیوں نہیں — ختم ہے تجھ سے توقع بس یہیں
ہم کو تم سے یہ امید اے پیشوا — رنج و آفت میں نہ دوگے تم بھلا
جب سجایا جائے گا محشر میں تخت — خود شفیع تو ہی ہمارا روزِ سخت
ویسے بھی روز و شب بے زینہار — ہم ہیں تیرے لطف کے امیدوار

ہاتھ اپنا تیرا دامن اس زماں   کوئی مجرم تب نہ پائے گا اماں
بولے پیغمبرؐ کہ میں روزِ جزا   مجرموں کو کیوں رکھوں نالہ سرا
عاصیوں کو بخشوانا ہے مجھے   اور شکنجوں سے چھڑانا ہے مجھے
عاصی اور اہلِ کبائر کو بہ جہد   میں چھڑاؤں از عتابِ نقضِ عہد
میرے صالح امتی فارغ رہے   روز آفت وہ سفارش پا چکے
ہے شفاعت خود انھیں کے واسطے   جو بھی کہہ دیں حکمِ نافذ ہو رہے
نہ اٹھائے بوجھ حامل غیر کا   میں نہیں حامل، بری حق نے کیا
جو بھی ہے بے بار ہے شیخ اے جواں   حق کا پیارا ہاتھ میں جیسے کماں
کون پیر، وہ بوڑھا، بال اس کے سپید   اس کے معنی جان لے اے نا امید
اس کی ہستی بس وہی موئے سیاہ   بال بھر ہستی کو اس کی ہو نہ جا
کالے بال اس کے جو ہیں وصفِ بشر   ان سے خالی اس کی داڑھی اس کا سر
عیسیٰ گہوارے سے دیتے ہیں صدا   شیخ ہیں ہم لو جوانی کے بنا
کالا بال اس میں نہیں گر ایک بھی   تو ہے مقبول خدا اور شیخ ہی
بال اجلے ہوں خودی کے ساتھ جب   وہ نہ کوئی پیر ہے نے خاص رب
گر نہ ہو بعض اور اوصافِ بشر   پیر کیوں وہ ہے ادھیڑ اک اے پسر
وصفِ خود ہو بال بھر اس میں کہیں   تو وہ آفاقی ہے مردِ حق نہیں
ہم سبھی تجھ سے امیدیں باندھ کے   ریزہ چیں ہیں رحم واحساں کے ترے
باوجود اس کے یہ بے رحمی تری   اپنے فرزندوں سے کیوں سختی تری
دل کسی شے سے نہیں دُکھتا ترا   بولیے بابا کیا ہے تیرا ماجرا

اولاد کی موت پر نہ رونے سے متعلق شیخ کا عذر بیان کرنا

شیخ بولا مت سمجھنا اے رفیق   کہ نہیں ہے مجھ میں رحم اور دل شفیق
ہیں سبھی کفار رحمت میں مری   کافرِ نعمت رہے ہیں گو سبھی

کتوں پر بھی رحمت و بخشش مری   سنگ باری ان پہ آخر کیوں رہی
کاٹے کتّا اس کو دیتا ہوں دعا   اس کو اس عادت سے یارب تو بچا
دوسروں پر بھی ہو یونہی نگہدار   خلق تا کرنے نہ جائے سنگسار
اے کہ بھیجا انبیا کو برزمیں   تابنائے رحمۃٌ لِلعٰلمیں
وہ بلائیں خلق کو سوئے خدا   اور دعا کہ کر زیاد ان پر عطا
اس طرح کرتے ہیں کوشش بہر پند   کہتے ہیں یارب نہ کر اس در کو بند
رحمتِ جزوی یہ لوگوں میں ہے عام   رحمتِ معنی ہے خاصوں کا مقام
رحمتِ جزوی کشاں ہے سوئے کل   رحمتِ دریا ہے ہادیِ سُبُل
رحمتِ جزوی تو کل کے ساتھ رہ   کل تو ہوجا اس کے حق میں رہنما
جزوی کیا جانے سمندر کا پتہ   پس اسے تالاب ہی دریا ہوا
جب نہ جانے بحر، کیسے اس کو پائے   کس طرح مخلوق کو دریا دکھائے
ہوگی وہ وابستہ دریا سے تبھی   بہر جب دریا کا رستہ جائے گی
گر کرے دعویٰ وہ تقلیدی رہے   نہ کہ دیو و وحی و تائیدی رہے
جب کہ ہو تم مہرباں ہر ایک پر   اور ہو چوپاں اپنے گلہ کے اگر
اپنے بیٹے پر نہیں روتے کبھی   ڈنک جرّاحِ اجل نے مار دی
کیوں گواہِ رحم اک آنسو نہیں   آنکھ بے نم، غم کا مارا تو نہیں
شیخِ دانا جوش میں اس غصہ سے   بات کرتے بے تحمل ہوگئے
دیکھے مڑ کر، بولے اے بڑھیا نہیں   سرما، گرما ایک جیسے ہیں کہیں؟
مردہ یا زندہ وہ جیسے بھی سہی   دل کی آنکھوں سے نہیں غائب کبھی
جب مجسم دیکھتا ہوں ان کو یوں   جیسے تو چہرے کو زخمی کیوں کروں؟
وہ سبھی ہیں گرچہ بیرونِ زماں   کھیلتے پاتا ہوں میں ان کو یہاں
ہاں جدائی، دوری میں سب روتے ہیں   بچے چمٹے ساتھ میرے ہوتے ہیں
دیکھتے ہیں خواب میں سب ان کو ہاں   جاگتے بھی دیکھتا ہوں میں عیاں

خود کو دنیا سے چھپا کر لمحہ بھر   حِس کے پتے پیڑ سے خود جھاڑ کر
حِس ہماری عقل کی پابند ہے   عقلِ انسانی پہ روح کا بند ہے
جان بندھے ہاتھ عقل کے خود کھول دی   اس کے الجھے کام سب سلجھائی بھی
سب حواس افکار آب صاف پر   چھا گئے تنکوں کی صورت سطح پر
اک طرف کر دے جو دستِ عقل خس   صاف پانی ہوگا آگے اس کے بس
کوڑا پانی پر بہت تھا جوں حباب   ہٹ گیا اک سمت تو پیدا ہے آب
عقل کے بازو نہیں کھولا ذرا   خس کو پانی پر بڑھائے ہے ہوا
اور پانی کو چھپا دیتا ہے وہ   باد خنداں اور گریاں عقلِ تو
باندھے جب تقویٰ نے دو دستِ ہوا   ہر دو بازو عقل کے کھولے خدا
ہوں گے تب محکوم خود تیرے حواس   عقل جب ہوگی مقدم تیرے پاس
حِس کہ ہے بےخواب وہ اس کو سلائے   جاں میں جو کچھ ہے نہاں تا اوپر آئے
تا کہ دیکھے عین بیداری میں خواب   اور کھولے آسماں کے جملہ باب

ایک نابینا شخص کا قرآن پڑھتے وقت قرآن کو دیکھ کر پڑھنا اور قرآن پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے بینا ہو جانا

شہر میں بغداد کے ایک پیر نے   دیکھا مصحف گھر میں اندھے پیر کے
سخت گرما میں تھا مہماں اس کے ہاں   دونوں زاہد ساتھ تھے کچھ دن وہاں
دل میں بولا اے عجب مصحف یہاں!   کیونکہ ہے درویش اندھا بے گماں
فکر اندیشہ میں اس کے بڑھ گئی   جب نہیں اس کے سوا رہتا کوئی
پوچھوں یا میں صبر کرتے چپ رہوں   مقصد اپنا صبر سے تا پا سکوں
صبر کرتے چند دن دیکھا حرج   پر کھلا الصبر مفتاح الفرج
ہے خزانہ صبر بھائی صبر کر   ہے شفا کا نسخہ یہ بھی صبر کر
صبر کڑوا، اس کا پھل گویا شکر   بہر کشفِ راز ہے یہ راہبر

لقمان علیہ السلام کا سوال سے صبر کرنا جبکہ انھوں نے دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کے حلقے بنا رہے تھے

سوئے داؤدِؑ نبی لقمانؑ چلے / کر رہے تھے حلقے وہ فولاد سے
اک دگر سے جوڑنے میں وہ رہے / دیکھے سب تھے لوہے اور فولاد کے
وہ زرہ سازی کہیں دیکھے نہ تھے / بڑھ گیا وسواس حیراں ہوگئے
پوچھوں اس سے کیا بنایا جائے گا / حلقوں کی لڑیوں سے آگے ہوگا کیا
جی میں آیا صبر اس سے خوب تر / تا بہ مقصد صبر ہوگا زہر
پوچھ سے معلوم ہوگا زود تر / جائے مرغِ صبر پرّاں تر مگر
پوچھیں تو تاخیر کی مدت بڑھے / سہل بے صبری سے مشکل تر بنے
یہ سمجھ کر چپ ہوئے لقمانؑ اِدھر / کام پورا کرلیے داؤد ادھر
بن گیا بکتر، پہن کر آگئے / صبر خو لقمانؑ ہی کے سامنے
بولے یہ ہے خوب پیراہن فتیٰ / جنگ میں زخموں سے رکھتا ہے بچا
بولے لقماں صبر ہے ہمدم بھلا / وہ پناہ و دافعِ غم ہے سدا
کیمیا صدہا کیے حق نے عطا / صبر سی کوئی نہیں ہے کیمیا

نابینا اور اس کے دیکھ کر قرآن پڑھنے کے قصہ کا بقیہ

کر رہا تھا صبر مہماں ناگہاں / ہوگیا ظاہر یکایک درمیاں
نیم شب میں آئی قرآں کی صدا / نیند سے چونکا عجب عالم رہا
پڑھ رہا تھا اندھا قرآں دیکھ کر / صبر بھولا، پوچھنے اس سے لگا
اندھا تو اور کس طرح بے چشم و نور / پڑھتا ہے کیوں دیکھتا کیوں ہے سطور
جو بھی پڑھتے ہو اسی پر ہوتے ہو / انگلی ہے اس حرف پر پڑھتے ہو جو
انگلی پھرتے کیا بتاتی ہے تجھے / کہ نظر اس حرف پر ہے ٹھیک سے

بولا اے تو جہلِ تن سے تو جدا | کیوں تعجب تجھ کو بر صنعِ خدا
میں نے حق سے التجا کی اے عزیز | ہے تلاوت مجھ کو جاں جیسی عزیز
میں نہیں حافظ مجھے کر نور عطا | آنکھوں سے پڑھنے رکاوٹ کے بنا
مجھ کو لوٹا دے دو آنکھیں اس زماں | کہ اٹھالوں اور پڑھوں قرآں عیاں
آئی پھر آواز کہ اے مرد کار | ہم سے ہر آفت میں تو امیدوار
ہے گماں نیک اور امید اچھی تجھے | تا بہر لحہ ترقی تو کرے
جب تلاوت کا ارادہ تو کرے | قرأت قرآں جو تجھ کو چاہیے
خود تری آنکھیں میں لوٹاؤں تجھے | تا بآسانی تو قرآن پڑھ سکے
ہوتا ہے ہر وقت ایسا ہی مجھے | جب بھی قرآں کھولا پڑھنے کے لیے
با خبر خود کب رہا غافل زکار | وہ گرامی بادشاہ کردگار
پھر جو دے دیتا ہے بینائی خدا | ظلمتِ شب کو مٹائے شمع سا
معترض ہوں گے بھلا کیوں اولیا | جو لیا اس نے عوض اس کا دیا
وہ جلائے باغ تو انگور دے | بیچ ماتم کے خوشی بھرپور دے
ٹنڈے کو وہ ہاتھ بہرِ کار دے | کانِ غم کو وہ دلِ سرشار دے
ہم نہ مانیں اعتراض اپنا گیا | اپنے نقصاں کا عوض ہاتھ آ گیا
آگ سی گرمی میسر ہے مجھے | راضی ہیں، گر آگ کو تو گل کرے
آنکھ بن جب دیکھنا آساں رہے | کیسی کوری چشم بینا ہے مجھے
شمع بن ہے روشنی حاصل مجھے | کیا گلہ گر شمع کو تو گل کرے

بعض اولیا کا بیان جو خدائی احکام پر راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اصرار نہیں کرتے ہیں کہ اے خدا یہ حکم لوٹا دے

قصہ سن ان رہنماؤں کا ذرا | کہ نہیں حق سے جنھیں کوئی گلہ
اولیاء اہل دعا ہیں دوسرے | جو کبھی سیتے کبھی ہیں پھاڑتے

جانتا ہوں ویسے بھی ہیں اولیا   بستہ لب ہیں جو کہ درباب دعا
کیونکہ پابندِ رضا ہیں یہ کرام   چاہنا دفعِ قضا ان کو حرام
ہے قضا میں ان کو حاصل ذوقِ خاص   کفر ہے ان کو طلب بہرِ خلاص
حسنِ ظن دل پر ہے غالب اس قدر   کالے کپڑے سے وہ کرتے ہیں حذر
جو بھی پیش آئے انھیں اس پر خوشی   آگ بھی ان کے لیے آبِ خضرؑ
زہر ان کے حلق کو گویا شکر   راہ کا پتھر خود ان کو اک گہر
ان کے حق میں نیک و بد سب ایک ہی   ان کے حسنِ ظن سے ہی ہے یہ سبھی
کفر ان کی راہ میں کرنا دعا   اے خدا تو پھیر لے ہم سے قضا

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کا اس ولی درویش سے دریافت کرنا

پوچھے وہ بہلول اک درویش سے   کیسے ہو مجھ کو ذرا بتلایئے
کیسے ہوگا وہ ہمیشہ کے لیے   کارِ دنیا جس کی مرضی پر چلے
جیسا وہ چاہے بہیں سیلاب و جو   تارے بھی ہوں جس طرح چاہے گا وہ
زندگی اور موت ہوں اس کے سیاہ   حکم پر اس کے روانہ ہر جگہ
ہر کہیں بھیجے برائے تعزیت   بھیجے اس کو جس کو چاہے تہنیت
نقشِ پا رہبر برائے سالکاں   جال میں ہوں جس کے عاجز ماندگاں
دانت کوئی ہنس پہ پائے درجہاں   ہو نہ بے حکم و رضا فرماں رواں
حکم بن اس کے نہ ٹوٹے کوئی برگ   بے قضا اس کے نہ دیکھے کوئی مرگ
بے مراد اس کے نہ پھڑکے نبض بھی   از ثریا تا ثریٰ اس کے سبھی
بولے اے شہ ٹھیک سب تیرا بیاں   سب جبیں وفر سے تیرے ہے عیاں
آپ ہو ایسے ہی سو گنا بھی ہو   پر ذرا تشریح صاف اس کی کرو
اس طرح ہو کوئی فاضل یا جہول   از دل و جاں کر سکے اس کو قبول
شرح ہو اس طرح از روئے کلام   ہو سمجھ اس کی بہ حدِ عقلِ عام

ناطقِ کامل بچھائے خوان اگر
ہوگئی ہر کوئی غذا اس خوان پر

تا نہ کوئی میہماں خالی رہے
ہر کوئی اپنی غذا حاصل کرے

سات نو معنی جو ہیں قرآن کے
سات کھائے، کھانے والوں کے لیے

بولے پس اتنا یقیں تو ہوگیا
کہ ہے دنیا تابعِ حکمِ خدا

پتہ تک جھڑنے نہ پائے جھاڑ سے
جب تلک ہوگا نہ حکم اللہ سے

منھ سے لقمہ حلق تک جاتا نہیں
اُدُ خلو جب تک وہ فرماتا نہیں

میل رغبت ہے لگامِ آدمی
اس کی جنبش تابع حکمِ غنی

ان زمینوں آسمانوں میں کہیں
تنکا ہلنے کا پلٹنے کا نہیں

جز بہ فرمان خدا ہوگی نہیں
شرح ان باتوں کی ہونے کی نہیں

برگ و بار اشجار کے گننے کا کام
ہو بھی سکتا ہے کہیں ہم سے تمام

اس قدر بس جان لیں یہ سارے کار
ہو نہ پائیں جز بہ امرِ کردگار

ہو قضائے حق جو بندے کی رضا
جو طلب بندے کی وہ حکمِ خدا

بے تکلف اور نہ کچھ بہرِ ثواب
بلکہ ہوتی ہے طبیعت بہرہ یاب

اس کا جینا بھی نہیں اس کے لیے
حکمِ حق کی کرنی ہے تعمیل اسے

جس جگہ حکمِ ازل چالو رہے
مرنا جینا ایک سا سب کو لگے

جینا بہرِ حق ہے، دولت کو نہیں
موت راہِ حق ہے زحمت کو نہیں

اس کا ایماں ہے رضا کے واسطے
نہ ہی جنت کے نہ ہی جو کے لیے

بہرِ حق ہے اس کا ترکِ کفر بھی
ڈر نہیں کہ وہ بنے گا دوزخی

ابتدا سے اس کی عادت ہے یہی
بے ریاضت ہے، کوئی کوشش نہ کی

خوش تبھی ہوگا وہ جب دیکھے رضا
مثلِ حلوہ و شکر اس کو قضا

بندہ وہ جس کی یہ خو خلقت رہی
نہ کہ اس کے حکم پر دنیا چلی

بس خوشامد ہی کرے گا نے دعا
کہ تو لوٹا لے خدا وندا قضا

موت فرزندوں کی اس کی موت بھی
بہرِ حق جوں منھ میں حلوا بن گئی

جانکنی بیٹوں کی بہرِ با وفا
جیسے ہوں میوے بہ پیشِ بے نوا

پس دعا کیوں کر کرے گا، ہاں اگر
ہو دعا حسبِ رضائے داد گر

خود نہیں کرتا سفارش اور دعا
اپنی خاطر وہ ہدایت یافتہ

پھونک ڈالا رحم اپنا آپ ہی
عشقِ حق کی شمع روشن جوں ہی کی

عشق اس کا آتش اس کے وصف کو
راکھ خود اوصاف اس کے مو بہ مو

فرق ہر سالک یہ جانے کیا ضرور
جوں دقوقی خود تھے اس دولت سے دور

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کرامات کا قصہ

وہ دقوقی خود ہی خوش اطوار تھے
عاشق و صاحب کرامت تھے بڑے

یوں زمیں پر چاند جوں بر آسماں
ان سے راہی رات کے روشن رواں

اک جگہ رکنے کے وہ عادی نہ تھے
پورے دو دن بھی ٹھکانا کب کیے

گر کسی گھر میں دو دن تک رہ گیا
پیار اس کا دل میں گھر کر جائے گا

عزتِ مسکن ہے ہے مجھ کو حذر
نفس، چل بہرِ مشقت کر سفر

گھر میں جمنے دل کو دیتا ہوں کہاں
تا ہو ہمدم میرا وقتِ امتحاں

دن سبھی سیر اور راتیں در نماز
شاہ کو تکتے ہوئے جس طرح باز

دور بدخو سے، خدائی سے نہیں
سب سے تنہائی جدائی سے نہیں

مہرباں برخلق، نافع جیسے آب
خود سفارش، مانگ ان کی مستجاب

نیک و بد کے مہربان و مستقر
ماں سے بہتر، باپ سے مرغوب تر

بولے پیغمبر شریفو! میں یہاں
باپ جیسا ہوں شفیق و مہرباں

تم سبھی اجزا مرے، بولے نبیؐ
کاٹتے ہو جزو کو تم کُل سے ہی

جزو جو کُل سے کٹ گیا بیکار ہے
عضو جو تن سے کٹا مردار ہے

تا نہ ہو پیوند وہ بارِ دگر
مردہ ہے اس کو نہیں جاں کی خبر

خود ہی جنبش جینا کیوں ثابت کرے
کٹ کے بھی عضوِ بدن حرکت کرے

جزو کل سے جب کٹے اک سو چلے یہ نہیں وہ کل جو ناقص ہو سکے
کٹتے جڑنے سے بیاں اس کا محال بات اک ناقص ہے از بہرِ مثال
شیر علیؓ کو کہتے ہیں بہرِ مثال شیر علیؓ سا ہے کہیں، ہونا محال

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ کی طرف رجوع

بس مثال و مثل و فرق اب اے جواں جانبِ قصۂ دقوقی ہو رواں
درجہ فتویٰ میں امامِ خلق کا اور تقویٰ میں فرشتوں سے سوا
چاند رو میں مات ان کے سامنے رشک دینداری پہ ان کی دیں کرے
ایسا تقویٰ اور روداد و قیام طالب اہل اللہ کے پھر بھی مدام
اور سفر میں ان کی خواہش تھی یہی اک زماں مل جائے خاصِ حق کوئی
یوں ہی کہتے آپ طے کرتے تھے راہ کر قرینِ خاصگاں مجھ کو خدا
یارب ان کو جن کو جانے دل مرا میں ہوں جوں بندہ کمر بستہ سدا
ان کو، میں جن کو نہ جانوں مستعاں تو مجھ ان جانے پہ کردے مہرباں
آئی حضرت سے صدا بندے مرے! پیار یہ کیا، پیاس کیسی یہ تجھے
پیار مجھ سے، ہو تو کیا چاہے دگر جب خدا ہے پاس، کیوں چاہے بشر
وہ کہے اے رب تو اے دانائے راز میرے دل میں تجھ سے ہے راہِ نیاز
بیچ دریا کے بھی گو بیٹھا رہوں ایک کوزہ پانی کا پیاسا رہوں
جوں میں داؤدؑ نوّے بھیڑیں سب مری ہے بجالوں اُس عدو کی ایک بھی
حرص تیرے عشق میں ہے فخر و جاہ حرص تیرے غیر سے ننگ و تباہ
حرص و شہوت وجہ پیشی مرد کی اور مخنث کی ہے وجہِ ننگ ہی
حرص اس کی ہے کمالِ مردی سے اور اس کی بے حیاتی سستی سے
آہ اس جا راز تھا کوئی نہاں بس چلے سوئے خضرؑ موسیٰؑ دواں
جیسے مستسقی نہیں پانی سے سیر وہ جو حاصل ہے تجھے اس پر نہ ٹھیر

جب بڑھے اس نئی چیز آئے گی | اس سے بہتر دوسری چیز آئے گی
حد نہیں جس کی یہ ہے وہ بارگاہ | یہ نہیں، ہے صدر تیرا راستہ

قربت اور نبوت کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کو تلاش کرنے کا راز

تو کلیم اللہ سے سیکھ اے کریم | شوق میں کیا دیکھ کہتے ہیں کلیمؑ
ایسا رتبہ اور یہ پیغمبری | خضر خواہ ہوں خود پسندی سے بری
موسیٰؑ تم نے قوم کو کرکے رہا | جستجوئے خضرؑ کا رستہ لیا
شاہ تم، بیم و رجا سے ہو رہا | گھوموگے، ڈھونڈوگے کب تک، تا کجا
رکھتے ہو مطلوب کو اپنے قریں | آسماں ناپے گا کب تک تو زمیں
بولے موسیٰؑ بس ملامت بس کرو | مہر و مہ کی رہزنی سے بچ رہو
مجمع البحرین تک تو جاؤں میں | تا وہاں شاہِ زمن کو پاؤں میں
امر میں کرلوں بھروسہ خضر پر | یاد ہوں میں مدتوں کرتے سفر
مدتوں میں بال و پر سے کام لوں | یوں ہزاروں سال تک اڑتا رہوں
جاؤں میں، جانے میں گو وہ دم نہیں | عشق جاناں عشقِ ناں سے کم نہیں
اس سخن کی حد نہیں ہے اے چچا | پھر دقوقی کی طرف تو واپس آ

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع

وہ دقوقی ان پہ ہو فضلِ خدا | بولے برسوں مشرق و مغرب پھرا
عشقِ مے میں ایک مدت تک سفر | حق میں حیراں، راستے سے بے خبر
ننگے پاؤں مٹی پتھروں پر چلا | بولا حیراں، بیخود و مدہوش تھا
ڈھونڈتے ہو خاک پر کیوں نقشِ پا | دل سے طے کرتے ہیں عاشق راستہ
راہ و منزل کو تہ ہے یا ہے دراز | دل نہ جانے وہ ہے مستِ دلنواز

یہ دراز و کوتہ خوبی جسم کی
روح کی رفتار ہے کچھ اور ہی
نطفہ سے تا عقل وہ تیرا سفر
اک قدم منزل، نہ ہی جائے دگر
بے طرح ہے سیرِ جاں اندر جہاں
جسم نے بھی سیکھی سیر از سیر جاں
سیر جاں دیکھے نہ ہر کس جان من
ہے علانیہ مگر یہ سیر تن
سیر جسمانی اگرچہ چھوڑ دی
کیف جوں بے کیف جاری ہے ابھی
بولے اک دن میں چلا مشتاق وار
آدمی میں دیکھوں تا انوارِ یار
تا کہ قطرے میں سمندر دیکھ لوں
سورج اک ذرّے کے اندر دیکھ لوں

ساحل کی جانب سات شمع جیسی نظر آنا

جانب اک ساحل کے میں پہنچا بگام
ہوگیا بے وقت دن اور آئی شام
بعد ازاں کیا دیکھا بتلاؤں تجھے
تا تو پائے سرِ بڑھاتے ہیں اسے
سات شمعیں دیکھیں میں نے ناگہاں
دوڑا اس ساحل پے اور پہنچا وہاں
نور و شعلہ شمعوں سے ہر ایک کا
تھا فضائے آسماں سے بھی بڑا
میں تھا حیراں اور حیرانی بڑھی
عقل سے حیرانی اونچی ہوچلی
شمعیں یہ کس طرح سے روشن ہوئیں
لوگوں کی دو آنکھیں بند از خود ہوگئیں
شمع کی حاجت اندھیرے میں ہوئی
مہ سے روشن تر وہاں گو شمع تھی
چشم بندی اے عجب وہ آنکھ کی
چشم بندی ہادیِ مطلق سے تھی

ان سات شمعوں کا ایک شمع سا ہو جانا

دیکھا پھر ساتوں کو میں نے ہوتے یک
پھاڑتے اس نور سے جیبِ فلک
بارِ دیگر ایک سے وہ سات تھے
بڑھ گئی مستی و حیرت آپ سے
جوڑ شمعوں میں عجب دیکھا گیا
کہ بیاں ہو اس کا ناممکن ہوا
اک نظر جو دیکھ لیتی ہے اسے
کیوں دکھائے گو بیاں برسوں کرے

وہ جو علم و ہوش اک دم دیکھ لے سن نہیں سکتے وہ برسوں کان سے
بات بے پایاں ہے جانے دیجیے گر نہ سمٹے گی ثنا تو چھوڑیے
دیکھنے دوڑا کہ یہ شمعیں بھلا کس طرح کی ہیں نشانِ کبریا
ہوگیا بے ہوش بیخود اور خراب گر پڑا آخر ز تعجیل و شتاب
اک گھڑی ہوش و خرد سب کھودیا خاک آلودہ زمیں پر تھا پڑا
پھر جب آئے ہوش تو میں خود اٹھا لیک چلتے میں نہ جس سر پاؤں کا

اس شیخ کی نظر میں ان شمعوں کا سات مرد ظاہر ہونا

سات شمعیں تھیں نظر میں سات مرد نور ان کا تا بہ چرخِ لاجورد
نور دن کا اس کے آگے ماند تھا اور انوارِ دگر لا کردیا
صنعتِ حق دیکھ کر حیران تھا اے عجب یہ کیا تھا یوں کیسے ہوا
دیکھنے اچھی طرح آگے بڑھا ماجرا کیا ہے، تو سر چکرا گیا

ان شمعوں کا پھر سات درخت بن جانا

پھر تھا ہر اک مرد در شکلِ درخت ان کی سبزی سے تھیں آنکھیں نیک بخت
شمعوں کی کثرت سے شاخیں تھیں چھپی اور میووں سے ڈھکے تھے پتے بھی
تا بہ سدرہ ڈال ہر اک جھاڑ کی سدرہ کیا، آگے خلا سے بھی چلی
اور جڑیں جائیں گی تا قعرِ زمیں گائے اور مچھلی کی تہ تک بھی یقیں
ڈالیوں سے اس کی جڑ ہی تازہ تر عقل غلطاں ان کی شکلیں دیکھ کر
پھل کے پھٹنے میں بھی تھا اس درجہ زور جیسے فوارہ اچھلتا پھل سے نور

ان درختوں کا لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہونا

آنے جانے والے لاکھوں لوگ ادھر اس بیاباں اور جنگل کو مگر
چھاؤں کی خاطر جھپٹتے ہم دگر سائباں کمبل سے کرتے ہار کر

سایہ کچھ ان کو نہ آتا تھا نظر
تف ہے سو بار ان کی اندھی آنکھ پر

ٹھپہّ قہرِ حق کا آنکھوں پر جو تھا
چاند غائب پر نظر آیا سہا

ذرّہ دیکھیں اور سورج کو نہیں
نا امید اس کے کرم سے گو نہیں

پختہ پھل گرتے ہیں لیکن قافلہ
بے نوا وہ اے عجب سحرِ خدا

لوگ بگڑے سیب بھی چننے لگے
لوٹ پر آپس میں پیاسے لڑ پڑے

ہر کلی ہر پتہ کا کہنا یہی
کاش! میری قوم خود یہ جانتی

آرہی ہے ہر شجر سے یہ صدا
تیرہ بختو! آؤ اپنے ہاں ذرا

جھاڑ کو غیرت سے آئی یہ صدا
آنکھیں ہیں مسدود، انھیں کردو رہا

گر کہے کوئی کہ اس جانب چلو
ان درختوں سے تو کچھ تائید لو

سب کہے بے چارہ یہ مستانہ ہے
حکمِ حق سے یہ تو اک دیوانہ ہے

مغز اس مسکیں کا سودا سے بھرا
اور ریاضت نے اسے فاسد کیا

اے عجب یوں غرقِ حیرت اس کا حال
لوگوں پر کیوں ہے یہ گمراہی کا جال

خلق کیسی کیسی رائیں اور عقل
اک قدم بھی کر نہیں سکتے وہ نقل

عاقل و زیرک سبھی بالاتفاق
منکر ایسے باغ کے ٹھیرے و عاق

یا کہ میں خود پاگل اور دیوانہ ہوں
یا کسی شیطاں کے زیر سایہ ہوں

لمحہ لمحہ آنکھیں میں ملتا رہا
یا خیال و خواب یہ عالم ہے کیا!

خواب کیا! جھاڑوں میں چلتا پھرتا ہوں
میوے ان کے کھاتا ہوں گرویدہ ہوں

پاتا ہوں میں منکروں کو سامنے
کر رہے ہیں وہ کنارا باغ سے

دیکھتا ہوں باوجود افلاس کے
ان کا مرنا نیم غورہ کے لیے

ایک پتّی کی طلب دل میں لیے
آہیں ان محروموں کو بھرتے ہوئے

ان درختوں، ان پھلوں سے بھاگنا
لاکھ لاکھ اللہ کی مخلوق کا

کہہ رہا ہوں غلبہ ہے بے ہوشی کا
ہاتھ ہے شاخِ خیالی میں مرا

اس کا ماحول نبیوں کے لیے
یہ گماں ان کو کہ جھٹلائے گئے

کذب کو تخفیف سے کیجیے ادا　　کام بالتشدید ہے مجوب کا
جاں گماں میں انبیا کی مبتلا　　ایک ہوئے انکار میں جب عشقیا
ہم نے دی نصرت انھیں بعد از گماں　　چھوڑ انھیں آجا تو سوئے نخلِ جاں
خود بھی کھا سب کو کھلا یہ روزی ہے　　ہردم اور ہر لمحہ سحر آموزی ہے
لوگ حیراں یہ صدا کس نے دی　　ہے درخت اور پھل سے یہ صحرا تہی
پاگل ان سودائیوں سے ہم سبھی　　کہ ہے باغ ان کے یہاں اور خوان بھی
آنکھ ملتے ہیں نہیں باغ اس جگہ　　ہے بیاباں اور اک دشوار رہ
اے عجب اتنا دراز اک واقعہ　　کیسے ہوگا ہزل، بیہودہ خفا
میں بھی ان کے ساتھ کہتا ہوں عجب　　مہر ایسی کیوں لگائی صنعِ رب
ایسے جھگڑوں سے محمدؐ در عجب　　اور خود حیران ان سے بو لہب
دو عجب کے درمیاں فرق ہے بڑا　　دیکھنا کیا کرنے والا ہے خدا
اے دقوقی تیز تر چل، ہاں خموش　　کتنا کہتا جائے گا، ہے قحطِ گوش

ان کی نگاہ میں ان سات درختوں کا ایک درخت ہو جانا

بولے میں اک نیک بخت آگے بڑھا　　مل گئے ساتوں شجر بس اک رہا
وہ کبھی سات اور ایک ہوتے کبھی　　اور حیرت سے تھا عالم میرا بھی
دیکھا پھر جھاڑوں کو وہ وقفِ نماز　　ہوگئے صف بستہ سب محوِ نیاز
جھاڑ آگے ایک مانندِ امام　　اس کے پیچھے دوسرے اندر قیام
وہ قیام اور وہ رکوع سجدے مجھے　　اک تعجب خیز عالم سامنے
قول حق یاد آگیا بے اختیار　　انجم و اشجار ہیں سجدہ گزار
ان درختوں کو نہ زانوے کمر　　اور ترتیبِ نماز آئی نظر
آگیا الہام اے روشن نظر!　　اب بھی حیراں ہے تو میرے کام پر؟

ان سات درختوں کا سات مرد بن جانا

بن گئے کچھ دیر میں سات آدمی
پیشِ حق قعدے میں بیٹھے تھے سبھی

آنکھ مل کر دیکھا وہ ساتوں جواں
کون ہیں، کیا ہے مقام ان کا یہاں

راہ چلتے جب قریب ان کے ہوا
با ادب میں نے سلام ان کو کیا

بولے لوٹاتے ہوئے مجھ کو سلام
''اے دقوقی مفخر و تاج کرام''

پوچھا تم نے کیسے پہچانا مجھے
اس سے پہلے تو نہ دیکھے تھے مجھے

میرے دل کی بات فوراً پا گئے
نیچی نظروں سے وہ باہم دیکھتے

بولے وہ مجھ کو جواباً اے عزیز
کیوں رہی پوشیدہ تجھ سے بھی یہ چیز

دل سے جو ہے غرقِ حیرت با خدا
دایاں بایاں راز ہو کیوں کر چھپا

بولا میں، گر حق بیانی خوش لگے
اسمِ رسمی جانے کیوں بتلایئے

بات میری باتوں میں جب آ گئی
مل گیا مجھ کو جواب ان سے تبھی

بھول جائے نام اگر کوئی ولی
وجہِ استغراق ہے نے جاہلی

بعد ازیں بولے ہماری آرزو
مقتدی تیرے نہیں اے خوبرو

بولا ہاں، پر تھوڑی مہلت چاہیے
روک ہے دورِ زماں سے کچھ مجھے

صحبتِ پاکاں سے تاحل ہو سکے
یعنی انگور اپنی مٹی سے اُگے

دانۂ پُرمغز کو مٹی نے بھی
اپنی خلوت سے نوازا ہے ابھی

خود کو کر ڈالا ہے مٹی میں فنا
تا کہ رنگ و بو سے ہو بالک رہا

قبض جو تھا محو سے زائل ہوا
بس کشاد و بسط سے مرکب چلا

اصل کے آگے فنا جب ہوگیا
ظاہر اس کا مٹ گیا معنی رہا

سر سے جب ہاں کا اشارہ کردیا
ان کی ہاں پر دل سے اک شعلہ اٹھا

بس گھڑی بھر ان بھلوں کے ساتھ تھا
پھر مراقب ہو کے تھا از خود جدا

ہوگئی بس وقت سے آزاد جاں
بوڑھا بن جاتا ہے ساعت میں جواں

ہیں زمانے سے یہ سب تبدیلیاں
وقت سے چھوٹو تو تبدیلی کہاں
وقت سے آزاد ہو اے دل ذرا
تا رہائی پائے از چون و چرا
اک گھڑی آزاد ہو گر وقت سے
تیرا چوں مٹ جائے تو بیچوں بنے
ساعتی بے ساعتی سے بے خبر
جز تحیر کچھ نہ پاؤگے اُدھر
ہر کسی کو اک طویلہ خاص اسے
اس جہانِ جستجو کے سب بندھے
تھان پر ہر ایک کے چابک سوار
تا کہ ہوں دستور کے سب پاسدار
حرص میں یہ تھان سے باہر نہ جائے
وہ دگر باہر سے تھان اندر نہ آئے
پس طویلے کے نگہباں وقت پر
لیتے ہیں پیچھے پچھاڑی کھینچ کر
گر محافظ کو نہ دیکھے ٹھیک سے
رخنہ خود تیری نظامت میں پڑے
خود تری خواہش، ترے ہیں دست و پا
کھول دے ہاتھ اپنے کیوں روکے بھلا
قصدِ انکارِ محافظ کرلیا
نامِ تہدیداتِ نفس اس کو دیا

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کا اس قوم کی امامت کے لیے آگے بڑھنا

اس سخن کی حد نہیں دوڑو چلو
وقتِ طاعت ہے دقوقی تم بڑھو
اے یگانہ رکعتیں دو کر ادا
تا زمانے کو ہو زیبائش عطا
اے امامِ چشمِ روشن در دعا
چشمِ روشن ہے لزومِ پیشوا
شرع میں مکروہ ہے اے با صفا
اندھے کو طاعت میں کرنا پیشوا
گرچہ وہ حافظ ہو ہشیار و فقیہ
چشم روشن چاہیے گو ہے سفیہ
کور کیوں کر دیکھ پائے گندگی
اصلِ پرہیز و حذر ہے آنکھ ہی
وہ گزرتے میں نہ دیکھے گندگی
آنکھ مومن کی نہ ہو اندھی کبھی
کور باطن خود ہے اک کانِ بدی
نور سے سب قول و فعل اس کے تھی
کورِ ظاہر ہے نجاست سے عیاں
کور باطن میں نجاساتِ نہاں
دور پانی سے نجاست ظاہری
بڑھتی جاتی ہے نجاست باطنی

غیر آہ و زاری دھلتی ہے کہاں
گندگی باطن کی ہاں! جب ہو عیاں

جب نجس فرمایا کافر کو خدا
اس نجاست کو نہیں ظاہر کیا

ظاہرِ کافر ملوث تو نہیں
ہے پلیدی ان کی در اخلاق و دیں

یہ نجاست اس کی بو تا بیس گام
وہ نجاست اس کی بو سے تا مشام

بلکہ پہنچے اس کی بو ہر آسماں
ہر دماغِ حور و رضواں تک وہاں

میں تو تیری فہم کے لائق کہا
خود سمجھنے کی تمنا میں مرا

فہم آب اور تیری ہستی ہے سبو
جب سبو ٹوٹے تو پانی چار سو

اس سبو میں پانچ رخنے ہیں بڑے
پانی ہی ٹھہرے نہ برف اس میں بنے

حکم نظروں کو رکھو نیچی سنا
پر برابر اس کو سننے سے رہا

فہم کو برباد کرتی ہے زبان
ریت کے مانند پی جاتے ہیں کان

ایسے ہی کچھ اور رخنے ہیں ترے
فہم باطن کو بہانے کے لیے

پانی دریا سے اگر باہر بہائے
تو بجائے بحر ریگستاں بنائے

موقع گر ہوتا تو کرتا میں عیاں
بدلوں، عوضوں کا بھی لے آتا بیاں

وہ عوض اور وہ بدل اس بحر کے
خالی ہونے پر کہاں سے آئیں گے

اس سے تو پیتے ہیں لاکھوں جانور
سطح سے لیتے ہیں بادل چوس کر

لے گا دریا پھر عوض خود یہ بجا
از کجا جائیں ہدایت یافتہ

چھیڑے ہم نے جلدی میں قصے کئی
رہ گئی مقصد سے خالی مثنوی

اے ضیاء الحق حسام الدیں سخی!
دی نہیں حق نے کسی کو یہ شہی

ہے اگرچہ مدح یہ تم سے خجل
حق کے ہاں مقبول ہے جہد المُقل

حق کرے اک پارۂ ناں بھی قبول
اندھی آنکھوں سے دو آنسو ہی قبول

مرغ و ماہی جانیں اس ابہام کو
کہ سراہا میں نے بھی اس نام کو

حاسداں کے ان پہ کیوں آہیں بھریں
دانت پر ان تا نہ وہ پیسا کریں

حاسد ان کی فکر کو کب پائے گا
بل میں چوہے کی کہیں طوطا رہا؟

مکر و حیلہ ہے، نہیں ان کا خیال — موئے ابرو کو وہ جوں سمجھا ہلال
پانچ حس سات آسماں بیروں ثنا — لکھ دقوقی اور بھی آگے چلا

اس غیبی قوم کی امامت کے لیے دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کا آگے بڑھنا

ہے سلامِ صالحین کے ساتھ ہی — مدح جملہ انبیا کی ہے گندھی
مدح مل جُل کر سبھوں کی ہوگئی — پیالوں کی اک طشت کے اندر پڑی
کیوں کہ ممدوح ایک سے بڑھ کر نہیں — سب کا مذہب ہے وہی دیگر نہیں
نورِ حق کی مدحیں ہیں مدحیں سبھی — صورتوں اشخاص کی ہیں عارضی
مدح غیرِ مستحق ہوتی ہے کب؟ — پر گماں پر ہو تو ہیں گمراہ سب
نور جب دیوار کے اوپر پڑا — ہوگئی دیوار اس کو واسطہ
نور جوں ہی اصل کی جانب چلا — چاند کھوکر مدح سے گمرہ رُکا
یا کنویں میں عکسِ مہ دیکھے کوئی — جھانکے اس میں دیکھے اور تعریف کی
در حقیقت ہے ثناگر چاند کا — جہل سے کرتا ہے پرتو کی ثنا
مدح مہ کی ہے نہیں ہے عکس کی — گر غلط ٹھہرے عمل تو کافری
ہوگیا گمرہ شقاوت سے دلیر — چاند اوپر تھا وہ سمجھا ہے بزیر
ان بتوں سے لوگ حیران و خراب — شہوتی بن کر پشیماں در عذاب
چوں کہ شہوت اک خیالی بت سے تھی — رہ گیا معبود سے وہ دور ہی
فکر سے وابستگی جوں پر تجھے — تا حقیقت ان پروں سے اڑ چلے
کی جو شہوت تو ترا پر جھڑ گیا — لنگ تو تیرا تصور مٹ گیا
پر بچا، شہوت ہے سامانِ زیاں — تا ترا پر لے چلے سوئے جناں
خلق کو ہے اس پہ عشرت کا گماں — وہ اکھیڑے جارہے ہیں پر یہاں
شرح اس نکتہ کی کرنی ہے مجھے — تنگ ہوں چپ ہوں سنبھلنے دیجیے
لوٹتا ہوں، ہوگیا قصہ دراز — وقت تنگ اور لوگ ہیں وقفِ نماز

اس قوم کا دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے اقتدا کرنا

پیش امامی کو دقوقی بڑھ گئے
قوم اطلس اس پہ وہ جوں نقش تھے

باندھ کر صف کی انھوں نے اقتدا
پیچھے وہ اور ایک آگے مقتدا

جوں ہی وہ تکبیر باہم مل گئے
جیسے قربانی جہاں سے چل دیے

معنیِ تکبیر یہ ہیں اے امام
اے خدا قرباں ہوئے ہم تیرے نام

ذبح میں اللہ اکبر کہتے ہو
وقتِ ذبحِ نفس بھی یونہی کہو

بول کر اللہ اکبر شوم کا
کاٹو سر تا جاں فنا سے ہو رہا

جسم اسماعیل جاں جیسے خلیل
جاں نے کی تکبیر پر جسمِ جمیل

جسم مردہ باعثِ شہواتِ وار
اور بسم اللہ سے بسمل در نماز

روزِ محشر صف بہ صف پیش خدا
ہوں گے مصروفِ حساب و التجا

حشر میں جوں پیشِ حق روتے ہوئے
راست کھڑنے والے ہوں جیسے کھڑے

پوچھے حق میرے لیے لایا ہے کیا؟
میں نے جو مہلت دی تجھ کو کیا کیا

عمر اپنی تونے کیسے کاٹ دی
قوت وقوت ضائع تونے کس میں کی

آنکھ کا گوہر بتا کس جا گھِسا
پنج حِس کا کیوں صفایا کردیا

چشم و گوش و ہوش گوہر عرش کے
بیچ کر ان کو لیا کیا فرش سے

دست و پا جیسے کلہاڑے پھاوڑے
خود دیے میں نے بتا وہ کیا ہوئے

ایسے ہی پیغام ہائے درد ناک
آتے ہیں لاکھوں زفیض ربِّ پاک

تھا بدورانِ قیام ان پر رجوع
شرم سے دونا چلا اندر رکوع

پس کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی
اک زماں اندر رکوع ہوگا یونہی

شرم سے کھڑنے کی طاقت نہ رہی
اور رکوع میں شرم سے تسبیح کی

آیا فرماں بس تو سر اپنا اٹھا
از رکوع، آیا جواب اللہ کا

سر اٹھائے وہ رکوع سے شرمسار
گر پڑا پھر منھ کے بل وہ خامکار

آئے پھر فرماں اس کو سر اٹھا
سجدے میں اپنے عمل بتلا ذرا

سر اٹھاتا ہے دوبارہ شرمسار
منھ کے بل گرتا ہے پھر مانندِ مار

پھر کہے گا سر اٹھا اور بول تو
جانچنے والا ہوں تجھ کو مو بمو

اب تو کھڑنے کی نہیں تھی اس میں تاب
جان پر بھاری تھا پُر ہیبت خطاب

قعدہ بیٹھے تھک کے بھاری بوجھ سے
بولے حق پر بات کی تفصیل دے

میں نے نعمت دی کہاں ہے شکر یہ
مایہ بخشا ہے کہاں وہ فائدہ

نہ ہی سرمایہ ہے پاس اس کے نہ سود
بولے شافع، پیش کردے عذر زود

اللہ تعالیٰ کے محاسبہ کی ہیبت کی وجہ سے دائیں جانب سلام کا اشارہ اور انبیا سے مدد اور شفاعت چاہنے کا بیان

پھیرے سجدے ہاتھ کی جانب سلام
سوئے جاں و انبیاء ذوالکرام

دے سلامی انبیا کے واسطے
استعانت کی طلب ان سے کرے

یعنی اے شاہاں شفاعت کیجیے
ہیں گلیم اور پاؤں مٹی میں پھنسے

انبیا بولیں گے اب چارہ نہیں
چارہ ویسا تو بہت سا تھا وہیں

مرغ ہے بے وقت کا جاتو ابھی
چھوڑ ہم کو پیچھا ہے بے سود ہی

بائیں جانب منھ جو پھیریں بے نوا
پھر انھیں دھتکار دیں گے اقربا

دے جواب اپنا خدا کو بے خلاف
کون ہم اس سلسلہ میں کر معاف

چارہ اس جانب نہ اُس جانب کوئی
ٹکڑے ٹکڑے دل، تو دکھی جان بھی

سب سے مایوسی جو دیکھے وہ بھلا
ہاتھ اٹھائے سوئے حق بہرِ دعا

ہوگیا مایوس سب سے اے خدا
اول و آخر توہی تو منتہیٰ

رہ گئی بس ایک امیدِ مدد
کہ نہیں اب خوفِ حبلٍ مِن مسد

خوب اشارے ہیں نمازوں میں تری
تا کہ جانے ہونے والا ہے یہی

بندگی معناً ہے یہ اے مقتدی
تو ہی حق، ہادی توہی، ہم مہتدی

ہم ہیں تابعدار تو فرماں روا — شاد ہم دے جرم پر جو بھی سزا
کر عبادت سے نتیجہ آشکار — اک نکمے مرغ سا ٹھونگیں نہ مار

نماز کی حالت میں دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کا کشتی والوں کی ڈوبتے میں فریاد سننا

پیشوائی میں دقوقی با نیاز — ہوگئے ساحل پر مشغولِ نماز
وہ جماعت ان کے پیچھے در قیام — لوگ اچھے، وہ پسندیدہ امام
جا پڑی ان چاہے دریا پر نظر — دی سنائی داد کی آواز ادھر
ایک کشتی دیکھی موجوں میں گھری — تھی بلا کی زد، تباہی میں پڑی
رات، بادل اور طوفانِ ہولناک — سرخ اندھیرے اور وہ خوفِ ہلاک
جیسے عزرائیل اٹھی تند ہوا — اس کی موجیں دائیں بائیں ہر جگہ
اہلِ کشتی خوف سے سکڑے ہوئے — نعرے اور افسوس کے وہ غلغلے
نوحہ اور ہاتھوں سے سر کو پیٹتے — کافر اور مشرک بھی مخلص بن گئے
پیش حق وہ گڑگڑانا اس زماں — وعدے، نذریں ان کی سب از روئے جاں
سر برہنہ وہ بھی سجدے میں گرے — قبلہ جو پہلے کبھی دیکھے نہ تھے
وہ کہتے تھے عبث ہے بندگی — اس میں آتی تھی نظر سو زندگی
قطع کر بیٹھے تھے امیدیں تمام — دوستاں، خالو چچا اور باپ مام
ہوگئے بدکار و زاہد متقی — عالم ایسا جیسے وقتِ جاں کنی
سیدھے بائیں بھی چارہ نہ تھا — مردہ تدبیریں سب اور وقتِ دعا
التجائیں لب پہ سب زار و آہ — ان سے سارا آسماں دودِ سیاہ
دیو عداوت میں کہے ان کو پکار — سگ پرستو! زہرا نقصاں ہوشیار
مرگ و درد، اے اہل ان کا رو نفاق — آخر اک دن ان سے ہوگا اتفاق
ہوں گی آنکھیں تر کبھی بعدِ نجات؟ — کیا نہ ہوگے دیو خود شہوت کے ہاتھ
بھول جاؤ گے کہ خطرہ جب کہ تھا — ہاتھ تھاما تھا خدا نے از قضا

آرہی تھی یہ صدا شیطاں سے لیک
سن نہ پایا کوئی خیر از گوشِ نیک

ٹھیک فرمائے وہ ہم کو مصطفیؐ
قطب و شاہنشاہ و دریائے صفا

دیکھے گا جاہل جو کچھ انجام کار
دیکھے عاقل اس کو اول آشکار

کام اول ہوتے ہیں غیب و نہاں
دیکھے اول عاقل، آخر جاہلاں

ہوتا ہے انجام اول تو نہاں
جاہل عاقل سب پہ آخر میں عیاں

گر نہ دیکھے غیب کا تو واقعہ
حزم دریا بُرد تیرا ہوگیا

محتاط انسان کے خیالات

حزم کیا ہے بدگمانی در جہاں
دم بدم خوفِ بلائے ناگہاں

جس طرح اک شیر آیا ناگہاں
لے چلا جنگل کو کھینچے اک جواں

سوچتا ہوگا شکارِ شیر کیا
سوچ یوں ہی تو بھی اے صاحب ذرا

کھینچتا ہے دشت میں شیرِ قضا
کاموں پیشوں میں ہماری جاں سدا

فقر سے اس درجہ خائف ہے یہ خلق
زیرِ آب شور پہنچی تا بہ حلق

ہوتا ڈر فقر آفریں سے اتنا گر
آتے زیرِ خاک گنجینے نظر

ڈر سے غم کے عین غم میں مبتلا
دھن میں ہستی کی چلے راہِ فنا

اس کشتی کی نجات کے لیے دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا اور شفاعت

حشر جب دیکھے دقوقی سامنے
جوش کھایا رحم آنسو بہہ چلے

یا خدا اعمال پر ان کے نہ جا
دستگیری ان کی فرما اے شہا

پھر سلامت تا بساحال ان کو لا
بحر و بر پر حکم جاری ہے ترا

اے کریم و اے رحیمِ سرمدی
دور کر ان بدسگالوں سے بدی

مستحق ہونے سے پہلے دی عطا
دیکھ کر بھی ہم سے کفران و خطا

جرم سنگیں ہیں ہمارے اے خدا
عام بخشش یہ تری، تجھ کو سزا

اپنی حرص و آز کے ہم ہیں جلائے ہم دعا کا حوصلہ بھی تجھ سے پائے
بس طفیل اس کے دعا تو نے سکھائی شمع تو نے گھپ اندھیرے میں جلائی
دستگیر و رہنما توفیق دے جرم بخش، اور عفو کر، واکر گرہ
اس طرح لفظوں میں تھی جاری دعا اس زماں جوں مادرانِ با وفا
آنکھوں سے آنسو بہے، نکلی دعا بیخودی میں پہنچے تابابِ عطا
ہے دعائے بیخوداں کچھ اور ہی لطفِ رب تھی، وہ دعا کا ہے کوتھی
تھی دعا حق کی کہ وہ خود تھا فنا پس اجابت اور دعا کو تھا خدا
واسطہ مخلوق کا اس میں کہاں وہ تھا جیسے کاروبار جسم و جاں
حق کے بندے درپئے اصلاحِ کار ہوتے ہیں از خود رحیم و برد بار
ان کی یاری بے غرض، وہ مہرباں دوستدار و درد مند و مستعاں
وجہِ رحمت حامیاں و شافعاں سختیوں میں اور در روزِ گراں
ڈھونڈ ایسی قوم کو اے مبتلا ان کا ہونا خوب ہے قبل از بلا
اس پہلواں سے ہوئی کشتی رہا اہل کشتی کو گماں بس جہد کا
شاید ان کے بازو نے وقت حذر تیر جو مارا ہوا ہے کارگر
روباہ پاؤں سے بچے ہوتے شکار اور گماں کہ اس کی دم کا ہے یہ کار
اپنی دُم سے پیار ہوتا ہے اُسے کہ رکھی محفوظ اُسے ہر گھات سے
چومنا دُم ان کا جو وجہِ گمرہی ناچنا وہ کودنا، کرنا خوشی
پاؤں پتھر سے بچا اے لومڑی جب نہ ہوں پاؤں تو دُم کس کام کی
ہم بھی روباہ پائے پاؤں کا مقام ان سے ٹل جاتے ہیں صد گوں انتقام
اپنی تدبیریں ہیں دُم سی ہی اپنی دُم سے ہے ہمیں الفت بڑی
دُم ہلانا اپنے استدلال و مکر تا کہ ہوں حیران ان سے زید و بکر
خلق کو حیران رکھنے کا خیال دھن دکھانے کی خداوندی کمال
مکر سے دل موہ لینے کے لیے یہ جانے خو گڑھے میں ہیں پڑے

خود گڑھے یا چاہ میں ہے تو پھنسا — مونچھ سے اوروں کی ہاتھ اپنا ہٹا
پہلے خود اک خوشنما گلشن میں جا — بعد دامن کھینچ کر اوروں کو لا
خود ہے قیدی چار، پانچ اور چھ میں تو — جائے اچھی ہو تو لے کھینچ اوروں کو
اے غلامِ خر، حریفِ کونِ خر — پائی اچھی بوسہ گہ، لے چل ادھر
خود غلامی دوست کی حاصل نہیں — ہاتھ تیرے آئے گی شاہی کہیں؟
اس ہوس میں کہ سنے تو واہ وا — پھندا گردِ گردنِ جاں کرلیا
لومڑی! تو مکر کی دُم ترک کر — کر نچھاور دل کو اہل اللہ پر
شیر کے ہاں کب ہے نعمت کی کمی — جا نہ تو مردار کے پیچھے کبھی
دل! تبھی ہوگا تو منظورِ خدا — جز و جوں کُل کی طرف تو جائے گا
حق کہے میری نگاہوں میں ہیں دل — شکل کیا دیکھوں کہ وہ ہے آب وگل
تو بھی بولے ہے مرے ہاں دل یقیں — عرش پر ہوتا ہے دل نیچے نہیں
دل کہ جو افلاک سے برتر رہا — وہ دلِ ابدال و پیغمبر رہا
پاک بھی اور صاف مٹی سے ہوا — اور کامل وہ فزونی سے ہوا
ترکِ گل کرکے سوئے دریا چلا — چھوٹ کر ِگل سے سمندر ہوگیا
ہاں ہمارا پانی ہے مٹی میں بند — بحرِ رحمت جذب سے لے جا بلند
بحر بولے میں تجھے خود کھینچ لوں — لاف تیری یہ کہ آب صاف ہوں
لاف سے محروم ہی رہ جائے گا — ترک کر یہ کبر میرے اندر آ
آبِ گل چاہے کہ دریا کو چلے — روکے ِگل خود پاؤں اس کے تھام کے
گر چھڑائے پاؤں اپنے خاک سے — ِگل وہ ہوکر خشک اپنی جا رہے
جذب کیا کھینچے جو ِگل سے آب کو — نقل کو تیری شراب ناب کو
پس یوں ہی ہر کوئی شہوت در جہاں — خواہ مال اور خواہ جاہ و خانماں
خواہ باغ و مرکب و تیغ و سپر — خواہ فرزند و زن و ملک اور گھر
ان سے ہر اک شئے تجھے مستی کرائے — گر نہ پائے تجھ سے اینٹھن کو جگائے

ہے دلیل اینٹھی تری اس کے لیے
اس کی نایابی سے بھی مستی تجھے

ہاں ضرورت سے زیادہ کچھ نہ لے
تا نہ مستی تجھ پہ غالب ہوسکے

بولے سرکش بن کے صاحب دل ہوں میں
غیر کی حاجت نہیں واصل ہوں میں

سرکشی مٹی میں جوں پانی کرے
پانی میں مجھ کو مدد کیوں چاہیے

اتنا گندہ دل تجھے دل ہوگیا
اہلِ دل سے تو ہے دل برداشتہ

بول وہ دل تیرے دل سا ہے کہیں
وہ محبت میں ہے شیر و انگبیں

لطفِ شہد و شیر پر تو دل کا ہی
جو بھی خوش ہے، دل سے ہے اس کی خوشی

دل ہے جوہر اور عالم ہے مرض
سایۂ دل سے ہے کیا دل کو غرض

دل وہ جو ہے عاشقِ دولت و جاہ
مٹی کا اور آب تیرہ کا بندھا

یا خیالوں کو اندھیروں میں گھرے
پوجتا ہو گفتگو کے واسطے

دل نہیں دل دیگر از دریائے نور
دل نظرِ گاہ خدا، کیوں ہوگا کور؟

لاکھوں خاص و عام میں دل ہے کہاں؟
ہاں کسی اک میں جو ہے وہ ہے نہاں

ڈھونڈ دل کو ریزۂ دل کس لیے
تا کہ اس سے کوہ وہ ریزہ بنے

دل ہے جیسے اک سمندر در وجود
زر لٹائے اس کا احساس، اس کا جود

ہو سلامِ حق تو اس میں اختیار
تا کرے خود اہلِ عالم پر نثار

جس کا بھی دامن درست آمادہ ہے
وہ نچھاور دل کا اس کا حصہ ہے

تیرا من کیا ہے؟ وہ عجز و حضور
ہاں نہ رکھ دامن تو سنگ فجور

پتھروں سے تا نہ دامن پھٹ چلے
تا کہ ہوں معلوم سب کھوٹے کھرے

سنگِ دنیا سے تو دامن بھرلیا
سنگِ سیم و زر بھی شامل کرلیا

وہ خیالی سیم و زر جوں زر نہ تھا
پھٹ گیا دامن ترا غم بڑھ گیا

سنگ کب ہے سنگ بچوں کے لیے
عقل دامن کو نہ جب تک تھام لے

عقل سے پیری ہے اجلے بال کیا؟
بالوں کو اس بحث میں کب ہے جگہ

ان لوگوں کا دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا اور سفارش سے انکار کرنا اور غیب کے پردے میں ان کا غائب ہو جانا اور دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کا حیران ہونا کہ ہوا میں چلے گئے یا زمین میں چھپ گئے

بچ گئی کشتی ہوئے سب شاد کام   جمع نے بھی کی نماز اپنی تمام
کھس پھس ان میں ہی وہاں ہونے لگی   یہ شرارت ہم میں آخر کس نے کی
پیٹھ پیچھے سب دقوقی کے اِدھر   کہہ رہے تھے چپکے سے باہم دگر
ہر کوئی انکار ہی کرتے کہا   باطن و ظاہر نہ کی میں نے دعا
بولا اک شاید ہمارا پیشوا   رحم سے کی بوالفضولانہ دعا
دوسرا سن کر اسے بولا وہیں   ایسی ہی کچھ بات ہے یارو یقیں
وہ فضولی ہے بوجہِ انقباض   اور کیا مختارِ کل پر اعتراض
بولے مڑ کر میں نے جب دیکھا اُدھر   دیکھوں کیا کہتے ہیں والا گہر
ایک بھی میں نہ پایا بر مقام   جا چکے تھے اس جگہ سے خود تمام
بائیں دائیں نہ کوئی زیر و زبر   قوم وہ مجھ کو نہیں آئی نظر
گویا وہ موتی تھے پانی ہوگئے   نقشِ پا نے گرد ویسے کھوگئے
حق کے قبوں میں ہوئے چل کر نہاں   کون روضہ میں گئے آخر کہاں
محوِ حیرت میں کہ آخر کیوں خدا   نظروں سے اپنی چھپا کر لے چلا
اس طرح پنہاں ہماری آنکھ سے   آبجو میں غوطہ کھائے چل دیے
اس کی حسرت میں تو وہ برسوں رہے   اور عمریں عشق میں رویا کیے
تو کہے پیشِ ولی جب ہو خدا   ویسے میں ذکر بشر بھی آئے گا؟
نیند میں خر یہ تری دو غلطیاں   تو انھیں سمجھا بشر جانا نہ جاں
ناقص انساں کام تیرا ہے تبہ   ان کو عام انسان باور کرلیا
وہ کیا تونے کیا شیطاں جو کل   بولا میں ہوں آگ سے آدم زِگل

چشمِ ابلیسانہ فوراً بند کر — کب تلک صورت پہ رکھے گا نظر
اے دقوقیؒ نہر سی آنکھوں سے تو — ہو نہ جا مایوس، کر خود جستجو
اصلِ دولت ڈھونڈا سچی خوشی — پائے مقصد سے ہو گر دل بستگی
ترک کر من جملۂ کارِ جہاں — فاختہ جوں ڈھونڈ اسے وہ ہے کہاں
غور کر مجوب حق نے کیا کہا — میں اجابت کو ہوں تو بہرِ دعا
علتوں سے پاک جس کا دل ہوا — تا خدائے پاک جا پہنچے دعا

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بغیر مشقت کے حلال روزی طلب کرنے والے کی حکایت کی دوبارہ تشریح اور اس کی دعا کا قبول ہونا

یاد آیا قصہ اس درویش کا — آہ و نالہ کر رہا تھا جو سدا
چاہتا تھا حق سے وہ روزی حلال — بے شکار و کسب و رنج و انتقال
آیا ہے ذکر اس کا اس سے پہلے بھی — جب رکاوٹ آئی پنج گونی ہوئی
میں سناؤں قصہ وہ کیوں کر بچے — ابرِ فضلِ حق سے جب حکمت ڈھلے
بیل کے مالک نے دیکھا اور کہا — بیل میرا ظلم میں تیرے پھنسا
بیل کو میرے تو کیوں مارا بتا — ابلہ و طرار سوئے عدل آ
بولا روزی رب سے میں مانگا کیا — قبلہ زاری سے کیا آراستہ
مدتوں تھی بس یہی میری دعا — آخرش اک بیل کو بھیجا خدا
دیکھتے ہی بیل کو فوراً اٹھا — میری اپنی روزی وہ مانگا لیا
ہوگئی کہنہ دعا وہ مستجاب — میرا روزینہ تھا مارا لے جواب

دونوں فریق کا حضرت داؤد (ہمارے نبی، ان پر صلوٰۃ وسلام ہو) کے سامنے جانا

غصہ آیا گریباں دھر لیا — چند مکے منھ پہ اچھے جڑ دیا
لایا کھینچے پیشِ داؤدؑ نبی — آ تو ظالم مردِ بے عقل و غبی

چھوڑ یہ کٹ حجتی اے پُر دغا
عقل پیدا کر بخود با ہوش آ

کہہ رہا ہے کیا، دعا کیسی تیری؟
میری تیری حیثیت پر بس ہنسی

حضرت حق میں دعا کرتا رہا
اور خوشامد میں بہت سا خوں پیا

ہے یقیں پائی قبولیت دعا
مار جا پتھر پہ سر منکر ترا

اے مسلمانوں ذرا آؤ یہاں
لو سنو بکواس لاغر کی یہاں

کب تلک بکواس تیری اے دغا
لا دلیل اچھی بتا کیا ہے دعا

اے مسلمانو کہو بہرِ خدا
کیا مرا مال اس کا کردے گی دعا

ایسا دنیا میں اگر ہوتا کہیں
چھین لے ملک اک دعا از وجہِ کیں

ایسا ہوسکتا تو سب اندھے فقیر
کیا نہ ہوتے ذی حشم اور خود امیر

کام ہوتا ان کا روز و شب دعا
مانگتے دولت منا کر دے خدا

تو نہ دے جب تک نہیں دے گا کوئی
کھولنے والے یہ بندش کھول ابھی

کام اندھوں کا خوشامد اور دعا
کیا ہے حاصل پارۂ ناں کے سوا

خلق بولے یہ ہے مسلم راست گو
وہ دگر تاجر دعا کا ظلم جو

یہ دعا کب واسطہ ہے مِلک کا
شرع میں خود ہے کہیں اس کو جگہ

بیع و بخشش یا وصیت یا عطا
مِلک تیری ہوگی ایسی چیز کیا

شرع یہ ہے کون دفتر میں بتا
جیل کا رستہ تو لے یا گائے لا

حبس میں آکر تو زنداں میں بسر
ورنہ دے دے گائے اسے حجت نہ کر

سر اٹھاکر دیکھتا وہ چرخ کو
بولتا ربِّ کریم و لطف خو

تھی دعاؤں میں مری یہ آرزو
کون ہے آگہ اس سے غیر تو

تجھ سے ہوتی مجھ کو توفیقِ دعا
دل میں امیدیں بڑھاتا ہی رہا

خواہ مخواہ میں نے نہیں کی وہ دعا
مثلِ یوسفؑ خواب میں دیکھا کیا

دیکھے یوسفؑ آفتاب و اختراں
سجدہ کرتے آگے جیسے چاکراں

تھا بھروسہ ان کو سچے خواب پر
تھی اسی پر خواب و زنداں میں نظر

اس بھروسے پر نہ کی پروائے غم
نے غلامی نے ملامتِ بیش و کم

اعتماد ان کو تھا اپنے خواب پر
شمع کے مانند تھا پیشِ نظر

چاہ میں یوسفؑ کو جب ڈالا گیا
کانوں میں اللہ سے پہنچی صدا

ایک دن ہونے کو ہے تو بادشاہ
ان کے منھ پر خود تو مارے گا جفا

پر وہاں قائل نہیں آیا نظر
دل نے پہچانا ہے قائل کو مگر

قوت و راحت سہارا بھی ملا
وہ صدا کیا تھی، نویدِ جانفزا

ان کے حق میں ہوگئی بانگِ جلیل
جیسے باغ و بزم، آتش برخلیلؑ

بعد ازاں ان پر جفا جو بھی ہوئی
زور پر اس کے بنی وجہِ خوشی

جس طرح وہ ذوقِ آوازِ الست
تا قیامت رکھے ہر مومن کو مست

تا نہ ہو ہر امتحاں پر اعتراض
امر و نہیِ حق پہ کوئی انقباض

تلخ لقمہ ان کو شکر ہورہے
کانٹا ریحاں، سنگ گوہر بن سکے

حکم کے لقمہ میں تلخی ہے بجا
شوق دے گا اس کو گلقند کا مزا

وہ نہیں ہے تکیہ جس کا گل شکر
قے کرے گا کھالیا ہو بھی اگر

دیکھتا ہے جو کوئی خواب الست
وہ سدا طاعات میں رہتا ہے مست

جیسے اک مست اونٹ وہ کھینچے جوال
بے فتور و بے گمان و بے ملال

اس کے منھ کے گرد کف تصدیق کا
ساتھ ہی دلسوز مستی کا گوا

اونٹ زورِ تن سے شیرِ نر سا تھا
بوجھ بھاری تھا سو کم کھانے لگا

اس پہ فاقے ناقے کی دُھن میں کئی
بال سا باریک اس کو کوہ بھی

خواب ازل میں ایسا دیکھا ہی نہ تھا
اور نہ دنیا میں مرید آکر ہوا

اور ہوا بھی تو تذبذب، سو دلہ
شکر دم بھر شکوہ سارے سال کا

پیش و پس اس کے قدم در راہِ دیں
چال اس کی پر تردد، بے یقیں

ہوں گرو اور قرضدار اس شرح کا
گر ہے عجلت سن الم نشرح ذرا

شرح معنی کو کوئی حد ہے بھلا؟
گائے کے مالک کی جانب خر بڑھا

بولا اس نے جرم میں اندھا کہا
یہ ہے شیطانی قیاس اس کا خدا
میں نے اندھا بن کے کب کی ہے دعا
بھیک کس سے میں نے چاہی جز خدا
کور مانگیں خلق سے از وجہِ جہل
میں نے تجھ سے، تا مری مشکل ہو سہل
مجھ کو اندھوں میں اک اندھا کہہ دیا
عجز دیکھا اور نہ اخلاص ہی مرا
عشق کی کوری ہے یہ کوری مری
اندھے بہرے عشق کرتا ہے سبھی
غیرِ حق سے اندھا بینا از خدا
بول ہے یہ عشق ہی کا مقتضا
رکھ نہ اندھوں میں مرا یارب شمار
گرد تیرے لطف کے میرا مدار
واقعہ جوں یوسفؑ صدیق کا
خواب کو ان کا سہارا کردیا
مجھ پہ بھی اک خواب سے احساں کیا
وہ دعائے متصل کب کھیل تھا
خلق کیا جانے مرے اسرار کو
کہتے ہیں بکواس مری گفتار کو
حق نہیں ان کا کہ جانیں رازِ غیب
جز کے علامِ سِر و ستارِ عیب
بولے دشمن سچ بتا اے تند خو
کیوں کیا تو آسماں کی سمت رو
ڈالتا ہے مکر سے غلطی میں تو
لافِ عشق و ولافِ قربت کاہے کو
جب کہ مردہ دل تھا کس منھ سے بتا
آسماں کی سمت رخ اپنا کیا
غلغلا اک شہر میں سب مچ گیا
وہ مسلماں منھ زمیں پر رکھ دیا
کہ خدا اس بندے کو رسوا نہ کر
گر ہوں بد بھی راز کو پیدا نہ کر
تو بھی جانے میں یہ شہبائے درار
تجھ کو دیتا تھا صدا با صد نیاز
قدر اس کی خلق گر نا بھی کرے
شمعِ روشن سی ہے تیرے سامنے
گائے مجھ سے مانگتے ہیں اے خدا
تو نے بھیجی تھی، نہ تھی میری خطا

حضرت داؤد علیہ السلام کا باہر نکل کر آنا اور دونوں فریق کی بات سننا مدعی علیہ سے سوال کرنا اور اس کا جواب

باہر آئے جب کہ داؤدِ نبی
اور ان سے پرسشِ احوال کی
مدعی بولا کہ فریاد اے نبیؑ
گائے میری اس کے گھر میں گھس گئی

گائے میری اس نے کاٹی، کیوں کیا؟ پوچھیے اس سے ہوا کیا ماجرا
پس کہے داؤدؑ اسے اے بوالکرم کیوں تلف کی تو نے ملکِ محترم
لا ثبوت اور کر نہ بک بک ہوشیار تا چلے اک رخ پہ دعویٰ اور کار
بولا اے داؤدؑ کاٹے سات سال روز و شب کرتے دعائیں اور سوال
حق سے چاہا ہے یہی کہ اے خدا بے مشقت مجھ کو روزی کر عطا
مردوزن واقف ہیں نالوں سے مرے لب پہ بچوں کے ہیں وہ قصے مرے
جس سے چاہے جان لے تو یہ خبر تا بتائے بے دباؤ اور ضرر
پوچھ علانیہ کہ پنہاں خلق سے جو بھی بتلایا ہے زندہ دلق نے
یوں ہی جاری تھیں دعائیں اور فغاں گاؤ دیکھا گھر کے اندر ناگہاں
آنکھ اندھیری لوٹ کی دھن میں نہ تھی شاد میں کہ مانگ پوری ہوگئی
کاٹا اس کو تا کروں میں شکر ادا کہ ہوئی مقبولِ حق میری دعا

گائے ذبح کرنے والے کے خلاف حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ

بولے داؤدؑ دل سے ان باتوں کو دھو کر بیاں حجت کوئی شرعی جو ہو
ہے روا تجھ کو کہ حجت کے بنا شرع باطل میں دوں سنت کی جا
کوئی دے یا تو خریدے تیرا مان فصل کیوں لے جب نہیں ہے تو کسان
کسب کو جیسے زراعت جان لے چھوڑ باطل، قرض لے کر دے اسے
جو بھی بولے، کاٹے اس پر حق ترا ورنہ تجھ پر ظلم یہ لگ جائے گا
دے دے وہ مالِ مسلماں کچھ نہ کہہ قرض لے دے دے اسے باطل نہ چاہ
بولا اے شاہ تو بھی کہتا وہی جس طرح کہتے ہیں ظالم لوگ بھی

اس شخص کا حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ پر خدا کے سامنے فریاد کرنا

آہ پس دل سے اٹھی اس نے کہا جملہ طاق و جفت کا تو ہی خدا
میرے دل کا اس کے دل میں ڈال دے راز ہی میں کیوں رہے محسن مرے

اتنا کہہ کر رو دیا وہ ہائے ہائے — تا دل داؤدؑ نے چھوڑی وہ جائے
بولے آج اے مدعی مہلت مجھے — دے، نہ رہ اس دعوے پیچھے پڑے
جاؤں تا خلوت میں اندر نماز — پوچھ لوں احوال از دانائے راز
میری عادت بندگی میں التفات — چین حاصل ہے مجھے اندر صلوٰۃ
روزنِ جاں ہے اُدھر میرا کھلا — ملتا ہے راست اس سے پیغامِ خدا
نور وہ فیض و وحی اس سوراخ سے — میرے معدن سے پہنچتا ہے مجھے
گھر جو بے روزن ہو دوزخ جیسا ہے — اصل دیں بس جاں میں روزن کرنا ہے
تیشہ تو ہر کوئی جنگل میں نہ مار — جان میں روزن بنانے تیشہ مار
یا نہ جانا تونے نورِ آفتاب — عکسِ حور ہے، جو ہے بیرونِ حجاب
دیکھے حیواں بھی وہی ہے نور کیا — بولا کرّمنا بشر کو کیا ملا
میں ہوں جوں خورشید اندر نور غرق — نور میں خود میں نہ جانوں کیا ہے فرق
جانا خلوت میں نمازوں کو مرا — خلق کی تعلیم کا ہے راستہ
ٹیڑھا رکھتا ہوں کہ سیدھا ہو جہاں — ''جنگ دھوکہ'' ہے یہی اے پہلواں
یہ نہیں رہ ورنہ سب دیتے بہا — راز کے دریا سے دیتے گرد اڑا
کہتے تھے داؤدؑ اسی انداز سے — ہوش لوگوں کے ادھر جلنے کو تھے
کھینچا دامن کو کسی نے پشت سے — کہ نہیں وحدت میں اس کی شک مجھے

حضرت داؤد علیہ السلام کا تنہائی میں چلے جانا تا کہ جو صحیح بات ہے واضح ہو جائے

آئے آپے میں سخن کو تہہ کیے — بند لب وہ سوئے خلوت گاہ چلے
بند کرکے باب نکلے وہ شتاب — سوئے محراب و دعائے مستجاب
جو دکھانا تھا دکھایا حق تمام — آگہی بھی بر سزا و انتقام
دیکھیں باتیں جن سے کوئی واقف نہ تھا — راز پنہاں جو دیے حیرت بڑھا
دوسرے دن سب فریق آ ہی گئے — پیشِ داؤدؑ پیمبر صف کیے

اس طرح وہ ماجرا پھر چل پڑا
مدعی سب سخت سست کہنے لگا
زود میری گائے کو لے آ ادھر
اپنے خالق سے ذرا تو شرم کر
اس طرح ظلمِ صریح و نا سزا
اک پیمبر کے زمانے میں ہوا
گائے کاٹا کھالیا ہے ترس و بیم
مکر افزودہ جواب اور وہ لئیم
ایک مدت میں تھا مشغولِ دعا
تھی طلب حق سے مری وہ اس کی جفا
تھی روا میرے لیے یوں یا نبیؑ
گائے مجھ کو دین ہے اللہ کی

حضرت داؤد علیہ السلام کا گائے کے مالک کے خلاف فیصلہ کرنا کہ گائے کے خیال سے درگزر کرے اور گائے والے کا حضرت داؤد علیہ السلام کو ملامت کرنا

بولے داؤدؑ اس کو جب تو چھوڑ دے
گائے تیری دے معافی میں اسے
پردہ رکھا جس طرح حق نے ترا
تو بھی حق ستاری کا کرلے ادا
بولا ہائے، حکم کیا، انصاف کیا!
کیوں ہوا میرے لیے آئیں نیا
عدل ایسا، اس کا شہرہ تا کجا
اور معطّر اس سے کُل ارض و سما
اندھے کتوں پر بھی ظلم ایسا نہ تھا
ظلم سے کہسار نے پتھر بچا
یوں وہ اعلانِ ملامت کردیا
آوَ آوَ ظلم کا دور آگیا
اس قدر ظلم و ستم مت کیجیے
یا نبی اللہ نہ کہنا یوں مجھے

حضرت داؤد علیہ السلام کا گائے والے کو حکم دینا کہ اپنا سارا مال اس کو بخش دے

بعد ازاں اس سے کہا داؤدؑ نے
اپنا سارا مال اس کو بخش دے
ورنہ مشکل ہوگی میں نے کہہ دیا
ظلم ظاہر نہ ہو اس سے ترا
خاک اڑایا سر پہ جامہ پھاڑ کر
سخت تر کیوں ظلم ہر دم ظلم پر
طعن توڑے اس نے پھر سے بے ہراس
پھر طلب فرمائے داؤدؑ اپنے پاس
بولے ستاری نہ تھی تیرے نصیب
آتے آتے ظلم بھی آیا قریب

اے گدھے، افسوس صد رو پیش گاہ
تیرے حق میں ہوگئے خاشاک راہ

ہوگئے داؤدؑ اس سے خشم ناک
بولے یوں کرنے نہ جا خود کو ہلاک

تیری بیوی اور ترے بچے تمام
ہوگئے اے تند خو اس کے غلام

سینہ پیٹا ہاتھوں میں پتھر لیے
نیچے اوپر دوڑتا تھا جہل سے

کرتے تھے اس کو ملامت لوگ بھی
تھی نہ سرِ کار سے جب آگہی

کیا تمیزِ ظالم و مظلوم اسے
جو ہوا کی زد میں ہو تنکا بنے

ظالم و مظلوم کی اس کو خبر
اپنے ظالم نفس کا کاٹے جو سر

ورنہ ظالم نفس جو ہے اندروں
دشمنِ مظلوم ہے وجہِ جنوں

کتنے کا حملہ غریبوں پر سدا
زخم اس کا ان کی قسمت کا لکھا

شرم شیروں کو ہے کتوں کو نہیں
صید ہمسایوں کا چھینا ہے کہیں؟

ظالموں کے یار، عدو مظلوموں کے
کتّے جوں داؤدؑ پر دوڑے پڑے

رخ سوئے داؤدؑ اس ٹولی کا تھا
بولے اے مشفق نبیِ مجتبیٰ

ظلم فاش ایسا تمھیں کب تھا روا
بے گنہ پر قہر تم نے کیوں کیا

حضرت داؤد علیہ السلام کا لوگوں کو اس جنگل کی طرف بلانے کا ارادہ کرنا جہاں راز ظاہر کر دیں

بولے یارو وقت وہ آہی گیا
راز وہ کھل جائے جس پر پردہ تھا

اٹھیے اب سب تا کہ ہم باہر چلیں
جانچ تا صحرا میں جنگل کا کریں

سب گھروں سے مرد و زن باہر چلو
آگہی رازِ نہاں سے تا کہ ہو

جھاڑ اس جنگل میں ہے موٹا کوئی
شاخیں اس کی گھنی چپکی ہوئی

خیمہ گہ جوں، میخ بھی اس کی قوی
آتی ہے بو اس کی جڑ سے خون کی

خوں کیا جڑ میں اسے اچھے جھاڑ کی
اپنے خود آقا کا وہ منحوس ہی

مال اڑایا اس کا اس دیوّث نے
گرچہ تھا خدمت گزاری کے لیے

یہ جواں اس مردہ خواجہ کا پسر
طفل تھا رکھتا نہیں اس کی خبر

حلمِ حق نے اب تلک رکھا نہاں — اس کی ناشکری سے کر ڈالا عیاں
بچوں کو ان کے نہ پوچھا وہ کبھی — عید ہو نو روز کی یا دوسری
ایک لقمہ پہ نوا کو کب دیا — یاد کب رکھے حقوق ان کے بھلا
صرف اک گائے کی خاطر یہ لعیں — آقا کے بچے کو پھینکا بر زمیں
خود اٹھایا پردہ اس نے جرم کا — ورنہ پردہ پوش تھا اس کا خدا
کافر و فاسق بوقتِ ابتلا — پردہ خود چاک اپنا کرتے ہیں سدا
ظلم جو اسرارِ جاں ہیں نہاں — سب کے آگے کرتا ہے ظالم عیاں
دیکھنا سینگیں دکھاتی ہے وہاں — گائے دوزخ کی ہے وہ سب پر عیاں

ظالم پر دنیا میں بھی ہاتھ پاؤں اور زبان کا گواہی دینا

بے تکلف تیرے از خود دست و پا — ہوگئے ہیں تیرے باطن پر گوا
جب ترا باطن موکل ہے ترا — بولے کہہ دے صاف دل کی مت چھپا
خاص کر غصّہ میں وقتِ گفتگو — بھید کھل جاتے ہیں تیرے مو بمو
خود موکل ہو جہاں ظلم و جفا — بولیں مجھ کو کردو ظاہر دست و پا
کھینچتا ہو جب گواہِ سر لگام — خاص وقتِ جوشِ خشم و انتقام
خود وہی اس کو وکیل اپنا کرے — راز کے پرچم کو تا اونچا کرے
پس موکل دوسرے بھی روزِ حشر — ان کو پیدا کرسکیں گے بہر نشر
اے کہ ہے وہ دست وقتِ ظلم و کیں — فاش ہیں گن جانچ کی حاجت نہیں
ظلم میں شہرت کی اب کیا ہے کمی؟ — فاش ہے سب پر ضمیرِ آتشی
نفس اگلے تیرا ہر دم سو شرار — یعنی دیکھو میں ہوں از اصحابِ نار
میں ہوں ناری سوئے کل ہے رخ مرا — نور اگر ہوتا ، تھی حضرت میں جگہ
جیسے وہ ظالم، وہ حق نا آشنا — حق جتانے گائے پر کیا کیا کیا
اس نے لوٹے اونٹ، گائے آپ ہی — چھوڑ اسے حالت یہی ہے نفس کی

حق سے زاری اس نے اک دن بھی نہ کی — لب پہ یارب بھی نہیں لایا کبھی
میرے دشمن کو تو خوش کر اے خدا — نفع دے میں نے زیاں گر کردیا
مارا سہواً تو دیت بر اقربا — از لی اقرب جاں کا تو، دے خوں بہا
توبہ سے پتھر بھی بن جاتا ہے دُر — نفس کا انصاف ہے یہ جانِ حُر

لوگوں کا اس درخت کی طرف باہر آنا

جب وہ باہر جھاڑ کی جانب چلے — بولے باندھو ہاتھ اس کے پیچھے سے
تا کہ ان کے جرم میں ظاہر کروں — عدل کا جنگل میں جھنڈا گاڑ دوں
بولے سگ! قتل اس کے دادا کا کیا — اس طرح بندے سے خواجہ بن گیا
مار کر خواجہ کو لوٹا اس کا مال — کردیا ظاہر خدا نے اس کا حال
وہ تری بیوی کنیزک اس کی تھی — خود جفا گر اس کے حق میں ہوگئی
اس سے پیدا جو بھی ہے مادہ کہ نر — وارث اس کی ملک کا ہے سر بسر
تو غلام اور جو کیا اس کے لیے — چاہا شرعی فیصلہ، سو یہ ہے لے
کس ستم سے قتل خواجہ کا کیا — خود اسی جا الاماں کہتا رہا
گاڑ دی فوراً زمیں میں وہ چھری — تیرے حق میں سہمگیں جب وہ لگی
ساتھ سر کے ہے چھری زیر زمیں — پھر زمیں کو کھودو پاؤ گے ہمیں
نام کتے کا چھری پر ہے لکھا — مکر سے خواجہ کا نقصاں کردیا
پس وہاں لوگوں نے ویسا ہی کیا — سر چھری کے ساتھ ہی پایا گیا
شور لوگوں میں اسی دم مچ گیا — ہر کوئی زنّار سے عاری ہوا
ہوگئے داؤدؑ سے سب عذر خواہ — چوں کہ بدظن ہوگئے تھے اور تباہ

دلیل قائم کرنے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کا قاتل پر قصاص کا حکم فرمانا

بعد ازاں بولے کہ اے داد خواہ   لے اسی سے داد خود اے رو سیاہ
اور اسی تلوار سے حکمِ قصاص   علمِ حق سے مکر کیوں پائے خلاص
بردباری حق کی گو باری کرے   حد سے بڑھ جائے تو پھر خواری کرے
خوں نہ سوئے، اس سے ہر دل میں خلل   کھوج جاگے، ڈھونڈتے مشکل کا حل
ربِّ دیں کی داوری کا اقتضا   دل سے ہر اک کے ابھر کر آئے گا
کیوں ہوا وہ، کیا ہوا، حال اس کا کیا   جوش میں جوں باغ کا بویا ہوا
جوش کھائے خوں بہ ذوق جستجو   اور دلوں میں کھاج، بحث و گفتگو
بھید کرتوتوں کا اس کے کھل گیا   معجزہ داؤدؑ کا ظاہر ہوا
لوگ سارے سر برہنہ آگئے   سر کو سجدہ میں زمیں پر رکھ دیے
در حقیقت ہم سبھی اندھے جو تھے   جو کہا تم نے وہ سننے سے رہے
ہم سبھی آنکھیں بنا معذور تھے   سینکڑوں دیکھے عجوبے آپ سے
مانگ پتھر کی ہے معلومِ عوام   جنگ میں طالوت سے ہم کو بھی کام
تین پتھر ایک گوپھن کے لیے   تم نے لاکھوں مرد برہم کردیے
لاکھوں ٹکڑے ہوگئے ان تین کے   خونِ یک دشمن کیا ہر ایک نے
لوہا تیرے ہاتھ جیسے موم ہے   کہ زرہ سازی تجھے معلوم ہے
سارے پربت ہیں ترے ہمرہ شکور   جیسے قاری ساتھ پڑھتے ہیں زبور
لاکھوں دل کی بند آنکھیں کھل گئیں   از برائے غیب آمادہ ہوئیں
ہے قوی تر سب سے اور ہے دائمی   زندگی بخشی ہے تم نے سرمدی
جان جملہ معجزوں کی ہے یہی   مردوں کو دی تم نے ابدی زندگی
قتلِ ظالم سے اک عالم جی اٹھا   ہر کوئی پھر بندۂ حق ہوگیا

اس بیان میں کہ آدمی کا نفس اس قاتل کی جگہ پر ہے جو ذبح شدہ گائے کا مدعی بنا تھا اور وہ گائے ذبح کرنے والا عقل کی جگہ پر ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام حق تعالیٰ یا شیخ کی (جگہ پر ہیں) جو حق کا نائب ہوتا ہے جس کی قوت اور مدد سے ظالم کو قتل کیا جا سکتا ہے اور ایک دن میں بغیر کمائی اور بغیر حساب مالدار ہو سکتا ہے

نفس کو مار اور جہاں کو زندہ کر — خواجہ کو جو مارے اس کو بندہ کر
نفس تیرا مدعی ہے گائے کا — خود کو خواجہ اور مہتر کرلیا
عقل نے تیری ہے مارا گائے کو — ذابحِ گاوِ تن کا تو منکر نہ ہو
عقل قیدی چاہے وہ اللہ سے — رزق و نعمت سب بلا محنت ملے
روزیِ بے رنج دیتا ہے وہی — جو کہ مارے گائے، یا شیخِ بدی
نفس پوچھے کاٹے تو کیوں میری گائے — بولے کیوں کہ نقش تن ہے تیری گائے
جانتے ہو رزق ہے محنت ہے کیا — قوت و روحوں کی رزقِ انبیاء
ذبح پر گائے کے لیکن منحصر — ذبح خود ہے گنج اے جویائے سِر
میں نے کل پی لی ہے کچھ ورنہ زمام — دیتا تیری فہم کے ہاتھوں کہ تھام
میں نے آنکھیں بند کیں اسباب سے — یہ عطا ہے خوش نگاہوں کی مجھے
ہیں دگر اسباب بھی اسباب پر — چھوڑ کر ان سب کو ڈال اوپر نظر
انبیاء بے واسطہ اسباب سے — معجزے ان کے ہیں گیواں سے پرے
بے سبب جو چاک دریا کو کیا — بے زراعت گندمِ صافی لیا
بالو آٹا سعی سے ان کی ہوئی — اون بھی بکرے کی ریشم بن گئی
سارا قرآں حامیِ قطعِ سبب — عزِ درویشاں، ہلاکِ بو لہب
اک دو پتھر سے پرندے ہاتھی کے — بھاری لشکر کو حبش کے زک دیے
ہاتھیوں کے جسم چھلنی کر دیے — سنگریزے ڈال کر بالائی سے
ضرب دُمِّ گاوِ کشتہ سے لگا — جی اٹھے مردہ تاخّر کے بنا

پھر برید حلق اٹھے اپنی جگہ ۔۔۔ مانگنے قاتل سے اپنا خوں بہا
اس طرح آغاز سے قرآں تمام ۔۔۔ ترکِ اسباب و علل ہے والسلام
کشت یہ ممکن نہیں ہے عقل سے ۔۔۔ بندگی کرتا تو اس کو پاسکے
بندِ معقولات میں ہے فلسفی ۔۔۔ جانے اس کو شہسوار عقل ہی
تیری عقل عقل مغز اور عقل پوست ۔۔۔ معدہ حیواں کا ہے دائم پوست دوست
مغز جو کو چھلکے سے صدہا ملال ۔۔۔ مغز انوکھا اس کے حق میں ہے حلال
صدل دلیلِ پوست پر بھی بے یقیں ۔۔۔ عقلِ کل اک گام بڑھنے کی نہیں
عقل تو کرتی رہی دفتر سیاہ ۔۔۔ اور آفاق عقلِ کل سے پُر ضیاء
وہ سفیدی اور سیاہی میں کہاں ۔۔۔ روشن اس کے چاند سے سب قلب و جاں
قدر کی شب سے ہے کالے اجلے کا ۔۔۔ رتبہ جیسے کوئی کوکب پُر ضیاء
قیمت ہمیان و کھیسہ وجہِ زر ۔۔۔ زر نہ ہو تو حال ان کا ہو بتر
درحقیقت تن کا رتبہ جاں سے ہے ۔۔۔ رتبہ جاں کو پرتوِ جاناں سے ہے
گر بنا پرتو کوئی جاں زندہ ہے ۔۔۔ حق کہیں کہتا کہ کافر مردہ ہے ؟
تابِ گویائی سے نہر اک کھودیے ۔۔۔ تا صدی بعد ہی سہی پانی بہے
کہنے والے گو صد بعد آئیں گے ۔۔۔ یاری پہلوں کے سخن سے پائیں گے
کیا نہیں توریت و انجیل و زبور ۔۔۔ صدق پر قرآں کے شاید اے شکور
کر طلب بے رنج رزق و بے عدد ۔۔۔ سیب جنت دیں گے لا جبریلؑ خود
بلکہ دے گا خود خدا وندِ جناں ۔۔۔ کاشت کی زحمت نہ دردِ باغباں
نان کو نافع بناتا ہے وہی ۔۔۔ نفع کو لازم نہیں ہے پوست بھی
لطف پنہاں، خواں عیاں ہے نان کا ۔۔۔ ناں بلا خواں ہے نصیبِ اولیا
کھوج کوشش بن نہ پائے رزقِ جاں ۔۔۔ جز بہ عدل شیخ حاصل ہے کہاں
نفس دیکھے ساتھ مرشد کے تجھے ۔۔۔ وہ ترا محکوم مجبوراً بنے
گائے والا رام اسی دم ہوگیا ۔۔۔ فیصلہ داوٗدؑ کا جوں ہی سنا

نفس کو کر لے گی عقل اپنا شکار — شیخ کو جس وقت پائے اپنا یار
اژدہا نفس اس کے صدہا مکر و فن — روئے شیخ اس کو زمرد دیدہ کن
غلبہ تو چاہے جو صاحب گاؤ پر — جیسے خر لیجا ادھر تو کھینچ کر
اژدہے سے گر تحفظ چاہیے — اس کے دامن کو نہ دے تو ہاتھ سے
خاک ہوجا پیشِ شیخِ با صفا — تا ہو اس مٹی سے پیدا کیمیا
سو زبانیں سو لغت در ہر زباں — اس کے حیلے، مکر بیرونِ بیاں
جب بھی جائے گا وہ در پیشِ ولی — اس کی سوگز کی زباں گھٹ جائے گی
گائے والا نفس کہ ہے خوش بیاں — لائے ناقص حجتیں لاکھوں وہاں
دھوکا اس کا شہر سب شہ کے سوا — پر نہیں راہزن از بہرِ شاہ
سبح و قرآن در دستِ یمیں — خنجر و شمشیر اندر آستیں
اس کا مصحف مکر ہے باور نہ کر — اس کو تو ہمراز اور ہمسر نہ کر
لائے گا بہرِ وضو وہ حوض پر — قعر کے اندر گرانے کو مگر
عقل نورانی ہے چاہے، بہتری — نور پر کیوں چھائی ظلمت نفس کی
گھر میں وہ اور عقل بے گھر ہے غریب — در کا کتّا بن گیا شیر مہیب
ٹھہرتا جنگل چلیں شیراں سبھی — اندھے کتنے ان کو جائیں گے تبھی
مکرِ نفس و تن کو کیا جانیں عوام — جز شقی القلب وہ ہوں گے تو رام
یار ہر اک اپنی اپنی جنس کا — اک ترے داؤدؑ مرشد کے سوا
اس طرح بدلے کہ جنس تن نہ تھے — فضلِ حق کہ اہل سے ہوگئے
ہے جہاں علت سبھی وجہِ کمیں — دوست ہے علت کی علت بالیقیں
دعویٰ داؤدی کا ہر اک جنس کرے — اس کا گرویدہ ہر اک ناداں بنے
مرغ کی سن کر صدا صیّاد سے — مرغِ ناداں اس طرف دوڑے چلے
جو نہ جانے قلب و زر کو ہے غوی — دور رہ اس سے ہو گرچہ معنوی
قیدی و آزاد ایک اس کے لیے — جس کو ہو دعویٰ یقیں کا شک اسے

گرچہ ایسا شخص ہو بالکل ذہیں   وہ ہے احمق یہ فرق اس میں نہیں
دور رہ اس سے ہرن جوں شیر سے   جا نہ اس کی سمت دانا دوڑتے

بیوقوفوں کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہاڑی کی بلندی پر بھاگ کر جانا اور ایک شخص کا ان کے پیچھے جانا اور سوال کرنا

بھاگتے عیسیٰ پہاڑی پر گئے   شیر ہو جوں حملہ کرنے کے لیے
دوڑا پیچھے کوئی ان سے پوچھنے   عقب میں کوئی نہیں کیوں اُڑ چلے
دوڑ ان کی اس قدر چست اور شتاب   اپنی جلدی میں نہ دے پائے جواب
اک دو میداں عیسیٰ کا پیچھا کیا   پھر بڑی کوشش سے ان کو یوں کہا
ٹھہرو اک لحظہ خدا کے واسطے   ہے تمھاری سے مشکل مجھے
کس سے تم یوں بھاگتے ہواے کریم   شیر پیچھے ہے نہ دشمن کیوں یہ بیم
احمقوں سے بھاگتا ہوں میں تو جا   ہوں رہا میں ہو نہ جا تو بندِ پا
بولا آخر تم مسیحا ہو وہی   اندھوں بہروں کو شفا جن سے ملی
بولے ہاں، تو پوچھا ہو وہ شاہ بھی   ہر فسونِ غیب کا ماوا، تم ہی؟
جب بھی مردے پر فسوں اپنا پڑھے   جست کرتے جوں شکاری شیر اٹھے
بولے ہاں میں ہوں وہی، بولا کہ تو   مرغ مٹی سے کرے اے خوبرو
پھونکتے ہو اس میں تا کہ جی اٹھے   اور ہوا میں وہ تبھی اڑتا چلے
بولے ہاں، تو پھر کہا اے روحِ پاک   کر جو چاہے تو بھلا کس سے ہے پاک
یہ دلیلیں ہیں تو پھر ہوگا کوئی   جو کہ اپنائے نہ تیری بندگی
بولے عیسیٰ ہے قسم اللہ کی   تن موجد، جاں کا خالق ہے وہی
ہاں قسم ذات و صفاتِ پاک کی   ہے گریباں چاک جس سے چرخ بھی
وہ فسونِ اسمِ اعظم جب پڑھا   اندھے بہرے پر تو اچھا ہوگیا
کوہِ سنگیں پر پڑھا شق ہوگیا   چاک جامہ تا بناف اپنا کیا

جی اٹھا مردہ جب اس پر یہ پڑھا جب پڑھا ناچیز پر شئ ہوگیا
جب وہ احمق پر محبت سے پڑھا گو ہزاروں بار وہ درماں نہ تھا
خو نہ بدلی سنگِ خارا ہوگیا ریت تھا تو کھیتی کے لائق نہ تھا
پوچھا کیا ہے راز اسمِ حق وہاں فائدہ دے، اور ہو لاحاصل یہاں
ایک ہے دونوں کی بیماری بجا بے اثر کیوں اِس کو اُس کو کیوں دوا
بولے ہے یہ احمقی قہرِ خدا اور کوری ہے فقط اک ابتلا
ابتلا بیماری ہے جو رحم لائے احمقی بھی ہے مرض جو زخم لائے
زخم دے گا سر کو رنجِ احمقی رحم کب ہے چارہ از بہرِ شقی
وہ کہ جو ہے داغ ہے مہرِ خدا کیا ہے چارہ اس کا بس لے ہاتھ اٹھا
احمقوں مثلِ عیسیٰؑ بھاگ جا صحبت احمق میں کتنا خوں بہا
تھوڑا تھوڑا پانی لیتی ہے ہوا بس یونہی چوری میں ہے احمق لگا
وہ جرائے گرمی سردی دے تجھے اپنے نیچے جیسے خود پتھر رکھے
بھاگنا عیسیٰؑ کا کب تھا خوف سے تھا تمھاری تربیت کے واسطے
پُر کرے سردی اگر آفاق کو غم نہیں خورشیدِ با اشراق کو
وہ کہ گرمی دے جسے نورِ خدا سردی سے بارش کی اس کو غم ہو کیا

اہلِ سبا اور ان کی بیوقوفی اور انبیا کی نصیحت کا ان پر اثر نہ کرنے کا قصہ

یاد آیا قصۂ اہلِ سبا احمقی سے تھی صبا ان کو وبا
وہ سبا تھا شہر اک اچھا بڑا بچوں کے قصوں میں تو ہوگا سنا
بچے افسانے سناتے ہیں کئی ان فسانوں میں ہے شامل پتہ بھی
ہزل اگرچہ ہیں ان افسانوں میں بھی ڈھونڈ پائے گنج ویرانوں میں بھی
شہر تھا کافی بڑا ذیشان بھی قدر لیکن ٹھلیا سے بڑھ کر نہ تھی
تھا بڑا وسعت بہت بے حد دراز پاس پاس اور توبہ تو مانندِ پیاز

جمگھٹا دس شہر انسانوں کا تھا — کل ملا کر گندے تین افراد سا
ان میں انواعِ خلائق بے شمار — پر وہ سب جوں تین ناقص پختہ خوار
''نہ'' سوئے جاناں، کرے جاں جتن — وہ ہزاروں ہی سہی سب نیم تن
ایک وہ جو دور بین اور چشم کور — گم سلیماں اس کو دیکھے پاؤں مور
دوسرا وہ تیز کان اور سخت کر — گنج تھا جو بھر نہ تھا اک سنگِ زر
ننگا لاشہ تیسرا چلتا ہوا — دامن اس کے جامہ کا لمبا سا تھا
کور بولا، لو سپاہی آتے ہیں — میں بھی دیکھوں کون ہیں وہ کتنے ہیں
بہرہ بولا ہاں سنی میں نے صدا — دیکھوں کھل کر کہتے ہیں کیا کیا چھپا
بولا ننگا ڈر اسی کا ہے مجھے — میرے دامن کو نہ کوئی کاٹ دے
بولا اندھا دیکھو نزدیک آگئے — اٹھو بھاگیں پٹنے سے اور قید سے
بہرہ بولا ہاں یہ گڑبڑ ہے کوئی — دوستو! وہ آرہی ہے پاس ہی
بولا ننگا، ہائے یہ دامن مرا — لالچی کاٹیں گے، بچنا مسئلہ
شہر سے چل کر وہ باہر آگئے — ہوکے پسپا گاؤں میں آکر چھپے
گاؤں میں اک مرغ موٹا مل گیا — اتنا لاغر گوشت ذرّہ بھر نہ تھا
کور دیکھا، سن لیا بہرہ صدا — ننگا پکڑا دامن اندر کرلیا
مرغ نے دی زاغ کے زخموں سے جاں — کچے دھاگے کی طرح تھی ہڈیاں
ڈھونڈ کر لائے کہیں سے دیگچی — سر نہ تہ اس کو لے آئے جلد ہی
تینوں مل کر دیگ رکھے آگ پر — فن سے وہ مرغ دیگچی میں ڈال کر
اس قدر اس کو پکایا اے پسر — پک گئیں ہڈیاں، نہیں تھا گوشت ادھر
کھائے سب جوں صید سے مانندِ شیر — کھا کے ہر ایک ہوگیا جوں پیل سیر
اس سے کھا کر تینوں فربہ ہوگئے — موٹے تازے ہاتھی جوں ذیشاں ہوئے
اس قدر فربہ کہ کوئی اک جواں — بھی سما سکتا نہ تھا اندر جہاں
ساتوں اعضا ایسے موٹے جسم کے — درزِ در سے صاف آتے جاتے تھے

موت کا رستہ نہانی راستہ کیوں کہ ہے وہ لا مکانی راستہ
آگے پیچھے جارہے ہیں قافلے اس نہانی دروازے کی درز سے
درز وہ در سے نہیں ہے آشکار ہے نہاں اور جانے والے بے شمار
اے ضیاالحق حسام الدین عیاں آئے گی پھر بعد میں شرحِ بیاں
مختصر ہر کوئی افسانہ نہیں یار کو مطلوب بیگانہ نہیں

اس دور تک دیکھنے والے اندھے اور اس تیز سننے والے بہرے اور لمبے دامن والے ننگے کی شرح

کر امید اوروں کو موت آتی سنی پر نہ دیکھی اپنی مرگ و نقل کی
حرص نابینا ہے دیکھے مو بمو عیب اوروں کے اچھالے کو بہ کو
ذرّہ بھر دیکھے نہ اپنے عیب کو اس کی اندھی آنکھ گو ہے عیب جو
ننگے کو دامن کے کٹ جانے کا ڈر دامن اک ننگے کے ہاں ہوگا کدھر
مردِ دنیا خود ہے مفلس ترسناک اس کو کیوں ہوگا بھلا چوروں سے باک
وہ برہنہ آیا عریاں جائے گا غم سے چوروں کے جگر خوں کیوں بھلا
سینکڑوں نوحے ہیں اس کی موت پر جاں ہنسے خود اپنے ڈر کو دیکھ کر
خود کو بے زر پائے ایسے میں غنی بے ہنر خود کو سمجھ لے گا ذکی
گود میں بچے کے جس طرح سفال اس پہ لرزاں جیسے کوئی ربِّ مال
ٹھیکرا گر کوئی لے وہ رو پڑے گر کرے واپس تو وہ ہنسنے لگے
جب نہیں ہے عقل سے بچے کو کار اس کے رونے ہنسنے کا کیا اعتبار
مانگے کو اپنائے جو بھی مالدار مِلک جھوٹی رکھے ناخوش بے قرار
خواب دیکھا مال سارا پاس تھا خوف دل میں چور اسے لے جائے گا
کان کھینچے نے جگایا جاگ اٹھا اپنے بے جا ڈر پہ خود ہنسنے لگا
اے ہے کچھ ایسا ہی ہراسِ عالماں جو ہیں شان عقل و علم اندر جہاں

ہیں وہی یہ عاقلانِ ذو فنون　　قولِ حق قرآں میں ہے لایعلمون
خوف ہے چوری کا ہر کس لگا　　خود عالم جانتا ہو جو بڑا
کہتا ہے وہ چھین لے گا روزگار　　خود نہیں رکھتا ہو اچھا روزگار
بولے مجھ کو کام سے روکے ہے خلق　　جان بیکاری میں اس کی تابہ حلق
ننگے کو ہے طول دامانی کا ڈر　　کیوں چھڑائے اس کے قبضے میں ہو گر
گرچہ جانے لاکھوں افضالِ علوم　　بے خبر خود اپنی جاں سے وہ ظلوم
جانے ہر جوہر کی خاصیّت مگر　　اپنے ہی جوہر کی بابت وہ ہے خر
جانے وہ کیا ہے روا کیا ناروا　　خود نہ جانے وہ ہے مفتی یا بوڑھیا
جانے ہر سامان کی قیمت ہے یہی　　پر نہ جانے خود کی قیمت احمقی
جانے تو ہر نحس کو ہر سعد کو　　پر نہ جانے پاک یا میلا ہے تو
جانے ہر اک علم کو تو بالیقیں　　پر نہ جانے کیا ہے تو در یومِ دیں
جملہ علموں کا خلاصہ ہے یہی　　ہے خدا کی دین ابدی زندگی
سب اصولِ دیں سے تو واقف مگر　　اپنی اصلیت پہ بھی تو غور کر
ہے اصولی سے اصول اپنا بھلا　　تاکہ تو جانے ہے تیری اصل کیا

سبا شہر کی خوشحالی اور ان کی ناشکری کا بیان

اصل ان اہلِ سبا کی تھی بری　　تھے وہ اسبابِ بقا سے دور ہی
حق نے دیں اہل وعیال و باغ وزاغ　　دائیں بائیں تاکہ حاصل ہو فراغ
پھل جو گرتے تھے وہاں پر بے شمار　　ہوگئی تھی تنگ اس سے رہگزار
ٹوکری سر پر جو لے جاتا کوئی　　پُر پھلوں ہوتی از خود ٹوکری
کوئی توڑے بن گراتی پھل ہوا　　ہوتا پُر ہے پھل سے ٹوکرا
موٹے خوشے جھاڑ سے لٹکے ہوئے　　سر پہ منھ پر مارتے تھے راہی کے
اور بھٹیارا بھی از افراطِ زر　　زر کی پٹّی رکھتا تھا گردِ کمر

روندتا تھا کتّا قلبِ زرِ پا   گرگ کو بدہضمی ز افراطِ غذا
شہر وہ دہ محفوظ گرگ و دزد سے   بھیڑیے سے بھیڑ بھی بے خوف تھے
ان کے کپڑے بھی اگر میلے ہوئے   آگ تھی صابوں صفائی کے لیے
ڈالتے تنّور میں کپڑے وہ جب   پاک یک ساعت میں ہوجاتے وہ سب
شرحِ انعاماتِ حق کیوں ہو بھلا   دن بدن ان میں اضافہ ہی رہا
روکنا ہوں گی سبھی باتیں اہم   اس لیے حکم نبیؐ ہے فاستقم
ان کی ناشکری جو یوں حد سے بڑھی   غیرت آئی حرکت میں تبھی

اہلِ سبا کی نصیحت کے لیے پیغمبروں کا آنا

تیرہ پیغمبر وہاں بھیجے گئے   گمرہوں کی رہبری کے واسطے
بڑھ گئی لو شکر نعمت کا کرو   خفتہ مرکب کو اٹھاؤ لے چلو
شکر منعم کا ہے عقلاً واجبی   ورنہ کھل جائے غضب کا در تبھی
بخششیں دیکھو یہ کس سے ہوسکے   نعمتیں دے، شکر ہی پہ بس کرے
دے کے سر وہ سجدہ چاہے شکر کا   بیٹھنے کا شکر چاہے دے کے پا
شکرِ نعمت نعمت افزوں تر کرے   پھول لاکھوں لیں جنم اک خار سے
قوم بولی لے گیا شکر اپنا غول   ہوگئے ہم شکر و نعمت سے ملول
اس قدر بخشش سے پژمردہ ہوئے   بھائی نعمت اور نہ طاعت کے مزے
ہم کو نعمت کی ضرورت ہے نہ باغ   ہم نہیں چاہیں گے اسباب و فراغ
کیا ہے نعمت سیر ہے نعمت سے جاں   شکر کو بتلایئے جا ہے کہاں
ان کے ہے مرض دل میں ضرور   اس لیے ہے حق شناسی میں فتور
نعمت اس سے سر بسر علت بنے   کھانے سے علت میں کیوں قوت ملے
کتنی اچھی چیزیں آئیں اے مُصر   ہوگئیں سب ناخوش اور ان میں کدر
بن گیا تو ایسی خوشیوں کا عدو   ہوگیا ناخوش چھوا جس کو بھی تو

ہوگیا جو بھی ترا یار آشنا
خوار وہ تیری نظر میں ہوگیا

اور جو بیگانہ کوئی تم کو ملے
وہ بزرگ و محترم تم کو لگے

لت یہ بیگانہ نوازی اور اثر
اس کا پیدا ساری مخلوقات پر

اس مرض کو دفع کرنا ہے ابھی
اس کے ہوتے گندگی ہے شکر بھی

اس کے ہوتے ناگوارا ہر خوشی
آگ اس کے دم سے آبِ زندگی

یہ تو مکر و درد کی ہے کیمیا
موت ہے اس زندگی کی انتہا

زندہ رکھنے دل غذائیں ہیں کئی
گندہ ہوجاتی ہیں تن میں آتے ہی

کتنے پیارے ناز کے تیرے شکار
صید بن کر تیری نظروں میں ہیں خوار

باہمی عقلوں کی ہوگر بے ریا
بڑھ کے لے لے گی محبت کی جگہ

آشنائی نفس سے ہر نفس کی
گھٹتی جائے گی یقیناً ہر گھڑی

اس لیے کہ نفس ہے مطلب پرست
زود ہوجائے گی فاسد معرفت

کل نہ چاہے دوست کی نفرت اگر
دوستی تو عقل اور عاقل سے کر

تو کہ روگی ہے ہوائے نفس سے
روگی بن جائے گا تو چھولے جسے

موتی پتھر ہوگا تو پکڑے اگر
دل سے چاہے جس کو اترے جنگ پر

کوئی نکتہ پائے گر تازہ لطیف
بعد پانے کے وہ ہوجائے کثیف

سنتے سنتے نکتہ کہنہ ہوگیا
اور کچھ کہے گا اب اس کے سوا

کوئی بھی شئے آج کی تازہ سہی
کل طبیعت اس سے اکتا جائے گی

لت نہ پڑ جائے تو علت دفع کر
کہنہ باتیں پھر نئی آئیں نظر

شاخ کہنہ لائے گی کونپل نئی
گڑھے میں جھومیں گے خوشے بھی کئی

ہم اطبّا اور تلامیذ اللہ
بحرِ قلزم ہم کو دیکھا پھٹ گیا

وہ اطبا دوسرے ہیں جسم کے
جو دلوں کو جانچتے ہیں نبض سے

جانچتے ہیں دل کو ہم بے واسطہ
رتبہ ہے اپنا فراست میں بڑا

اغذیہ میووں سے سب چارہ گری
جانِ حیوانی کو کرتے ہیں قوی

هم ہیں سکھلانے کو افعال و مقال — اپنا علم پرتوِ نورِ جلال
فعل یہ نافع ہے تیرے واسطے — وہ دگر روکے گا راہِ راست سے
بات یہ آگے بڑھائے گی تجھے — بات ویسی ڈنک مارے گی تجھے
ایسا ویسا جو بھی اچھا اور برا — لا رکھیں گے سامنے دیں گے بتا
چاہے اس کو یا کر اس کو اختیار — قند و زہر و سنگ و دُر ہیں آشکار
ان طبیبوں کے لیے بو ہے دلیل — اور دلیل اپنے لیے وحیِ جلیل
ہم کسی سے طالبِ اجرت نہیں — حق سے ملتی ہے ہمیں اجرت یقیں
ہے صلا بیماریِ ناسور کو — اپنے ہاں ہے چارہ ہر رنجور کو

قوم کا پیغمبروں سے (سلام ان پر) معجزہ مانگنا

قوم بولی اے گروہِ مدّعی — ہے گواہِ علم و طبِ نافعی؟
عادی خواب و خور جب کہ تم بھی ہو — نیند کرلو گاؤں میں کھاؤ پیو
جب کہ تم بھی ہو اسیرِ آبِ گل — ہو بھی سکتے ہو کبھی صیادِ دل؟
اس پہ تم کو حبِ جاہ و سروری — دوگے خود کو رتبۂ پیغمبری
کیوں سنیں جھوٹ اور زعم برتری — کاہے کو تحصیل گھٹیا چیز کی
انبیا بولے کہ یہ رخ کی حجب — اصل میں ہے کورپن اس کا سبب
دعویٰ اپنا یوں تو سنتے ہو مگر — ہاتھ میں دیکھا نہیں جو ہے گہر
یہ گہر ہے جانچنے کو خلق کے — گرد آنکھوں کے گھماتے ہیں اسے
جو گوا پوچھے، ہے بات اس کی گوا — خود نہ دیکھا وہ گہر اندھا رہا
سونے والوں کو کہے سورج اٹھو — دن ہوا، جاگو، جھگڑنا چھوڑ دو
تو کہے سورج ! ہے کون اس کا گواہ — بولے کور آنکھیں خدا سے مانگ لا
دن میں مانگے شمع کی جو روشنی — کورپن اپنا جتائے خود وہی
گر نہ دیکھے ہے گماں دیکھے بنا — صبح ہے اور تو ہے پردے میں پڑا

ہاں نہ کر باتوں میں کوری آشکار
بند لب کر فضلِ رب کا انتظار

فضل شاید بے طلب پالے تجھے
اور شقاوت سے تجھے خود پھیر دے

ورنہ رہ جائے گی کوری تا ابد
آئینہ پنہاں رہے اندر نمد

دن میں ہی گرداں کہاں ہے تو کہے
تند خو یوں خود کو تو رسوا کرے

جاذبِ رحمت ہیں صبر و خامشی
ہے نشاں علت کا اس کی کھوج بھی

تو ذرا چپ رہ کہ اس چپ کا ثمر
حق سے نازل ہوگا تیری روح پر

گر نہ چاہے لوٹے علت، اپنا سر
زود رکھ سجدے میں پیشِ چارہ گر

بات افزوں بیچ کر تو لے خرید
بھینٹ جان و جاہ کی اور زر کی مزید

تاکہ فضلِ حق کرے تیری ثنا
آسماں حاسد بنے اس جاہ کا

پاسِ خاطر ہو اطبّا کا اگر
دیکھو خود شرماؤ ان کو دیکھ کر

دفع یہ کوری نہ ہوگی خلق سے
پھر بھی تکریمِ طبیباں چاہیے

تم غلام ان چارہ سازوں کے بنو
مشک و عنبر میں سدا بس کر رہو

قوم کا انبیا علیہم السلام پر تہمت لگانا

قوم بولی ہے یہ دھوکا اور مکر
حق کے نائب ہوگئے سب زید و بکر

ہو رسول ہر ایک شہ کی جنس کا
کیسے آب و گِل، خدا کی بات کیا

جیسے تم ہو ہم بھی کچھ احمق ہیں کیا
مانیں تا مچھر کو ہمرازِ ہما

کیا ہما کیا شہ، کیا گِل کیا خدا
چرخ کا سورج کہاں اک ذرہ کیا

یہ تعلق کیسا یہ نسبت ہے کیا
عقل کو یہ جوڑ کیوں راس آئے گا

کب تلک بکواس بیہود بھلا
مکر کیسا، کیا فریب اور کیا دغا

غالبًا ہے عقل ہم کو اس قدر
کاسنی گاجر کی رکھتے ہیں خبر

ان خرگوشوں کا قصہ کہ ایک خرگوش کو ہاتھی کے پاس قاصد بنا کر بھیجا کہ تو جا کر بتا دے کہ میں آسمان کے چاند کا تیرے لیے قاصد ہوں کہ تو پانی کے اس چشمہ سے پرہیز کر، جیسا کہ کلیہ اور دومنہ کتاب میں مذکور ہے

ہے یہ ویسا ہی کہا خرگوش نے
چاند کا قاصد ہوں، میں ہوں چاند سے
چشمہ پر اک ہاتھیوں کے جھنڈ سے
جانور جنگل کے سب مشکل میں تھے
خوف سے محروم سب چشمے سے دور
حیلہ یہ ڈھونڈا کہ تھا کم ان میں زور
ہاتھیوں کو دی صدا خرگوش نے
چاند دیکھے شب سرِ کہسار سے
میں ہوں قاصد شاہِ پیلاں پیش ہو
قاصدوں پر غصہ دھمکی چھوڑ دو
چاند بولے ہاتھیو! بھاگے چلو
چشمہ اپنی ملکیت ہے چھوڑ دو
ورنہ سب کو اندھے کرنا ہے مجھے
کہہ دیا لو اب بری ہوں فرض سے
ترک کردو چشمہ یہ آگے چلو
تا مری تلوار سے تم بچ سکو
چشمے میں ہاتھی کو پیتے دیکھ کر
چاند ہے بیتاب دیکھو کس قدر
چودھویں کو آ خود اے شاہِ فیل
دیکھ لے چشمے کے اندر تو دلیل
بعد دو ہفتوں کے بعد از چاند کے
شاہِ فیل آیا ہے پینے کے لیے
جوں ہی اُس شب سونڈ ڈالا اندر آب
پانی لرزاں، چاند تھا پُر اضطراب
ہاتھی باور کرلیا اس کا خطاب
دیکھا چشمے میں جو لرزاں ماہتاب
جھنڈ وہ لوٹا وہیں سے پُرہراس
ایک بھی آیا نہیں پھر اس کے پاس
ہم بھی احمق ہاتھیوں جیسے نہیں
چاند کے ملنے سے ڈرنے کے نہیں

انبیا کا ان کے اعتراض کا جواب دینا اور ان کی مثال بیان کرنا

انبیاء بولے ہماری پند وہ
اور بھی کس دی تمھاری بند وہ
اُف مداوا بھی تمھارے درد سے
زہر ہو اور قہر جاں لیوا بنے

آنکھ کی ظلمت کیا افزوں دیا
جب خدا نے پردہ ڈالا چشم کا

چاہیں کیا ہم تم سے سرداری کوئی
ہے فلک سے افسری اپنی بڑی

کیا حرف کشتی سے پائے بحرِ دُر
کشتی وہ بھی جو کہ ہوگوبر سے پُر

مجھ کو ہے افسوس اندھی آنکھ پر
آفتاب آئے جسے ذرّہ نظر

آئی منحوسوں کو دولت گاہ گاہ
پاتے کیا خود ہوگئے گم کردہ راہ

آئے ہیں انجانے میں کتنے حبیب
عشق بازی کر نہ پائے بدنصیب

احمقوں میں کیوں ہے یہ حرمان و یاس
گمرہوں کو راست راہ آئی نہ راس

دین ناخوش اپنے حِرماں کی عطا
جو پلٹ دے قلب کو سوئے القضا

ہوگیا پتھر کا بت قبلہ جہاں
کوری، لعنت ہوگی تم پر سائباں

ہوگیا پتھر جہاں انباز حق
کیوں نہ ہوں پھر عقل و جاں انباز حق

مردہ مچھر ہو جو ہم چشمِ ہما
کیا نہ ہوگا زندہ ساجھی شاہ کا

اُس بتِ مردہ کو جب تم نے گھڑا
زندہ مچھر کو تراشا ہے خدا

دونوں عاشق خود کے صناعی جدا
دُم کیا مذہب کیا ہے سر ہے سانپ کا

دم میں دولت ہے نہ ہے نعمت کوئی
سر میں راحت ہے نہ ہے لذت کوئی

گرد سر کے گھومتی ہے دُمِ مار
ہم مذاق اور ہیں مناسب دونوں یار

وہ حکیمِ غزنوی یوں کہہ گئے
اُس ''الٰہی نامہ'' میں گر تو سنے

باب میں تقدیر کے بکوا نہ کر
گوشِ خر ہیں لائقِ اندامِ خر

عضو سب موزوں سے ابدان کو
اور ہیں اوصاف موزوں جان کو

وصف ہر اک جان کے موزوں اُسے
جاں کی نسبت سے گھڑے اللہ نے

جاں کی نسبت سے دیے اوصاف بھی
چشم و چہرے کے مطابق عقل دی

وصف خوب و زشت کے ہمسر دیے
اور مناسب حرف بھی حق نے لکھے

دیدہ وہ دل انگلیوں کے درمیاں
جوں قلم در دستِ کاتب اے جواں

انگلیوں کے بیچ مہر و قہر کی
خامہ قبض و بسط کے عالم میں ہی

ہے کھرا پن خامہ تیری ذات میں
چاہیے دیکھے ہے کس کے ہاتھ میں
انگلیوں پر قصد و جنبش سب تری
ہے برأت چارہ راہِ حشر ہی
ہیں ترے احوال اسی تحریر سے
اس کے عزم و فسخ کے تابع ترے
جز نیاز و عجز ہے رستہ کوئی؟
ہے قلم کے پھیر سے آگہ کوئی؟
جانے خامہ اس کو، پر تاحدِ خود
جانے خود کا مرتبہ در نیک و بد
وہ جو ہے خرگوش و ہاتھی میں پھنسا
حکمِ ازلی میں دیا حیلے ملا

اس کے بیان میں کہ ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ مثال بیان کرے خصوصاً اللہ کے کام میں

ان کو کب حق تھا مثالیں تا گھڑیں
اور اس درگاہِ حق سے جوڑ دیں
حق مثل کا درگہِ حق کو رہا
علم ہے سب جس کو سِرّ و جہر کا
تو ہے گنجا بھید کیا جانے کوئی
دے مثل تا زلف کی رخسار کی
اژدہے کو کہہ دیے موسیٰ عصا
سر تھا اس کو کھولتا تھا منھ بڑا
ویسے شاہ جانے نہیں رازِ عصا
رازِ دانہ و دامِ تو سمجھے گا کیا
چشمِ موسیٰؑ نے مثل میں کی خطا
روزن اس میں پھر کرے گا چوہا کیا
اس مثل کو اژدہا جب وہ کرے
دے گا ٹکڑوں میں جواب اس کا تجھے
یہ مثل لایا جو ابلیسِ لعیں
ہوگیا ملعونِ حق تا یومِ دیں
لی مثل اک جھگڑا قاروں نے کیا
گِل میں تخت و تاج لے کر دھنس گیا
یہ مثل نمرود بھی آگے کیا
مچھر اس کا مغز سارا کھا گیا
ایک مثل فرعون لایا از خطا
آخرش وہ غرقِ دریا ہوگیا
اک مثل لائی جو ایسی قومِ عاد
ہڈیاں تک روند ڈالی اس کی باد
جو بھی لایا یہ مثل بدبخت دوں
نارِ دوزخ میں گیا وہ سرنگوں
ان مثالوں کو تو زاغ و بوم جان
جن کے باعث ہیں تبا سو خاندان

قوم نوح علیہ السلام کا حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی بنانے کے وقت مذاق میں مثال بیان کرنا

دشت میں کشتی بنائی نوحؑ نے سو مثل لائے ہنسی کو مسخرے
دشت میں پانی نہ ہی کوئی کنواں ابلہ اک بناتا ہے یہاں
وہ کوئی تھا بولا کشتی کو بھگا وہ دگر بولا اسے پر بھی لگا
ایک تھا بولا دُم اس کی کیا ہوئی بولا دیگر پشت میں کیوں ہے کجی
ایک وہ بولا کہ کاٹھی ہے کہاں بولا دیگر پاؤں کیوں ٹیڑھا یہاں
مشک کو خالی بتایا ایک نے بولا دیگر یہ گدھا کس کے لیے
پوچھا وہ بیکاری سے لگتا ہے ڈر یا ہے بوڑھا عقل سے خالی ہے سر
وہ بھی بولا یہ ہے فرمانِ خدا یہ ٹھٹولوں سے نہ گھٹنے پائے گا

اس چور کی حکایت جس سے دریافت کیا کہ تو آدھی رات میں اس دیوار کے پاس کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ ڈھول بجا رہا ہوں

سن مثل اس چور کی جب رات تھی نقب زن تھا جڑ میں اک دیوار کی
نیم بیداری میں جو بیمار تھا اس نے سن لی دھیمی کھٹ کھٹ کی صدا
بام پر چڑھ کر جھکایا اپنا سر پوچھا بابا کر رہے ہو کیا ادھر
خیر تو ہے نیم شب کرتے ہو کیا کون ہو، اک ڈھولیا، صاحب کہنا
بولا کل سن لے گا تو اس کی صدا جزو سے تب کُل تو خود پائے گا
کرتا کیا ہے، پیٹتا ہوں ڈھول ہی ہے کہاں آواز آخر تھاپ کی
میں چلوں پھر سن تو آوازِ دُہل آئیں تیری فہم میں تب جز و کُل
اے تو ادھ کچرے! ہے غلطی میں پڑا نارِ حق میں تپ ذرا، پک جائے گا
جھوٹ ٹیڑھا ہے بناوٹ ہے سبھی بھید اس کا تو نہ جانے گا کبھی

خرگوش کے قاصد بننے کی مثال جو منکروں نے بیان کی اس کا جواب

کیا تھا وہ خرگوش، شیطاں اک فضول　　بن کے آیا تیرے آگے اک رسول
نفسِ احمق کو کیا محروم وہ　　آبِ حیواں سے پئے تھے خضرؑ جو
تو نے معنی کو الٹ کر رکھ دیا　　کافری کی، جھیل اب اس کی سزا
چاند جو پانی میں لرزا کہہ دیا　　ہاتھیوں کا جھنڈ جس سے ڈر گیا
کیا ہے یہ بات آخر اے کورانِ خام　　یوں پریشاں ہوگئے کیوں خاص و عام
چاند کیا، سورج ہے کیا، کیا ہے فلک　　کیا ہیں عقلیں، کیا ہیں جانیں، کیا مَلک
کیا وحوش و کیا طیور و کیا جماد　　کیا ملوک و کیا گدا کیا کیقباد
شہر کیا، دریا ہے کیا، کیا کوہسار　　سال کیا، کیا چاند، کیا لیل و نہار
خاک کیا، پانی ہوا کیا، کیا ہے نار　　سردی گرمی کیا، خزاں کیا، کیا بہار
جملہ اس کے حکم میں فرمان میں　　گیند جوں اس کے خمِ چوگان میں
آفتابِ آفتابِ آفتاب　　کیا کہا میں نے یہ، ہوں شاید بہ خواب
شہر لاکھوں ہی غضب سے شاہوں کے　　اے بداصلو! اوندھے ہوکر رہ گئے
کوہ خود ہیبت سے پُرزے ہوگیا　　مہر جوں چکّی کا خر گھوما کیا
خشم سے مردوں کا سکھا دے گا سحاب　　اور دلوں کے غصّہ سے دنیا خراب
دیکھو اے محرومِ بے خوشبو مرد گو　　گھیرا کیسا قہر شہرِ لوطؑ کو
ہاتھی کیا ہے ہڈیوں اور جسم کو　　جب کچل ڈالے پرندے ایک دو
سب پرندوں میں ابابیلاں ذلیل　　پھاڑ ڈالے بے رفو کتنے ہی پیل
نا سنا کس نے بھلا طوفانِ نوحؑ　　کارزارِ لشکرِ فرعون و روحؑ
روحؑ نے مار دیا رو میں بہا　　جسم ان کے پارہ پارہ کردیا
کون ہے ناواقفِ حالِ ثمود　　کرچکی آندھی فنا جن کا وجود
کھول آنکھیں دیکھو وہ ہاتھی ذرا　　رن میں کیسے ختم پیلوں کو کیا

تھے وہ ہاتھی اور ظالم شہریار خشمِ اہلِ دل سے زیرِ سنگسار
ظلم سے ظلمت کی جانب ہیں رواں کوئی تائید اور نہ رحمت کا نشاں
نیک و بد شاید نہ سن پائے کبھی سب نے دیکھا پر نہ دیکھا تم نے ہی
دیدہ کو نادیدہ کرتے ہو شمار موت کردے گی وہ سب کچھ آشکار
نور سے خورشید کے دو جگ میں نور کیوں چلے ظلمت میں تم مانندِ کور
جب نہیں ہے نور سے تو بہرہ مند چاند کے آگے ہے کھڑکی تیری بند
بھیڑیے بن میں گزرنے والی جاں رؤئے یوسفؑ کی کشش اس میں کہاں
سنگ و کُہ بھی لحنِ داؤدی سنے سنگ دلوں کے کان سننے سے رہے
آفریں یہ داد یہ دانشوری صاف جانے راستی اللہ ہی
سب اصولاں سچ ہیں مانو اے سبا قیدی روح کو بھی کیا جس نے کیا
تم کرو تصدیق شمس ضو فشاں حشر میں رسوائی سے دیں گے اماں
تم کرو تصدیق روشن چاند کی قبل محشر کے ملوگے جب تم ہی
ان کو مانو ہیں اندھیروں کے دیے کنجیاں ہیں وہ امیدوں کے لیے
مانو ان کو وہ نہ چاہیں تم سے خیر خود نہ بھٹکو اور نہ روکو راہِ غیر
فارسی بولیں، نہیں عربی سے کام خاک تُوْ اُس ترک کا بن جا غلام
ہاں گواہ ان کے ہیں خود شاہاں سنو ان کے قائل آسماں، تم بھی بنو
لو سبق اگلوں سے دیکھو کیا ہوا یا سوئے اُخریٰ چلو تم پر کشا

پختہ کاری کے معنی کا بیان اور پختہ کار انسان کی مثال

حزم! دو میں ایک کرنا اختیار رف وہ جو خبط سے ہو دور یار
ایک بولے راستے میں ہفت روز پانی ناپید، اور ہے ریگِ پائے سوز
وہ دگر بولے غلط اُس کا بیاں چشمہ جاری پاؤگے ہر شب وہاں
حزم یہ کہ تو رکھے ہمراہ آب تار ہے بے خوف تو او باصواب

راہ پانی ملے تو پھینک اِسے گر نہ ہو تو کام اسی پانی سے لے
اے بنی آدم تہیّہ اب کرو حزم سے زادِ محشر ساتھ لو
کینہ ور جو تھا تمھارے باپ سے خلد سے لایا زمیں پر کھینچتے
مات شہ شطرنجِ دل کو کردیا کردیا آفت میں اس کو مبتلا
معرکہ میں چند جا پھانسا اسے پٹخنی دی اور کیا رسوا اسے
اک پہلواں کو کیا اتنا ضریر ہاں نہ سمجھو اُس کو تم کوئی حقیر
آدمؑ و حواؑ سے کیا کچھ کردیا سب لباس و تاج اُن کا چھن گیا
کردیا ان کو برہنہ خوار زار کتنی مدت روئے آدم زار زار
گھاس اُگ آئی ان کے اشکِ چشم سے کہ ہے ''کیوں جا 'لا' کو دفتر میں مرے''
اس کی چالاکی کا تو اندازہ کر نوچتے ہیں اپنی داڑھی بوالبشرؑ
الحذر اے گِل پرستوں اس کا شر بس چلاؤ تیغِ لاحول اس کے سر
ہے تمھاری گھات میں بیٹھے ہوئے دیکھے وہ تم کو، نہ دیکھو گے اُسے
ڈالتے رہتا ہے وہ دانہ سدا دانہ ظاہر دام ہے اس کا چھپا
تو جہاں بھی دانہ دیکھے کر حذر تا نہ باندھے دام تیرے بال و پَر
اے کبوتر دانہ دیکھے بھاگ جا گر تو کھائے دام میں پھنس جائے گا
ہر پرندہ ترکِ دانہ جو کرے دانہ دور از مکر جنگل سے ملے
مرحبا جو مرغ دانہ رد کرے پھول باغِ قدس میں اس کا کھلے
جو بھی دانے سے پہ قانع ہوگیا دام سے با بال و پَر بچ کر رہا

اس پرندے کے حال کی تباہی جس نے حرص و لالچ سے پختہ کاری چھوڑ دی

مرغ جو بیٹھا ہے اُس دیوار پر دام و دانے پر جمائے ہے نظر
جانبِ صحرا وہ دیکھے اک نظر دانہ دیکھے حرص سے بارِ دگر
اس نظر اور اُس نظر کو تول کر ہوگیا خالی خرد سے اس کا سَر

جاکے کھایا دانہ، پھنس کر رہ گیا　　بس شکاری مارا اس کو کھالیا
وہ جو دیگر تھا تردد رد کیا　　اور نظر دانے سے صحرا لے گیا
بال و پر اس کے سلامت مرحبا　　وہ امامِ جملۂ آزاداں ہوا
جو بھی اس کو رہنما اپنا کیا　　امن و آزادی کے عالم میں رہا
شاہ وہ سب پختہ کاروں کا بنا　　گلستاں و باغ میں مسکن کیا
حزم اُس سے راضی اور وہ حزم سے　　کرنی ہو تدبیر تو ایسی کرے
دام میں رہ رہ کے تو گرتا رہا　　ذبح کی خاطر گلے کو رکھ لیا
پھر کیا توّاب نے تم کو رہا　　سن لیا توبہ تمھاری خوش کیا
تم پھرو تو ہم پھریں یہ ہے سزا　　فعل کے مانند ہوگی ہر جزا
جوڑے سے جب ایک لایا جائے گا　　جوڑ والا دوڑتے خود آئے گا
ہم سے اک جوڑا بنے فعل اور اثر　　ایک اگر آئے تو دوڑ آئے دگر
نر گر صیاد پکڑے جوڑے سے　　مادہ آئے پیچھے اس کو ڈھونڈتے
بارِ دیگر تم سوئے دام آگئے　　دیدۂ تو میں مٹی ڈال کے
پھر گرہ وہ کھول دی توّاب نے　　بھاگ جا پھر منہ نہ دکھلا بولتے
آئے گا پروانہ پھر جب بھول کا　　سوئے آتش جاں تری لے جائے گا
بھول شک کو اے پتنگے دور کر　　دیکھ لے خود اپنے تو سو زندہ پر
شکریہ ہے جب رہائی مل گئی　　سوئے دانہ پھر نہ دیکھے تو کبھی
تا کرے تو شکر، وہ انعام دے　　روزیِ بے خوف اور بے دام دے
شکرِ نعمت کر، کیا تجھ کو رہا　　چاہیے بھولے نہ انعامِ خدا
کب تلک یہ رنج کب تک یہ بلا　　حق سے بولے دام سے کر تو رہا
تا کہ میں خدمت کروں احساں کروں　　خاک اندر دیدۂ شیطاں کروں
جب خدا نے دی خلاصی از بلا　　رہ گیا ویسا ہی تو جیسا کہ تھا
بھول بیٹھا اس کو تو ہوکر رہا　　مست و بے ہوش اپنی جاں کو کرلیا

حکایت، کتوں کا ہر جاڑے میں منت ماننا کہ جب گرمی آئے گی تو ہم جاڑوں کے لیے گھر بنائیں گے

جاڑے میں کتا سمیٹے ہڈیاں   چھوٹا بن جاتا از خود اس زماں
میں کہ ہوں اتنا سا اب اپنے لیے   پتھر سے گھر بنانا چاہیے
آئے گا گرما تو پاؤں گا خوشی   ہڈیاں پھیلیں گی پھولے جسم بھی
پھول جائے پاؤں بھی سایہ میں لے   سست، غافل، سیر، اور خود سر بنے
خود کو موٹا دیکھ کر کہنے لگے   کون سا گھر اب سمائے گا مجھے
دل کہے اک گھر بنا اپنا چچا   کیا کسی گھر میں سماؤں گا بتا؟
وقتِ مشکل ہڈیاں حرصی تری   ہوں گی درہم اور سکڑی جائیں گی
بولا ہوگا توبہ کا خانہ ترا   سردیوں میں ہوگا کاشانہ ترا
درد ٹھہرا حرص کی شدت گئی   جیسے سگ ساتھ اُس کے فکرِ خانہ بھی
شکرِ نعمت خوب تر نعمت سے بھی   شکر والے کو نہ ہوگا دکھ کبھی
جانِ نعمت شکرِ نعمت جیسے پوست   شکر لے جائے تجھے تا کوئے دوست
لائے غفلت نعمت اور شکر انتباہ   پائے نعمت گر کرے تو شکرِ شاہ
شکرِ نعمت سے رہے تو سَیر و میر   تا کرے سو نعمت ایثارِ فقیر
کھائے نقل و روزیِ حق پیٹ بھر   پھر شکم خواری و دق ہوں گے کدھر
شکر ہو وہاب کا انعام پر   ٹوٹنے سے تا بچے منحوس سَر
شکرِ نعمت نعمتیں وافر کرے   کفرِ نعمت مرد کو کافر کرے

منکروں کا انبیا علیہم السلام کو نصیحت کرنے سے روکنا اور جبریوں کی طرح دلیل بیان کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو نامناسب کہنا

قوم بولی ناصحو تم بس کرو   پند سننے گاؤں میں اک کس تو ہو
ہیں دلوں پر تالے اللہ سے لگے   کون ہے جو اس پہ سبقت کر سکے

نقش یہ اپنا مصور نے کیا　　گفتگو سے یہ نہ بدلا جائے گا
سنگ کو سو سال کہہ گوہر بنا　　کہنہ کو سو بار کہہ ہوجا نیا
بول مٹی کو صفات آب لا　　یونہی شہد و شیر پانی سے بنا
نورِ خالص ہونے کہہ دے نار کو　　جائے سوئے باد کہہ مچھر کو تو
کھوٹے کو ہوجانے کہہ بالکل کھرا　　یا کہ ہوکر تیز بن جا کیمیا
ان سے کوئی وصف دیگر لائے گا　　پانی بھی کیا شہد کے گن پائے گا؟
خالقِ افلاکی و افلاک نے　　خالقِ خاکی و آب وخاک نے
آسماں کو پاکی و گردش بھی دی　　آب و گل کو تیر کی، بالیدگی
آسماں کو کب کثافت بھائے گی　　آب و ِگل میں کب صفائی آئے گی
راہ قسمت نے الگ ہر اک کو دی　　کوہ تنکا ہو نہیں سکتا کبھی

جبریوں کوانبیا علیہم السلام کا جواب دینا

انبیا بولے کہ ہاں سچ ہے یہی　　منہ نہ ان وصفوں سے موڑوگے کبھی
عارضی اوصاف بھی پیدا کیے　　گہ جوش و گہ ناپسندیدہ بنے
بولے پتھر کو ہو زر بے فائدہ　　تانبے کو کہنا کہ زر بن ہے روا
ریت سے گُل کی طلب بے فائدہ　　مٹی سے گل کی طلب کی کرنا روا
درد ہیں چارہ نہیں جن کا کوئی　　کوری، گنگ پن، ناک جوں پھیلی ہوئی
رنج وہ ہیں کہ جن کا چارہ ہے　　وہ کہ جیسے دردِ سر اور لقوہ ہے
ہیں دوائیں بہرِ جذبِ باہمی　　پس نہیں درد و دوا باطل کوئی
ہے عموماً چارہ ہر اک درد کا　　ڈھونڈ کوشش سے اگر ہاتھ آئے گا

منکروں کا جبریوں کی دلیلوں کو دہرانا

قوم بولی درد اپنے کب ہیں وہ داروؤں سے دور ہوسکتے ہیں جو
سالہا کہتے رہے افسون و پند ہر گھڑی ہوتا گیا مضبوط بند
گر دوا سے ٹلنے والا تھا مرض زائل آخر ذرّہ بھر ہوتا مرض
پانی کیوں آئے جو ہو سدّہ جگر گر پیو دریا چلے، جائے دگر
دست و پا پر بالضرور آئے ورم پانی پینے سے نہ ہوگی پیاس کم

انبیا کا پھر جبریوں کو جواب دینا

انبیا بولے ہے مایوسی بُری رحمتِ حق کی نہیں ہے حد کوئی
نااُمیدی ایسے محسن سے نہ ہو ہاتھ سے فتراکِ رحمت تھام لو
ابتدا میں کام مشکل تھے کئی جاتے جاتے جو بھی سختی تھی گئی
بعدِ نومیدی ہیں امیدیں کئی بعدِ ظلمت لائے سورج روشنی
میں نے مانا تم ہی پتھر بن گئے گوش و دل کو خود مقفل کر لئے
کیا قبولیت سے ہم کو واسطہ حکم برداری سے بڑھ کر کام کیا
حکم اطاعت کا ہمیں اس نے دیا خود سے کام اپنا نہیں ہے پند کا
زندہ ہیں اس کی اطاعت کے لیے ریت میں بونے کہے ہم بوئیں گے
امر حق میں بے ریا ہیں ہم تمام ہم سناتے ہیں تمھیں اس کا پیام
کون ہے یارِ نبی حق کے سوا خلق مانے یا نہ مانے اُس کو کیا
مردِ تبلیغ و رسالت کو وہی دوست کی خاطر ہی مول لی دشمنی
ہم نہیں رنجیدہ اس درگاہ سے تاکہ جائیں جابجا رُکتے ہوئے
دل گرفتہ ہونے والا ہے وہی قیدی ہجرِ یار میں ہو جو کوئی
چونکہ ہے مطلوب اپنے سامنے ہم ہیں ممنوں رحمتِ بسیار کے

اپنا دل ہے لالہ زار و گلستاں　　پیری و پژمردگی کو جا کہاں
ہر گھڑی تازہ، جواں ہیں اور لطیف　　ہم ہیں خنداں و شکر ریز و ظریف
ہم کو سو سال ایک ساعت ایک ہی　　ہیں الگ ہم سے دراز و کوتہ بھی
ہیں دراز و کوتہ ہیں تن کے یہاں　　وہ دراز و کوتہ ہیں جاں میں کہاں
دکھ بنا، اُن کہف والوں کے لیے　　تین سو نو سال اک دن میں کٹے
نہ لگی پھر دیر انھیں اک دن کی بھی　　کہ تینوں میں جاں عدم سے آگئی
ہوں نہ جبکہ روز و شب اور ماہ و سال　　کیا شکم سیری و پیری اور ملال
چونکہ ہے باغِ عدم میں بیخودی　　جام اور مستی ہے لطفِ ایزدی
جو نہ چکھا اور نہ جانا گند کا　　کیڑا، خوشبو پھول کی کیا پائے گا
وہم سے دوزخ کے کیوں آئے بہشت　　خوبروئی کیوں دکھائے خوکِ زشت
تم نہ پھاڑو اے بڑو اپنے گلے　　خوب لقمہ آیا ہے کھالو اِسے
راستے مشکل جو تھے طے ہوگئے　　راہیں آساں ہیں اب اپنوں کے لیے
جو چلا پیچھے ہمارے بچ گیا　　نارِ دوزخ سے وہ جنت میں چلا
جو شقاوت سے نہ مانے گا کہا　　دائمی دقّت میں ہوگا مبتلا
جو ستارے خوب ہیں لو ان کی راہ　　کہ ہو تاریکی میں اندر قعرِ چاہ

قوم کا انبیا پر مکرر اعتراض کرنا

قوم بولی گر ہو نیک اپنے لیے　　نحس و ضد، مرتد ہمارے واسطے
اپنی جاں کو کوئی اندیشہ نہ تھا　　غم میں ڈالا تم نے ہم کو رکھ دیا
جو قرابت، اتفاق اپنوں میں تھا　　فالِ بد سے سب بکھر کر رہ گیا
طوطی، ہم نقل و شکر کھاتے جو تھے　　مرغِ مرگ اندیش بن کر رہ گئے
غم اٹھانے کا جہاں بھی قصہ ہے　　اور برائی کا جہاں بھی شہرہ ہے
بد شگونی ہے جہاں اندر جہاں　　مسخ، دکھ، بندھن نظر آئے جہاں
سالِ مثال و فال، و قصہ افترا　　غم فزونی ہے تمھاری اشتہا

انبیا کا پھران کو جواب دینا

انبیا بولے تمھاری فالِ بد پاتی ہے جاں سے تمھاری ہی مدد
تو کسی جا ڈر کے سویا ہو اگر سر اٹھائے اژدہا دیکھے ادھر
مہرباں نے تجھ کو آگاہ کردیا بھاگ جا اژدہے تجھے کھا جائے گا
تو کہے کیوں بدشگونی تو نے کی بدشگونی؟ دیکھ اندر روشنی
فالِ بد کے درمیاں سے خود تجھے میں جگاتا ہوں کہ تو اب گھر چلے
غیب سے آگاہ کرتا ہے نبی دیکھے وہ جس کو نہیں دیکھا کوئی
غورہ کھانے سے جو روکے چارہ گر کہ وہ لائے گا فلاں آزارِ سر
تم یہ کہتے ہو کہ میں برقال تھا پند گو کو تم نے مجرم کہہ دیا
اک منجم تجھ سے یہ بولے اگر قصد ویسے کام کرنے کا نہ کر
تا ندامت اور نقصاں سے بچے کیونکہ اچھا نہیں تیرے لیے
جھوٹ دیکھے سو نجومی کے مگر ایک بھی سچ ہو تو جھک جائے اُدھر
یہ نجومی اپنا بولے نہ خلاف صحت اس کی ہوتی ہے اندر غلاف
جو بھی کہتے ہیں نجومی وہ گماں ہم جو کہتے ہیں وہ ہے ہم پر عیاں
دیکھتے ہیں یہ کہ آتش اور دھواں حملہ کرنے پر ہیں سوئے منکراں
تو کہے چپ رہ نہ کھول اپنی زباں فالِ بد ہے اس میں ہے اپنا زیاں
اے نہ سننے والے پندِ ناصحاں فالِ بد سے ہے تیرے جائے جہاں
ہے تعاقب میں ترے اک اژدہا دیکھ کر وہ بام سے آگہ کیا
تو کہے خاموش ہم کو دکھ نہ دے وہ کہے لو خوش رہو ہم چپ ہوئے
مارے منہ گردن پہ تیری اژدہا تلخ ہوگا تیری خوشیوں کا صلہ
پھر کہے گا تو بچا تیرا کہا کیوں نہ چلّایا گریباں پھاڑتا
یا تو بالائی سے پتھر مارتا تاکہ میں پاؤں برائی کا پتہ

وہ کہے گا کیونکہ تو رنجیدہ تھا　تو کہے گا ٹھیک ہے خوش کردیا
بولا میں نے دی شرافت سے وہ پند　تا نہ لے گھیرے میں تم کو سخت بند
حق نہ پہچانا لئیمی کے سبب　سرکشی، ایذا کا اک مایہ ہے اب
ہے یہی خاصۂ لیئمانِ دنی　ذکر ہے نیکی، ملے ان سے بدی
نفس کو کمزور کر تو صبر سے　سفلہ وہ نیکی نہیں شایاں اسے
ہے شریفوں کے لیے احساں سزا　ہوگا بدلہ سات سو ہر ایک کا
گر کرے تو سفلہ پر قہر و جفا　باوفا بندہ ترا ہوجائے گا
کافراں دیں بدلہ نعمت کا جفا　جاکے دوزخ میں کہیں گے ربّنا
پاک کرتی ہے لئیموں کو جفا　وہ جفا جو ہوں گے جب دیکھیں وفا

دوزخ کو اس عالم میں اور قید خانہ کو اس عالم میں پیدا کرنے کی حکمت تاکہ وہ کافروں کا عبادت خانہ بنے

دوزخ ان کے واسطے ہے سجدہ گاہ　مرغِ وحشی کو سدھانے کیا ہے، دام
قید عبادت خانۂ دزد لئیم　جس کے اندر ذکرِ حق میں و مقیم
ہے عبادت چونکہ مقصودِ بشر　بہرِ سرکش ہے عبادت گاہ سقر
ہر عمل میں ہے بشر کو دسترس　ہے مگر مقصود خدمت اس سے بس
اور علاوہ اس کے بھی مقصود تھا　علم تھا دانائی تھی اور سود تھا
میخ گر تو نے کیا شمشیر کو　فوقیت دی فتح پر ادبیر کو
ہے نہایت و علم مقصود بشر　پر عبادت گہ ہے ہر کسی کی دگر
ہے سعادت معبدِ مردِ کریم　اور شقاوت معبدِ مردِ لئیم
مار سفلوں کو کہ نیچے کریں　ہو کریموں پر عطا تا نفع دیں
پس خدا نے دو بنائیں مسجدیں　دوزخ اُن کے واسطے زنداں انھیں

اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ نے بادشاہوں کی صورت ان متکبروں کو تابع بنانے کے لیے بنائی ہے جو کہ اللہ کے تابع نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے احاطہ میں چھوٹا دروازہ بنایا تا کہ بنی اسرائیل کے متکبر آتے وقت جھکیں کیونکہ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں

جس طرح کہ ہڈیوں اور گوشت سے چھوٹے دروازے بنائے شاہوں نے
سجدہ کرتے ہیں انھیں اہلِ جہاں کیونکہ سجدۂ حق کے ہیں وہ منکراں
دیں بنا گوہر کی محرابیں یہاں نام محرابوں کے میر وپہلواں
حضرتِ پاکاں کہاں اور تم کدھر تم نئے خالی ہو پاکاں نیشکر
خس ہیں یہ کتوں کے آگے سرفرو شیر کو عار اس کے ہوں گر یہ گیرو
بلّی جوں کتواں چوہوں کے لیے خوف چوہوں کو لیکن شیر سے
حق کے کتوں سے انھیں لگتا ہے ڈر آفتابِ حق سے ڈر ان کو کدھر
ربیَ الاعلیٰ رہا ذکرِ کلاں ربِّ ادنیٰ ہے برائے ابلہاں
کیوں ڈریں گے چوہے جنگی شیر سے ڈرتے ہیں آہو وہ مشکیں ناف کے
چاٹ پیالہ دیگ کو بس چھوڑ دے لکھ خداوند و ولی نعمت اُسے
دیگ لے، پیالہ جو چاٹے اس کو لا اس کو ولیِ نعمت اور آقا بنا
بس کر اب تفصیل گر بولوں ابھی وہ سمجھ بیٹھے نہ ہے کچھ آپ بھی
حاصل اس کا کر برائی اے کریم تا جھکے ہمرہ لئیموں کے لئیم
گر کرے احساں لئیم نفس سے جوں لئیماں نفسِ بد کفراں کرے
اہلِ محنت اس لیے شاکر ہوئے اہلِ نعمت اس لیے طاغی بنے
ہے وہ سرکش صاحبِ زریں قبا اور شاکر خستہ و صاحب عبا
شکر ہے کب حاصلِ ملک وِنعَم شکر ہے زائیدہ تنگی و غم

کھانے سے خالی دسترخوان پر ایک صوفی کے عشق کا قصہ

سفرہ کھونٹی پر ٹنگا تھا صوفی کا   وہ تھا رقصاں اپنے کپڑے پھاڑتا
چیخا آؤ دیکھو سازِ بے نوا   دیکھو میرے فاقوں کی دکھ کی دوا
درد و سوز اس کا جو حد سے بڑھ گیا   یار اس کا ہر کوئی صوفی ہوا
قہقہوں کے ساتھ نعرے مارتے   کس قدر وہ مست و بیخود ہوگئے
بوالفضول اک بولا اے صوفی یہ کیا   سُفرہ خالی میخ سے لٹکا ہوا!
بولا جا جا نقشِ بے معنی تو جا   ڈھونڈ ہستی، نیستی تو جانے کیا
عشقِ ناں بے ناں غذائے عاشقاں   بندِ ہستی کیا نہ جانیں صادقاں
واسطہ کیا عاشقوں کو باوجود   پانے والے وہ بلا پونجی کے سود
پر نہیں عالم سبھی اڑتے پھرے   ہاتھ بن وہ گیند اچک کر لے چلے
جس نے بویائی حقیقت کی گدا   اپنی جھولی ہتھ کٹا بنتا رہا
ڈیرے ڈالے ہیں عدم میں عاشقاں   ہیں عدم کی طرح یکساں ایک جاں
شیر خوارے کو مزا کھانوں کا کیا   اور پریوں کو ہے خوشبو ہی غذا
کیسے پائے آدمی اس بؤ کی بؤ   کیونکہ اُس کی خو کی ضد ہے اس کی خو
ایسی خوش ہوتی ہے اُس بؤ سے پری   حلوہ سو من دے نہ تجھ کو وہ خوشی
خون قبطی کے لیے وہ آبِ نیل   اور آب ہی پیشِ سبطیِ جمیل
بحر اسرائیلیوں کو راستہ   تو وہ فرعوں کو ڈبونے کی جگہ
عادیوں کو بد ہوا کرّ و تبر   اور قومِ ہودؑ کو فتح و ظفر
آگ ابراہیمؑ کو جوں لالہ زار   اور وہی نمرود کو جوں زہر مار
خانداں آتش سمندر کے لیے   اور وہ دشمن مرغِ دیگر کے لیے
درد و غم حلوا ہے عاشق کے لیے   ابتلا ہے دوسروں کے واسطے

حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے سے خدائی پیالہ پینے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سے اللہ تعالیٰ کی خوشبو حاصل کرنے میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی خصوصیت اور بھائیوں وغیرہ کا ان دونوں خوبیوں سے محروم رہنا

جو ابھی یوسف سے چکھا یعقوبؑ نے　　اپنے اندر بوسے وہ جو بھی لیے
وہ انھوں نے دیکھا جو کچھ ان میں تھا　　خاص تھا وہ بھائیوں کو کب ملا
چاہ میں ان کو گرایا عشق نے　　کینہ ور کھودے کنواں اپنے لیے
سُفرہ ان کے سامنے ناں سے تہی　　پُر ادھر یعقوبؑ کا، وہ مشتہی
بن دُھلے منہ، کون دیکھے رؤئے حور　　لا صلوٰۃ بولے اِلّا بالحضور
عشق کھانا روح کو انواع کا　　اس لیے ہے بھوک جانوں کی غذا
بھوک یوسفؑ کو جو تھی یعقوبؑ کو　　دوریوں سے آرہی تھی ان کی بؤ
دوڑتا تھا وہ جو پیراہن لیے　　بؤئے پیراہن نہیں پہنچی اسے
وہ جو سو فرسخ تھا دور اس کے لیے　　بو پہنچتی تھی کہ وہ یعقوبؑ تھے
کتنے عالم علم سے ہیں بے نصیب　　وہ محافظ ہیں نہیں اس کے حبیب
سننے والا اس کی بؤ پا جائے گا　　گرچہ ہوگا وہ عوامی نوع کا
پاس اس کے پیرہن تھا عارضی　　جوں نخاسی کے یہاں لونڈی کوئی
عارضی لونڈی نخاسی کے لیے　　اس کے ہاں ہے مشتری کے واسطے
بانٹ حق کی ہے، نہ روزی خواہ کی　　حد ہے یہ رستہ نہیں دیگر کوئی
اک خیال نیک ہے اِس کو چمن　　اک خیالِ بد ہے اس کا راہزن
اک خیال اس کا نتیجہ باغ تھا　　وہ دگر عالم تہ و بالا کیا
اک خیال اللہ کا جو باغ تھا　　وہ دگر دوزخ پگھلنے کی جگہ
کون ہے جو راہ جانے باغوں کی؟　　بھٹیوں کی راہ جانا، ہے کوئی؟
دل کے حافظ میں بھی کب ہے یہ مجال　　جاں کے کس گوشے سے آتا ہے خیال

اس کے بن جس کو ہے تائید خدا جس کی ہستی کو کیا حق نے فنا
مطلع پالیتا اگر تدبیر سے بند کرتا بدظنی کے راستے
کب وہاں پہنچے قدم جاسوس کا وہ عدم میں گھات کی پنہاں جگہ
تھام دامنِ فضل اس کا کور وار ہے پکڑ اندھے کی یہ اے شہریار
دامن اس کا امر ہے فرمان ہے نیک وہ ایسا کہ تقویٰ جان ہے
ایک چمن میں اور تردد جوئے آب وہ دگر پہلو میں ہے جس کے عذاب
وہ عجب میں لوٹے یہ کیسا مزا یہ بہ حیرت قید میں وہ کیوں پھنسا
اُف یہ خشکی جبکہ ہیں چشمے رواں زرد روئی کیوں دوائیں ہیں یہاں
بولے وہ، ساتھی چمن میں آ ذرا بولے وہ اے جاں وہاں کیوں آؤں گا
جاناں آجاؤ نہیں بستہ پا بولے وہ نہ نہ نہ ہوگا ٹھہر جا
اس بیاں میں اک مثل یاد آگئی اس سے شاید فاش ہو رازِ خفی
اِس ضمن میں سناؤں قصّہ ایک کان کھول اور سن، ملے تا حصّہ ایک

ایک حاکم کے اس غلام کا قصہ جو کہ اللہ تعالیٰ کی نماز اور سرگوشی سے بہت محبت رکھتا تھا

تھا امیروں میں امیر اک نیک نام نام سنقر اس کا تھا، وہ تھا غلام
غسل چاہا میر نے وقتِ سحر دی صدا سنقر اٹھا بستر سے سر
طشلا، لنگی، مٹی لے التون سے لے کے سب حمام کو ہم جائیں گے
طشلا، تہ بند لے لیا سنقر سبھی چل دیا آقا کے ہمراہ آپ بھی
راہ میں مسجد سے آوازِ صلا کان میں سنقر کے آئی برملا
تھا جو سنقر سخت پابندِ نماز بولا میرے آقا اے بندہ نواز
اک ذرا تو اس دکاں پر ٹھہر جا تا بلا تاخیر کرلوں فرض ادا
تھا دکاں پر اور سنقر گیا منتظرِ مستِ مئے پندار تھا
اس کی دلجوئی کی خاطر ادھر اک گھڑی ٹھہرے رہا دکان پر

جب امامِ قوم باہر آگئے ہوکے فارغ سب نماز و ورد سے
چاشت تک سنقر اسی جا رہ گیا منتظر آقا بھی کچھ دیر اس کا تھا
بولا اے سنقر تو کیوں آتا نہیں بولا چھٹکارا ابھی پایا نہیں
صبر کر اے روشنی آیا ابھی میں نہیں غافل تو ہے کانوں میں ہی
صبر کرتے سات بار آواز دی آگیا نخروں سے عاجز آدمی
تھا جواب اس کا ابھی مشغول ہوں محترم! میں تاکہ باہر آسکوں
کوئی بھی مسجد میں اب باقی نہیں روک رکھا ہے تجھے کس نے وہیں
بولا باہر جس نے باندھا ہے تجھے اس نے اندر باندھ رکھا ہے مجھے
وہ جو روکا اندر آنے سے تجھے روکتا ہے باہر آنے سے مجھے
اِس طرف آنے سے جو روکے تجھے اس نے اِس جا پاؤں باندھے بندے کے
مچھلی کو جانے نہ دریا بروں خاکی کو آنے نہ دے دریا دروں
مچھلی پانی سے ہے جیواں خاک سے حیلہ و تدبیر پھر کس کام کے
قفل بھاری کھولنے والا خدا بس تو اپنا راہِ تسلیم و رضا
ذرّہ ذرّہ بھی اگر کنجی بنے وہ کھلنے پائے جز اللہ کے
اپنی تدبیروں کو تو بھولے جہاں پیر سے جاگے گی قسمت اے جواں
بھول خود کو یاد وہ تجھ کو کرے بندہ بن آزاد وہ تجھ کو کرے
چاہے آزادی و دل کی زندگی بندگی کر بندگی کر بندگی
کر خودی کو ترک پائے خدا ہو فنا فی اللہ تو پائے لقا
وصل سچوں سے چاہتے ہو فنا سب سے بہتر بالیقیں جانے خدا

انبیاعلیہم السلام کا منکروں کے قبول اور پذیرائی سے ناامید ہونا
اللہ تعالیٰ کا قول ہے یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہوگئے

دل ہی دل میں انبیا کہنے لگے اُس کو اِس کو پند ہم کرتے رہے
ٹھنڈے لوہے کو کہاں تک کوٹئے پھونک پنجرے میں کہاں تک ماریئے

ناپتے جائیں کہاں تک دمِ خر   پڑ نہیں پائے گی وہ اک ذرّہ بھر
خلق کی حرکت قضا اور وعدہ سے   دانتوں کی تیزی ہے سوزِ معدہ سے
نفسِ اول کا ہے دوم پر اثر   دُم سے پہلے مچھلی کا سڑتا ہے سر
جان یہ، پر خر چلا مانندِ تیر   حق کہا 'بــلّــغ' سو ہے یہ ناگزیر
کون تو دو میں نہیں گو جانتا   جہد کر اور دیکھ آخر تو ہے کیا
بار کشتی پر چڑھاتا ہے تو جب   تو توکّل پر کرے وہ کام تب
ہے خبر کیا ہونے والا ہے تجھے؟   غرق ہونا یا کہ بچنا ہے تجھے
گر کہے، جب تک نہ جانوں کون ہوں   میں قدم کشتی کے اوپر کیوں رکھوں
ڈوبنا یا پار ہونا ہے مجھے   بولو کس کا یار ہونا ہے مجھے
کاہے کو ایسا سفر اندر گماں   خشک امیدوں پہ جیسے دیگراں
کوئی سوداگر نہیں بننے کا تو   کیونکہ ہے یہ غیب کا رازِ دو رُو
تاجرِ تر شدہ، نازک تیری جاں   سود ہے مصلوب تجھ کو نے زیاں
بلکہ نقصاں میں ہے وہ محروم و خوار   نور اسے حاصل ہے، وہ ہے شعلہ خوار
انحصار امید پر ہے کام کا   کارِ دیں بہتر کہ تو ہوگا رہا
در پہ دستک تو نہیں کوئی جگہ   کیا ہے بہتر اس پہ بس جانے خدا

اس کا بیان کہ ایمان امید وبیم میں ہے

ہے کشش ہر پیشے کی امید سے   گرچہ گردن سعی سے تکلہ بنے
جائے تاجر صبح دم دکان پر   بر امیدِ روزی جائے دوڑ کر
روزی شاید کہ نہ ہو کیوں جائے گا   پیشِ حرماں حوصلہ کیوں پائے گا
بولے کوشش پر بھروسہ بیشتر   کاہلی لگتی ہے تجھ کو پُرخطر
کارِ دیں میں پھر تجھے اے بدگماں   کیوں ہے دامن گیر یہ خوفِ زیاں
یا نہ دیکھا حال اس بازار کا   سود میں ہیں اولیا و انبیا

کیسا معدن چلتے دنیا سے دیکھا سود کیا بازار سے ان کو ملا
آگ انھیں زیبدہ جوں خلخال ہو بحر ان کو رام جوں حمّال ہو
مردہ ان کی پھونک سے زندہ ہوا ابر سر پر سائباں بن کر رہا
لوہا جن کے واسطے جوں موم تھا بند و محکوم تھی ان کو ہوا
دفعِ دشمن کے لیے چوب ان کو مار اور مکڑی ان کی خاطر پردہ دار

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رومال کو تنور میں ڈالنا اور اس کے نہ جلنے کا قصہ

ابنِ مالک ہے انسؓ کا یہ بیاں ان کے گھر میں آیا کوئی میہماں
کی حکایت یوں بیاں بعدِ طعام رنگ دسترخواں کا پایا زرد فام
چونکہ میلا پایا، لونڈی سے کہا ڈال دے تنّور میں اُس کو ذرا
آگ کے تنّور میں خود ڈال دی لے کے دسترخوان کو اُس نے تبھی
جملہ مہماں غرقِ حیرت ہوگئے بیٹھے تھے دور کندوری دیکھنے
لائے ساعت بعد اُسے تنّور سے پاک، صاف، اجلا بنا کچھ میل کے
قوم بولی اے صحابیِ نبیؐ بچ رہا جلنے سے نکلا پاک بھی
بولے چونکہ اس کو لے کر مصطفیؐ پونچھے اپنے ہاتھ منہ اک مرتبہ
اے دلِ پُرخوف عذاب و نار کیا! قرب ایسے دست و لب سے گر ہوا
ایک بے جاں کو شرف اتنا دیا اپنے عاشق کو نہیں دے گا وہ کیا
کعبہ کے ڈھیلوں کو قبلہ کردیا میری جاں بن خاکِ مردانِ خدا
خادمہ سے مڑ کے بولے بعد ازاں اِن سے حال اپنا نہیں کرتی بیاں
ڈال دی کیوں زود ان کی بات پر جانا میں وہ راز سے تھی باخبر
کیسا دسترخوان، کتنا قیمتی آگ میں خاتون تو کیوں ڈال دی
ان بزرگوں پر بھروسا ہے مجھے آس ہے مجھ کو عباداللہ سے

کاہے کو تہبند، بولے گر تو جا بے جھجک اس آگ میں تو کود جا
کود پڑتی اس کے اندر میں تبھی ناامید ان سے نہیں ہوں میں کبھی
ڈالوں سر اپنا نہ ڈالوں اس میں خوان یہ ہے میرا اعتمادِ رازداں
خود کو تو اس کیمیا پر ڈال دے کب ہے صدقِ مرد عورات سے
مرد کا دل زن سے کمتر گر رہے دل نہیں، وہ دل ہے کمتر پیٹ سے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے قافلہ کی فریاد پہنچنے کا قصہ جو پیاس سے اور پانی نہ ہونے سے عاجز ہو گیا تھا اور مرنے کے قریب تھا اور اونٹ اور لوگ اس پیاس سے زبانیں باہر نکالے ہوئے تھے

اک وادی میں عرب کی قوم تھی قحطِ باراں سے تھی خالی مشک بھی
بیچ اُس صحرا کے وہ درماندہ تھے موت کو آواز بھی دینے لگے
ناگہاں فریاد رس کونین کے مصطفیٰؐ ان کی مدد کو آ گئے
دیکھا اس جا بڑا اک قافلہ گرم ریت اور سخت رستے پر پڑا
اونٹ جیبھیں اپنی لٹکائے ہوئے لوگ ہر جا ریت پر بے بس پڑے
رحم آیا بولے ہاں جلدی کرو جانب اس ٹیلے کے تم بھاگے چلو
آرہا ہے اک سیہ چھاگل لیے ہے رواں آقا کی جانب دوڑتے
اس سیہ کو ساتھ اس کے اوٹ کے آؤ میرے ہاں زبردستی لیے
آئے ٹیلے کی طرف وہ طالباں بعدِ اک ساعت وہی دیکھے سماں
ایک سیہ تھا اونٹ پر جاتے ہوئے ہدیہ اک پُرآب چھاگل کا لیے
پس کہا تجھ کو بلاتے ہیں تو آ اِس طرف فخرِ بشر خیرالوریٰؐ
بولا میں واقف نہیں، ہے کون وہ بولے ہیں اک ماہ رُو و قند خُو
''سید و سرور محمدؐ نورِ جاں مہتر و بہتر، شفیعِ مجرماں''
کئی طرح تعریف کی موزوں سبھی بولا جادوگر ہے وہ شاید وہی

کی خرابی اک گروہ کی سحر سے ‌ ‌ بالشت آدھی بھی نہ جاؤں چھوڑیئے
کھینچے تانے اس کو لے آئے وہاں ‌ ‌ اس نے شور و غُل مچایا، کی فغاں
کھینچ لائے وہ اسے پیشِ نبیؐ ‌ ‌ بولے پانی لو پیو اور بھرلو سبھی
کردیے سیراب سب کو مشک سے ‌ ‌ ہر کوئی اور اونٹ سارے پی چکے
بھر لیے مشک اور پکھال اُس مشک سے ‌ ‌ ابر خیرہ آسماں سے دیکھ کے
کس نے دیکھ ایک چھاگل پانی سے ‌ ‌ جلتے دوزخ کتنے ٹھنڈے ہوسکے
یہ کسی نے دیکھا ایک ہی مشک سے ‌ ‌ مشک کتنے پانی سے پُر ہوگئے
مشک خود روپوش تھا اور موج فضل ‌ ‌ آئی اس کے حکم سے راز بحرِ اصل
جوش کھاکر پانی بنتا ہے ہوا ‌ ‌ اور ہوا کو پانی سردی نے کیا
بلکہ بے اسباب، حکمت سے ورے ‌ ‌ خود عدم سے پانی حق پیدا کرے
طفلی سے تیری سبب پر ہے نگاہ ‌ ‌ ہے سبب پر جہل سے چپکا ہوا
تو سبب دیکھا، مسبب کو نہیں ‌ ‌ اس لیے ہے پردہ پوشوں کا یقیں
جب فنا ہوں گے سبب پیٹے تو سَر ‌ ‌ ربّنا یا ربّنا کرتا ہے کر
بولے رب اب ڈھونڈتے جا تو سبب ‌ ‌ تو کیا صنعت کو میری یاد عجب
بولے اس کے بعد دیکھوں تجھ کو ہی ‌ ‌ پھر نہ دیکھوں گا سبب کو میں کبھی
گر میں لوٹاؤں کرے گا تو وہی ‌ ‌ سست توبہ بھی ترا میثاق بھی
وہ نہ دیکھوں میں مگر رحمت کروں ‌ ‌ پر ہوں رحمت سے، اسی سے کام لوں
کام میرا جملہ احسان و وفا ‌ ‌ تیرا بدعہدی و تقصیر و خطا
ہے سبب میں اس سے تو الجھا ہوا ‌ ‌ چونکہ تو معذور ہے ایسا رہا
قافلہ حیران اس کے کام سے ‌ ‌ یا محمدؐ، بحر خو، یوں کس لیے
کردیا پوشیدہ مشک خُرد کو ‌ ‌ غرق کرڈالا عرب اور کُرد کو

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے اس غلام کی مشک کا بھر جانا اور خدا کے حکم سے اس غلام کا چہرہ سفید ہو جانا

اے غلام اب بھر لے اپنا مشک بھی — تا شکوہ ہو نہ بدگوئی کوئی
معجزہ یہ دیکھ کر حیراں سیاہ — لامکاں سے اس کو ایماں مل گیا
تھا ہوا میں چشمہ اک بہتا ہوا — اور فیض اس کا چھپائے مشک تھا
آنکھ پر پردہ جو تھا سو اُٹھ گیا — بہتا دھارا غیب کا درپیش تھا
اشک پس آنکھوں میں بھر لایا غلام — بھول بیٹھا خواجہ کا اپنا مقام
دست و پا عاجز تھے اب چلنے سے راہ — جاں میں من جانبِ اللہ اک زلزلہ
مصلحت سے آپؐ نے کھینچا اسے — ہوش آجا اور اپنی راہ لے
ہے مقامِ حیرت آگے اب کہاں — راہ کر پھرتی سے طے تو اس زماں
رخ پہ رکھّے اس نے دستِ مصطفیٰؐ — عاشقانہ بوسے ہاتھوں کو دیا
مصطفیٰؐ خود اپنے دستِ پاک سے — مل کے چہرہ اس کو بابرکت کیے
زندگی وہ جس سے وہ اجلا ہوا — بد رسا اور روزِ روشن ہوگیا
بن گیا وہ حسن میں یوسف جمال — بولے جا اب سب کو بتلا اپنا حال
مست اندھا دھند وہ بھی چل دیا — ہوش دست و پا کا بھی وہ کھودیا
آگیا وہ دو بھرے چھاگل لیے — سوئے خواجہ کارواں کی سمت سے
منتظر خواجہ بھی تھا بیٹھا ہوا — اور بندہ اس کا بروقت آگیا

آقا کا اپنے غلام کو سفید چہرے والا دیکھنا اور نہ پہچاننا کہ وہی ہے اور غلام سے کہنا کہ تو نے میرے غلام کو قتل کیا ہے اور اس کے خون نے تجھے گرفتار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تجھے میرے ہاتھ میں ڈال دیا ہے

خواجہ دیکھا دور سے حیران تھا — گاؤں والوں کو وہیں بلوا لیا
میرا چھاگل، یہ شتر میرا بجا — بندۂ حبشی مرا کیا ہوگیا

آئے ہے وہ بدرِ کامل دور سے دن پہ حاوی ہے اپنے نور سے
وہ غلام کہاں کیا ہوگیا بھیڑیا شاید کہ اس کو کھا گیا
شاید اس کو مارا ہے یہ بدگہر اونٹ قسمت سے اسے لایا اِدھر
کون تو پوچھا جب آگے آگیا یا ہے ترکی یا یمن زادہ بتا
میرے بندے کو بتا تو کیا کیا حیلے مت کر، قتل کر ڈالا ہے کیا؟
قتل گر کرتا تو کیا آتا، نہیں اپنے چل کے میں آتا کہیں
بولا نہ نہ میں نہ مانوں گا اسے بول سچ سچ کچھ نہ ہوگا اسے
ہے کہاں بندہ مرا، میں خود ہوں لے فضلِ رب نے کردیا روشن مجھے
صدر دیکھا بدر خود میں ہوگیا صاحبِ فضل و مقدریں بنا
ہے کہاں بندہ مرا مجھ کو بتا بچ نہیں سکتا تو سچ بولے بِنا
بولا تیرے راز اس بندے کے ساتھ جملہ بتلاتا ہوں میں ایک ایک بات
جب سے تو نے مول کر لایا مجھے جو ہوا اب تک سناتا ہوں تجھے
تا بتاؤں ہے وہی میرا وجود ہوگئی گو رات سے دن کی نمود
رنگ بدلا پر وہی ہے جانِ پاک اب نہیں وہ رنگ، وہ ارکان خاک
تن شناسوں کے لیے ہم گم رہے آب نوشاں ترکِ مشک وخُم کیے
جان جائے جان کو از راہِ جاں یار بین بن تو اے فرزندِ گماں
عقل و افرشتہ ہیں ہم رشتہ مگر مختلف صورت میں ہیں از یک دگر
عقل و افرشتہ کی ہے اک اصل پر آگے پیچھے جس طرح دُم اور سَر
جیسے مرغ افرشتہ مانگے بال و پَر عقل چھوڑے بال و پَر کو مانگے فرّ
دونوں اک دیگر کے حامی ہوگئے پیٹھ چہرہ سکّہ ایک ہی ہوگئے
عقل و افرشتہ ہیں دونوں حق رساں ہر دو آدم کے معاون و ساجداں
نفس و شیطاں ابتدا سے ایک تھے حاسد و دشمن تھے آدم کے بڑے
جس نے تن آدم کو پایا ڈر گیا نور پایا جس نے سر کو خم کیا

وہ دو آنکھیں اس سے روشن ہوگئیں   اور ان دو نے نہ دیکھا غیر طیں
برف میں خر کی طرح ہے یہ بیاں   جس طرح پیشِ یہود انجیل خواں
کیسے پیشِ شیعہ ہو ذکرِ عمر   کیسے ہو بربط نوازی پیش کر
گاؤں کے کونے میں گر یک کس رہے   میری ھا وھو کو وہ اک بس کرے
ڈھیلے پتھر مستحق کے واسطے   بولتے ہیں خود زبانِ حال سے

اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے اور زمین وآسمان واعیان وعرض سب درخواست اور حاجت کی بنا پر پیدا کیے اور اپنے آپ کو دوسری چیزوں کا محتاج بنانا چاہیے تا کہ وہ عطا کرے کیونکہ اس نے فرمایا ہے کون ہے جو مجبور کی دعا سنے جب کہ وہ اس کو پکارے اور مجبوری کو اس نے مستحق ہونے کا گواہ بنایا ہے

تھا نیاز و دردِ مریمؑ ہی سبب   طفل نے گفتار کو کھولے جو لب
جزو ان کا خود بنا ان کا گوا   خفیہ بولے تجھ سے جوں ہر جزو ترا
دست و پا ہوجائیں گے تیرے گوا   دست و پا جھٹلانے کتنے لائے گا
مستحق شرح و بیاں کا تو نہ تھا   پس نہ تھا ناطق میں ذوقِ ناطقہ
جو اُگے محتاج کی خاطر اُگے   تا کہ جو چاہے وہ اس کو مل سکے
آسمان اللہ نے پیدا کیے   تو کئے بس دفعِ حاجت کے لیے
جو بھی چاہے آخر اُس کو پاسکے   درد اس کا مایہ و حاصل بنے
ہو جہاں بھی درد اُدھر جائے دوا   ہو جہاں بھی فقر اُدھر جائے نوا
ہو جہاں مشکل جواب اُس جا چلے   جس جگہ کھیتی ہو آب اس جا چلے
پیاس قبل از آب تجھ کو چاہیے   جو میں تا آب آئے اوپر نیچے سے
جب تلک بچہ جنم لے گا نہیں   دودھ پستانوں سے نکلے گا نہیں

پست و بالا راہ طے کر دوڑتے تا کہ شدت پیاس، گرمی کی بڑھے
پھر ہوا میں شور بادل کا سنے بہتے پانی کی صدا بھی سن سکے
گھاس سے کم تر نہ ہو حاجت تجھے تا ہو خود سیراب، ادھر بھی لے چلے
کان کھینچے اس کو لے جائے تو ہی خشک کھیتی کی طرف، پائے خوشی
جاں کی کھیتی میں کہ ہیں جوہر چھپے ابر رحمت کے ہیں کوثر سے بھرے
تا کیا سیراب حق، آئے صدا تشنہ رہ، بس جانے بہتر خود خدا

ایک کافر کا دودھ پیتے بچے کو لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اور اس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے بولنا

سن! اسی گاؤں سے اک زن از کافراں آئی پیغمبرؐ کی جانب از برائے امتحاں
چادر اوڑھے تھی نبیؐ کے سامنے طفلِ دو مہ اپنی گودی میں لیے
طفل بولا ہو سلام اللہ کا یا نبیؐ قصد آپ کا ہم نے کیا
بولی ماں غصّہ میں، بس خاموش رہ پہنچی کانوں میں ترے کیوں یہ صدا
ننھے! کس نے تجھ کو یہ تعلیم دی تیز جو تیری زباں چلنے لگی
بولا حق نے روحؑ سے سکھلا دیا ہوں بیاں میں ہم زباں جبریلؑ کا
وہ کہاں پوچھی، کہا بالائے سَر گر نہ دیکھے پھر بھی اوپر کر نظر
سر پہ خود تیرے کھڑے ہیں جبرئیلؑ سو طرح ہیں میرے حق میں وہ دلیل
پوچھی کیا تو دیکھتا ہے؟ ہاں کہا سر پہ تیرے چودھویں کے چاند سا
وہ بیاں وصفِ نبیؐ کرتے ہوئے مجھ کو پستی سے رہا کرنے لگے
بولے آقاؐ، شیر خوار! اب تو بتا نام کیا ہے، اور مطیع ہوجا مرا
بولا نام عبدالعزیز اللہ کے ہاں عبدِ عُزّیٰ کہتے ہیں مجھ کو خراں
پاک میں عزّیٰ سے بیزار و بری حقّا، جس نے تم کو دی پیغمبری
بچہ دو ماہا، مکمل چاند سا درسِ بالغ میرِ محفل سا دیا

پس حنوطِ جنت اس دم آگئی طفل و مادر نے بُو اس کی سونگھ لی
ڈر زوالِ بُو کا لاحق ہوگیا بولے جاں خوشبو پہ دے دینا بھلا
وہ کہ مدحت جس کی خود اللہ کرے جامد و جاندار جس کو داد دے
وہ کہ جس کی مدح خود اللہ کرے جامد و جاندار بھی صادق کہے
وہ کہ حافظ اُس کا رب دو جہاں مرغ و ماہی جملہ اس کے پاسباں

باز کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے کو ہوا میں لے اڑنا اور اوندھا کرنا اور موزے سے سیاہ سانپ کا گرنا

تھے اسی میں جب کہ آوازِ صدا آئی اوپر سے بگوشِ مصطفیٰؐ
پانی مانگا اور وضو تازہ کیا ہاتھ منھ سرد آب ہی سے دھو لیا
دونوں پا دھوئے قصدِ موزہ کیا لے گیا ایک موزہ موزہ ربا
ہاتھ موزے کو بڑھائے خوش خطاب لے گیا موزے کو ساتھ اپنے عقاب
لے گیا موزا اُڑاکر جوں ہوا اور کیا اوندھا تو سانپ اس سے گرا
آگرا موزے سے اک مارِ سیاہ بن گیا باز اس عمل سے نیک خواہ
لا دیا دوبارہ اس موزے کو باز بولا لیجے جایئے بہر نماز
میں نے مجبوری میں یہ گستاخی کی مولی از ترکِ ادب شرمندگی
حیف گستاخ، اس میں جو پاؤں رکھے بے ضرورت، خواہشِ نفسانی سے
بعدِ ادائے شکر بولے مصطفیٰؐ ہم جفا سمجھے جسے وہ تھی وفا
تو نے موزہ چھینا، میں غصّہ ہوا غم ہٹانے پر ترے میں غمزدہ
گرچہ حق نے غیب ظاہر کردیا دل تب اپنے آپ میں مشغول تھا
دور ہے، غفلت ہو سرزد آپ سے علمِ غیبی، آپ کا احساں مجھے
مار موزے میں، مَیں دیکھوں در ہوا کب ہے ممکن، جز بفیضِ مصطفیٰؐ
نور کا سایہ ہے جملہ روشنی اور سیہ باطن کا گدلا ہی سبھی

عکس نیکوں کا ہو نورانی سبھی ۔۔۔ عکس بیگانوں کا کوری ہر کبھی
عکسِ ہر کس کو سمجھ اور دیکھ لے ۔۔۔ پھر جسے چاہے تؤ اپنا لے اسے

اس حکایت سے عبرت حاصل کرنے کا پہلو اور یقینی طور پر جاننا کہ تنگی کے ساتھ سہولت ہے

عبرت اس قصّہ میں ہے تیرے لیے ۔۔۔ راضی ہر حکمِ خدا پر تو رہے
تا رہے ہشیار تؤ اور خوش گماں ۔۔۔ واقعہ بد جب بھی دیکھے ناگہاں
زرد اس کے خوف سے ہی دیگراں ۔۔۔ تؤ سدا خوش فائدہ ہو یا زیاں
پتّی اک اس گل کی گر تؤ توڑ دے ۔۔۔ نہ ہنسی چھوڑے نہ وہ کبڑا بنے
بولے، میں کانٹے سے غم میں کیوں پڑوں ۔۔۔ کانٹوں ہی سے یہ ہنسی میں پایا ہوں
جو بھی کھویا تو نے از روئے قضا ۔۔۔ کر یقیں وہ ہے تجھے ردِ بلا
ہے تصوف وہ، بوقتِ ابتلا ۔۔۔ دل میں احساسِ خوشی کا جاگنا
در حقیقت درد خود ہی باز تھا ۔۔۔ موزہ آقاؐ کا ہوا میں لے چلا
تا نہ کھائے پائے اقدس زخمِ مار ۔۔۔ مرحبا وہ عقل کہ ہے بے غبار
غم نہ ہو اس کا جو تم نے کھو دیا ۔۔۔ گرگ بکری بھی اگرچہ کھا لیا
فوت گر ہوجائے کچھ غم مت کرو ۔۔۔ کیونکہ جائے گا پرانا آئے نو
گر مصیبت آئے اس کا غم نہ کر ۔۔۔ غم نہ کر نقصاں اٹھائے بھی اگر
وہ بلا سنگیں بلاؤں کو ہے رد ۔۔۔ اور وہ نقصاں بھاری نقصانوں کو سَر
راحتِ جاں پائے گر کھو جائے مال ۔۔۔ ہے ذخیرہ مال کا جاں پر وبال

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص کی چوپایوں اور پرندوں کی زبان سیکھنے کی درخواست اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس کو قبول کر لینا

بولا موسیٰؑ سے کوئی مردِ جواں ۔۔۔ مجھ کو حیوانوں کی سکھلا دو زباں
باتیں حیوانات کی میں جان لوں ۔۔۔ دیں میں عبرت اس سے تا حاصل کروں

بس زبانوں سے بنی آدم تمام — مکر و آب و خور سے ہی رکھتے ہیں کام
وِرد حیوانوں کا شاید ہو دگر — انتہا کی سوچ پر ہوگا بسر
بولے موسیٰ چل ہوس یہ ترک کر — پیش و پس یہ مشغلہ ہے پُرخطر
آ گہی، عبرت خدا سے کر طلب — کاہے کو اقوال و دفتر حرف و لب
اس کا ذوق ان کار سے افزوں ہوا — منع سے اصرار ہوتا ہے سوا
بولا موسیٰ نور جب چمکا ترا — کچھ نہ کچھ جو بھی تھا اس کو مل گیا
روکتے ہو مجھ کو تم مقصود سے — یہ نہیں لائق تمھارے جود سے
نائبِ حق اس زمانے کے ہو تم — ہوگی نومیدی مجھے روکو جو تم
بولے موسیٰ یہ تھا اک مردِ سلیم — اس کو بہکایا شیطانِ رجیم
گر سکھاؤں تو یہ نقصاں اٹھائے — ورنہ ڈر یہ ہے کہ بددل ہو نہ جائے
بولا، موسیٰ ہاں سکھا، ہم نے کبھی — رد کوئی ہرگز دعا ہم نے نہ کی
بولے ہوگی پھر اسے شرمندگی — کاٹ کھائے ہاتھ، پھاڑے جامہ بھی
کب ہے قدرت ہر کسی کو ساز وار — عاجزی ہے مایہ پرہیزگار
فقر اس رو سے ہے فخرِ جاوداں — کیونکہ محرومی ہے تقوے کا نشاں
مالدار و مال مردود اس لیے — صبر کھو دیتے ہیں وہ مقدور سے
عجز و ناداری سے انساں زر اماں — اور بلائے نفس سے آزارِ جاں
غم حصولِ آرزو ہائے کثیر — اس کا عادی ہوگا شیطاں کا اسیر
ہے کشش گِل کی طرف گِل خوار کو — راس ہے گل قند کب نادار کو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی آنا کہ اس کو کچھ تھوڑا سا سکھا دو جس کی وہ درخواست کرتا ہے

بولا یزداں دے اسے جو چاہیے — ہاتھ بہرِ کار اس کے کھول دے
اختیارِ کار عبادت کو نمک — بے ارادہ ورنہ گرداں ہے فلک

اجر گردش نہ پائے و عذاب ہے ارادہ ہی اہم وقتِ حساب
یوں تو ہے تسبیح خواں عالم تمام اجر کو اس بندگی سے کیا ہے کام
دے اسے تلوار کر بااختیار تاکہ وہ غازی بنے یا راہ مار
رُتبہ آدم کو ہے وجہِ اختیار آدھا مکھی شہد کی آدھا وہ مار
کان، مومن شہد کی زنبور وار زہر کا معدن نہیں کافر جیسے مار
کھاتے ہیں پسندیدہ نبات تاکہ جون زنبور وہ اُگلے حیات
مرغ اسے فوراً اُچک کر لے گیا بولا کتّا، ظلم یہ تو نے کیا
جن کے کھا سکتا ہے تو گندم مگر دانہ چگنے سے میں عاجز اپنے گھر
گیہوں، جو ایسے دانے جو بھی ہیں تؤ تو کھا سکتا ہے پر کیوں کھاؤں میں
اپنے حصے کا وہ ایک ہی پارہ ناں گر تو چھینے کتّا جائے گا کہاں
پھر پیا کافر نے شربت پیپ کا اس غذا سے زہر کا معدن بنا
انبیا و اولیا عینِ حیات بندگانِ نفس ہیں سمِّ ممات
دہر میں مدح و ثنا و آگہی ثمرۂ جزم، اختیار و آگہی
سوئے زنداں جائیں گے رنداں سبھی ذکرِ حق میں ہوں گے زاہد، متقی
جب نہ ہو قدرت عمل کھوٹا رہے دیکھ مایہ چھن نہ جائے موت سے
سود کا سرمایہ ہے یہ اختیار کر حفاظت وقت قدرت ہوشیار
اسپِ کرّمنا پہ ہے انساں سوار عقل کے ہاتھوں عناں اختیار
پند دی موسیٰؑ نے اس کو لطف سے ہو نہ دیکھ اس قصد سے شامت تجھے
اس جنوں کو ترک کر اللہ سے ڈر تجھ کو شیطاں نے کہا یہ مکر کر
دردِ سر کیوں مولنے آیا ہے جا قصد تیر منبع ہے آفات کا

اس طالب انسان کا گھریلو مرغ اور کتے کی زبان سیکھنے پر قانع ہو جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کو مان جانا

بولا کہنا در کے کتّے کا سہی   جانوں باتیں اپنے مرغِ خانہ کی
بولے موسیٰ لے اجازت مل گئی   جان لے گا اب تو باتیں دونوں کی
دوسرے دن از برائے امتحاں   منتظر تھا اپنی چوکھٹ پر جہاں
خادمہ لے جھاڑا دسترخواں وہاں   جھڑ پڑے شب کے بقیہ پارہ ناں

مرغ کا کتے کو جواب

مرغ بولا بند رکھ منہ غم نہ کھا   اس سے بھی بہتر غذا دے گا خدا
گھوڑا اپنے خواجہ کا مر جائے گا   غم نہ کر کل سیر ہوکر کھائے گا
عید کتّوں کو جو گھوڑا مرگیا   رزق بے محنت بہت ہاتھ آئے گا
بیچا گھوڑا خواجہ نے جب یہ سنا   پیشِ سگ وہ مرغ شرمندہ ہوا
روز دیگر بھی یوں ہی ناں لے چلا   مرغ سے کتّے نے غصّے میں کہا
تو نے اے مکّار جھوٹی بات کی   جھوٹا، ظالم ہے بڑا بے شرم بھی
دی خبر گھوڑا مرے گا، کیا ہوا؟   تو نجومی کور، جھوٹا سب کہا
بولا اس کو پھر وہ مرغِ باخبر   گھوڑا وہ جاکر مرا جائے دگر
بیچ ڈالا گھوڑا نقصاں سے بچا   اپنا نقصاں دوسروں کے سر کیا
کٹھر خچر اس کا کل مر جائے گا   حصّہ اس نعمت کا کتّوں کو رہا
بیچ ڈالا اس نے وہ خچر تبھی   پایا چھٹکارا زیاں سے غم سے بھی
تیسرے دن بولا جھوٹے مرغ بول   جھوٹوں کے سردار اے باطل کے ڈھول
کب تلک بولے گا جھوٹ اے بےفروغ   تو ہے دوغی سب ترے ماں دوغ دوغ
بیچ ڈالا اس نے خچر بھی تبھی   اس کے نوکر پر اب آفت آئے گی

بیچ ڈالا بن کے یہ اپنا غلام   بچ کے نقصاں سے ہوا وہ شادکام
ہوکے خوش دل شکر ادا اس نے کیا   اور کہا تین آفتوں سے بچ گیا
مرغ اور کتے کی باتیں سیکھ کر   آنکھ بدبختی سی دی سر بسر

تین وعدوں کے جھوٹے ہو جانے سے مرغ کا کتے کے سامنے شرمندہ ہونا

پھر کہا اس کو سگِ محروم نے   بول طاق و جفت تیرے کیا ہوئے
جھوٹ، مکاری، یوں ہی کب تک تری   جھوٹ سے ہٹ کر بھی کچھ بولا کبھی
دور مجھ سے اور میری قوم سے   جھوٹ ہم بولیں، کوئی دھتکار دے
مرغ ہم مثلِ موذّن راست گو   اپنی سورج پر نظر ہم وقت جو
ہم ہیں سورج کے نگہباں از دروں   طشت بھی ہم پر اگر کردے نگوں
پاسباں خورشید کے ہیں اولیاء   جانیں انسانوں میں اسرارِ خدا
کام اپنا صبح کو بانگِ نماز   ہدیۂ حق بہرِ انساں در جہاز
ہم جو لے بیٹھیں اذاں بے وقت اگر   اس کے بدلے ہم کو دے دینا ہے سَر
بولنا بے وقت حیَّ علی الفلاح   باعثِ تذلیل ہو اور خوں مباح
وہ کہ جو معصوم ہو اور بے خطا   مرغِ وحیِ جاں وہی کہلائے گا
بندہ مر جائے جو پیش مشتری   مشتری کو بات گھاٹے کی ہوئی
دھن سے اپنے غیر کا گھاٹا کیا   سچ تو یہ ہے خون خود کا کرلیا
کتنے گھاٹے کرتا ہے رداک زیاں   صدقہ مال و تن ہے بہر حفظِ جاں
پیش شاہاں جبکہ ہو لاحق سزا   فدیہ دے کر لیتے ہیں سر کو بچا
چونکہ ہے بیگانہ حکمِ قضا   مال کو اپنے تو رکھتا ہے چھپا
مال تیرا تجھ پہ صدقہ گر ہوا   نفع ہے اس میں نہیں گھاٹا ترا

مرغ کا آقا کے مرنے کی خبر دینا

کل مگر موت آئے گی خود خواجہ کی　　کاٹے وہ غم دیدہ وارث گائے بھی
گھر کا مالک گھر سے مر کر جائے گا　　چکنی چپڑی کل تو پائے گا غذا
کل بٹیں گے نان پارے اور طعام　　پائیں گے کوچہ کے جملہ خاص و عام
گوشت قربانی کا پھلکی روٹیاں　　کھائیں گے بن مانگے سائل اور سگاں
مرگئے جو گھوڑا، خچر اور غلام　　فدیہ اس کی جان کے ہی تھے تمام
مال کے نقصاں و غم سے ڈر گیا　　مال کو افزوں کیا جاں دے دیا
کیا ہے مقصودِ ریاضِ عاشقاں؟　　کاہشِ تن اور استحکامِ جاں
گر نہیں ہے حق میں سالک کے بقا　　کاہے کو پھر کاہشِ تن اور فنا
کیوں ہلائے دستِ ایثار و عمل　　دین جب تک کہ نہ ہو جاں کا بدل
دینے والا بے امیدِ فائدہ　　وہ خدا ہے، وہ خدا ہے، وہ خدا
یا ولی اپنائے جو خوئے خدا　　روشنی لی حق سے، روشن ہوگیا
وہ غنی اس کے سوا جو ہے فقیر　　کون بولے بن بدل لے اے فقیر
سیب بچہ تا نہ دیکھے سامنے　　چھوڑے کیوں گندہ پیاز وہ آپ ہنسے
ہے یہی بازاروں سے اپنی غرض　　دکاں کے لوگ بھی بہرِ عوض
وہ نمائش کرتے ہیں سو مال کی　　فکرِ عوض کی رکھ کے اپنے دل میں ہی
اک سلام ایسا تو سن سکتا نہیں　　جو نہ تھامے آخرت میں آستیں
بے طمع میں نے نہ دیکھا اک سلام　　خاص ہو یا عام کوئی، والسلام
ہاں سلامِ حق ہے، اس کو چاہ تو　　خانہ خانہ، ہر کسی جا کوبکو
میں نے اہل اللہ سے پایا سلام　　اور انہی سے پایا اللہ کا پیام
اس توقع سے سلامِ دیگراں　　سنتا ہوں دل سے، وہ ہے مرغوبِ جاں
وہ سلام اُس سے سلامِ حق ہوا　　خان و مان سب کچھ کیا اس نے فنا

خود سے مردہ زندہ وہ از قرب رب سو مشرف سرِ حق سے اس کے لب
مرگِ تن اندر ریاضت زندگی رنج تن کو روح کو پائندگی
گوشِ جاں سے سن رہا تھا وہ خبیث اور اس کا مرغ تھا محوِ حدیث

اس شخص کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف پناہ کے لیے دوڑنا جب اس نے اپنی موت کی خبر سنی

سنتے ہی یہ سب وہ تیزی سے چلا در پہ موسیٰ کے تبھی حاضر ہوا
ڈر سے چہرہ خاک پر ملنے لگا بولا پہنچو داد کو موسیٰ ذرا
بولے خود کو بیچ دے چھٹکارا پا خود نکل آ چَر سے تو ماہر رہا
مومنوں کو جاکے پہنچا تو زیاں کر دو گنا کیسہ و ہمیانیاں
اینٹ میں ہی میں نے دیکھی یہ قضا پھر تو آئینہ میں سب کچھ پا لیا
عاقل اول جان لیتے ہیں مآل جو بھی آخر دیکھتے ہیں تنگ حال
پھر کہا رو کر کہ نیکو خصال مل نہ دے منہ پر، مرے سر پر نہ ڈال
ہوگیا مجھ سے وہ جو تھا ناسزا ناسزا ہوں دیجئے حسنِ جزا
بولے تیر اب شست سے چھوٹا چلا غیر ممکن پھر نہ واپس آئے گا
عرض کرتا ہوں پر اس کے عدل سے تاکہ ایماں کو ترے سالم رکھے
ساتھ جو ایمان لانے زندہ وہ جو بھی باایماں چلے پایندہ وہ
پس اسی دم حال بگڑا خواجہ کا آئی متلی طشت اک لایا گیا
موت کی متلی تھی وہ ہیضہ نہ تھا قے سے اب بدبخت کو کیا فائدہ
چار مردوں کے سہارے گھر چلا پنڈلی سے پنڈلی رگڑ کو لگا
پند موسیٰ سن کے گستاخی کرے دھار پر تلوار خود جا گرے
شرم جاں سے آئے گی کیوں تیغ کو یہ ترا حصہ ہے بھائی جان تو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس شخص کی سلامتی ایمان کی دعا کرنا

کی دعا موسیٰؑ نے آخر صبح کو   یا خدا اس کا نہ لے ایمان تُو
بخش دے شاہانہ اس کا جرم تو   سو سے کی اس نے گستاخی، غُلو
بولا علم ایسا نہیں تجھ کو سزا   اس نے سمجھا ٹالنے ایسا کہا
اژدہے پر ہاتھ ڈالے گا وہی   جو بنائے اژدہا لاٹھی کو بھی
سرِّ غیب اس کو بتانا چاہیے   بند جو اپنی زباں کو رکھ سکے
قابلِ دریا نہیں جز مرغِ آب   فہم کر واللہ اعلم بالصواب
وہ گیا دریا میں مرغابی نہ تھا   ہوگیا غرق اے خدا اس کو بچا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو خدائے تعالیٰ کا قبول فرمانا

بولا ایماں اس کو بخشا میں نے ہاں   گر تو چاہے اس کو لوٹاؤں گا جاں
بلکہ سارے مردگانِ خاک بھی   تیری خاطر زندہ کر ڈالوں ابھی
بولے موسیٰؑ یہ تو ہے فانی جہاں   وہ جہاں روشن ہے کر زندہ وہاں
فانی ہے ابدی نہیں ہے یہ جگہ   لوٹنا یوں عارضی کس کام کا
رحمتیں برسا تو اُن پر اس زماں   لوگ جو موجود ہیں اپنے یہاں
تاکہ جانے یہ زیانِ جسم و مال   فائدہ ہے جان کا، جائے وبال
کر ریاضت اور بجاں بن مشتری   تن بخدمت سونپ تا ہو جاں بری
بن گیا گر قصد بن طاعت گزار   شکر کے سجدے لٹا اے کامگار
حق نے کروائی ریاضت شکر کر   امرِ کن سے اس نے کھینچا ہے ادھر

اس عورت کی حکایت جس کی اولاد نہ جیتی تھی اس نے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا اور جواب آیا کہ یہ تیری ریاضت کا بدل اور مجاہدے کے قائم مقام ہے

یہ حکایت سن، سبق تو اس سے لے　　تا نہ غمگین نقص و نقصاں کر سکے
ہر برس دیتی جنم وہ زن پسر　　بڑھ کے چھے مہ سے نہ جیتا وہ مگر
تین مہ یا چار مہ جیتا تھا بس　　نالہ کی زن، اے خدا فریاد رس
بوجھ نو مہ تین مہ کی بس خوشی؟　　کم رہی نعمت دھنک سے بھی مری
کی شکایت پیشِ اہل اللہ بھی　　اپنے درد و شدت آلام کی
بیس بچے اپنے نذرِ گور کی　　دل میں آگ اس کے بھڑکتی ہی چلی
ایک شب جنت دکھائی دی اسے　　سبز شاداب اک چمن جوں سامنے
میں نے باغ الوانِ نعمت کو کہا　　سبز کیا ہے، دائمی مہماں سرا
آنکھ بھی دیکھی نہیں کیا ذکرِ باغ　　نامِ نورِ غیب نزدِ حق چراغ
دینی ہے تشبیہ اک بے مثل کو　　تا جو ہے حیراں وہ پائے اس کی بوٗ
الغرض زن دیکھ کر سرشار تھی　　اور تجلّی میں ضعیفہ کھو گئی
قصر تھا منسوب اس کے نام سے　　اس کو اپنا جانا نیک اطوار نے
بولے پھر نعمت ہے یہ اس کے لئے　　جو نہ چاہے کچھ بجز اللہ کے
خدمتِ بسیار کرنی چاہیے　　بڑھ کے چکھنے سے تو پھل نا کھا سکے
چونکہ تو کاہل رہی دور دعا　　حق نے رکھا مشکلوں میں مبتلا
بولی یارب مجھ کو سو سال اور فزوں　　دکھ یونہی دے اور بہادے میرا خوں
بڑھ کے اندر باغ کے جب آ گئی　　اس کے فرزنداں نظر آئے سبھی
بولی مجھ سے گم تھے وہ تجھ سے نہیں　　بے دو چشم انساں ہے کہیں
کی نہ تو نے قصد ناک از خود بہی　　خون فاضل بہہ گیا، جاں بچ گئی
مغز ہر میوے کا بہتر پوست سے　　پوست تن مغز دوست اس کے لئے
مغز عمدہ ہے نشانِ آدمی　　کر طلب اُس کو ہے گر خوں اس کا ہی

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لڑائی میں بغیر زرہ کے آنا

جب جواں تھے حمزہؓ حضرتؐ کے چچا جنگ لڑتے تھے زرہ پہنے سدا
عمرِ آخر میں بوقتِ معرکہ ٹوٹ پڑتے تھے صفوں پر بے زرہ
بے زرہ بڑھ بڑھ کے سینہ تان کر کود پڑتے تھے صف شمشیر پر
لوگ پوچھے اے پیمبر کے چچا صف شکن شیر اور مردوں کے شہا
خود خدا بچنے ہلاکت سے کہا کیا نہیں قرآن میں تم نے پڑھا
ڈالتے ہو خود کو اندر تہلکہ جھنس کے اس انداز سے در معرکہ
تھے جوان، تن جوں کماں مضبوط تھا صف کی جانب کب گئے تب بے زرہ؟
اب جو پیر و ناتواں کبڑے رہے لااُبالی پن برتنے کیوں چلے
لااُبالی پن سے با تیغ و سناں زور دکھلاتے ہو وقتِ امتحاں
تیغ کیا جانے مقامِ پیر کو کوئی ہو کیا فرق تیغ و تیر کو
کب روا ہوگا تجھ ایسے شیر کو مار ڈالے بے طرح کوئی عدو
بے خبر ہمدرد یوں کہنے لگے جو سجھائی پند انھیں دیتے چلے

ان لوگوں کو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب

بولے حمزہؓ جبکہ میں تھا اک جواں موت سمجھا چھوڑ جانا یہ جہاں
موت کی جانب بہ رغبت جائے کون خود کو خالی اژدہوں میں پائے کون
آج فیضِ نورِ احمدؐ سے یقیں میں فدائے عالمِ فانی نہیں
جس سے باہر بھی ہے لشکرگاہِ شاہ دیکھتا ہوں نوریوں سے پُر سپاہ
خیمہ در خیمہ طناب اندر طناب شکرِ حق، میں اب نہیں ہوں محوِ خواب
موت جس کے واسطے ہو تہلکہ اس نے ''لا تُلقوا'' کو حیلہ کرلیا
جس کو ہے یہ موت، ہونا فتح یاب آئے ہے ''جلدی کرو' اس کو خطاب

مرگ بینو! تم ڈرو، برتر رہو — حشر بیں! جلدی کرو، پھرتی کرو
لطف بیناں! آؤ تم شاداں رہو — اے مصیبت، قہر بیں! ماتم کرو
جس نے یوسفؑ پایا جاں کر دی فدا — گرگ دیکھا کھو دیا راہِ ہُدا
جس کا جیسا رنگ ویسی موت بھی — دشمنِ دشمن تو یارِ یار ہی
تُرک کے آگے ہے خوش رنگ آئینہ — آگے زنگی کے ہے پُر زنگ آئینہ
موت ڈر سے جو ہے اندر فرار — ہے ز خود ترساں وہ اے ہوشیار
تو ہے بدرُو اور نہیں بدشکل مرگ — جان ہے جیسے درخت اور مرگ برگ
تیری پیداوار یہ سب نیک و بد — خوش کن و ناخوش کا ضامن دل ہے خود
خار اُگائے تو نے خود زخمی ہوا — تو نے ہی کاتا یہ پشمینہ ترا
کام تیرا پر نہیں مثلِ جزا — اور نہیں خدمت کوئی مثلِ عطا
مرد مزدوروں کی کب ہے مثل کار — وہ عرض اور یہ ہے جوہر پائدار
وہ سبھی زور و مشقت اور عرق — یہ سبھی ہے چاندی سونا اور طبق
گر لگے تہمت کہیں سے گر تجھے — بددعا دی ہے کسی مظلوم نے
تو بھی کہتا ہے میں ہوں بے خطا — غیر پر الزام کب دھرا
دانہ بویا تو نے در شکل دگر — دانہ دانہ ہوتا ہے کب ہے ثمر
ہے گنہ پر اُس کو سو درّے سزا — پوچھے مارا میں کسے درّے بھلا
وہ زنا، اس کی سزا کیا یہ بلا؟ — کیا سزائے چوب ہے مثلِ زنا؟
سانپ کے مانند عصا ہے اے کلیم! — درد کے جیسی دوا ہے اے حکیم!
تو عصا کے بدلے ہے آب منی — بن گیا جو خوب صورت آدمی
لائے یار و مار خود تیرا منی — پھر عصا سے کیوں یہ حیرانی تری
کیا بہ شکل آب کچھ فرزند ہے — کیا بصورتِ نیشکر یہ قند ہے
بوتے ہیں عابد کہیں اس جا سجود — تا ہو اس عالم میں جنت کی نمود
منہ سے نکلی حمد حق اوپر چلی — مرغِ جنت کردیا حق نے تبھی

ہے مماثل مرغ کے تسبیح کہیں؟ — مرغ کو جز باد کچھ نطفہ نہیں
ہاتھ سے نکلی جو قربانی زکوٰۃ — کاشت سے نکلے ادھر نخل و نبات
آبِ جوئے خلد تیرا صبر ہی — اور وہ جوئے شیر مہر و دوستی
ذوق طاعت نہر خالص شہد کی — جوئے بادہ عشق اور مستی تری
کچھ نہیں آثار میں اسباب کا — جانے کس نے اِن کو دی اُن کی جگہ
چونکہ تھے اسباب فرماں میں ترے — چار دھارے زیرِ فرماں ہوگئے
تو جدھر چاہے ادھر ان کو بہائے — وہ صفت میں جیسے تھے ویسے بنائے
دوڑیں بچے تیرے فرماں پر ترے — تیرا حصّہ، رہن سب تیرے لیے
ویسے ہی تابع ترے ہے یہ جہاں — حکم پر تیرے ہیں وہ نہریں رواں
جھاڑ وہ قائم ترے فرمان پر — وصف پر تیرے ہیں وہ بھی باثمر
حکم پر تیرے صفات ان کی یہاں — حکم میں تیرے جزا ان کی وہاں
زخم اک مظلوم کو تجھ سے لگا — جھاڑ اک زقّوم کا اس جا اُگا
دل ترے غصّہ سے کئی آتش زدہ — مایۂ نارِ جہنم بن گیا
آگ تیری چونکہ آدم سوز تھی — جس سے جو پیدا ہوئی اس پر پڑی
سانپ بچھو جیسی باتیں تری — سانپ بن کر خود تجھے ڈس جائیں گی
دوستوں کو تو دکھے در انتظار — انتظار حشر کا تجھ پر ہے بار
وعدہ کل پرسوں بھلا کب ترا — تاقیامت کیا یونہی وا حسرتا!
تو رہے گا منتظر روزِ دراز — ''در حساب و آفتابِ جانگداز''
آسماں کو منتظر تو نے رکھا — بیج ''کل جاؤں گا'' کا بوتا رہا
تخم ہے دوزخ کا یہ غصّہ ترا — دیکھ بن جائے نہ یہ پھندا ترا
نار یہ بجھتی نہیں بے فیضِ نور — نور سے اپنے بجھا دے کر شکور
علم تو لائے اگر بے نور کے — آگ زندہ زیرِ خاکستر رہے
وہ تکلف صرف روپوشی کرے — نورِ دیں بن نار کیسے بجھ سکے

مطمئن بے نور دیں مت رہ کبھی — آگ مخفی شعلہ زن ہوجائے گی
نور جوں پانی ہے رکھ اس پر نظر — پانی جب ہے پاس آتش سے نہ ڈر
مارتا ہے پانی آتش کو کہ وہ — پھونک دیتی ہے خود اُس کی نسل کو
بس دو دن ہی صحبتِ مرغانِ آب — آبِ حیواں سے ہو تا کہ بہرہ یاب
مرغِ خاکی و آبی لگتے ہیں اک آل — پر ہیں ضد وہ آب و روغن کی مثال
دونوں ہی قائم ہیں اپنی اصل پر — ہیں مشابہ گو، تؤ انہیں فرق کر
وسوسہ و وحی ہیں اک رنگ ہی — دونوں ہیں معقول پر ہے فرق بھی
دونوں ہی دلالِ بازار ضمیر — رخت کی تعریف کام ان کا، اے میر
عارفِ دل ہے تو بن فطرت شناس — فرق دو فکروں میں کر مثلِ نخاس
فرق دو فکروں میں گر ممکن نہ ہو — ''دھوکہ مت دؤ'' بولو''جلدی مت کرو''
ہو نہ لاحق فکر تیری جان کو — تجھ کو تیرے گھر کو تا نقصان نہ ہو

خرید وفروخت میں دھوکا کھا جانے کے دفعیہ کی تدبیر

اک صحابی نے پیمبرؐ سے کہا — گھاٹا کاروبار میں دیکھا کیا
جو خریدے، مولے مکاری کرے — سحر گویا، راہ سے بھٹکائے مجھے
ہر تجارت جس میں ہو نقصاں کا ڈر — فیصلے کو تین دن تاخیر کر
کیونکہ ہے تاخیر رحمانی یقیں — اور عجلت کارِ شیطانِ لعیں
سامنے کتّے کے ڈالے ناں جو تو — کھانے سے پہلے وہ لے گا اس کی بؤ
ناک سے وہ لے گا بؤ ہم عقل سے — آزمودہ عقل سے تو جانچ اسے
اور چھ دن کی تأنّی سے خدا — سات افلاک و زمیں پیدا کیا
ورنہ وہ قادر کہ ''کُن'' سے کام لے — سو زمین و آسمان پیدا کرے
رفتہ رفتہ آدمی کو وہ ہمام — کرتا ہے چالیس سالوں میں تمام
لمحہ بھر میں گرچہ قدرت تھی اسے — تا پچاس انساں عدم سے لاسکے

وہ دعائے عیسیٰ صرف اک پھونک سے　　بے توقف مردے کو زندہ کرے
کیا نہ لاسکتا تھا عیسیٰ کا خدا　　لمحہ بھر میں آدمیوں کا پڑا
یہ توقف ہے سکھانے کو تجھے　　دیر پر سعی میں تسلسل چاہیے
نہر چھوٹی بھی اگر دائم چلے　　وہ نجاست، گندگی سے بچ سکے
وجہ اقبال و خوش آہستگی　　ہے توقف بیضہ دولت کو تری
مرغ کے جیسا نہیں انڈا کبھی　　انڈے سے ظاہر مگر ہوگا وہی
تیرے اجزا ٹھیر انڈے سے ذرا　　آئیں باہر مرغ بن کر انتہا
سانپ کے انڈے سا ہے انڈا مگر　　انڈا چڑیا کا دگر ہے وہ دگر
'سین' بھی ہے شین کے مانند پر　　فرق نقطوں سے ہے ان میں کر نظر
ایک سے ہیں دانۂ سیب اور بہی　　پر نہیں در اصلیت وہ ایک ہی
دیکھنے میں پتے سب اک رنگ سے　　پھل مگر ہیں اِس کے اُس کے دوسرے
لوگ سب بازار میں یکساں چلے　　کوئی غم دیدہ کوئی شاداں چلے
جوں مقامِ مرگ میں یکساں چلے　　آدھے ٹوٹے آدھے جوں شاہاں چلے
حد نہیں ہے کوئی ان امثال کی　　سن بلالؓ اور بات ان کے حال کی

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوشی اور مستی کی حالت میں وفات پانا

ہوگئے جب ضعف سے مثلِ ہلال　　موت کے سائے تھے بررُوئے بلالؓ
بولی بیوی آپ کی میں لٹ گئی　　بولے نہ نہ ہے یہ ہنگامِ خوشی
اب تلک مشکل میں تھا میں زیست کی　　تو نہ جانے کیا ہے راحت موت کی
کہہ رہے تھے یونہی، چہرہ آپ کا　　جوں گلاب و نرگس و لالہ کھِلا
رنگ رو کیا آنکھ کی کیا روشنی!　　ہے صداقت پر گوا گفتار کی
ہر سیہ دل کے لئے وہ تھے سیاہ　　مردمِ دیدہ بھی ہے کیسے سیاہ
مردم نادیدہ وہ ٹھہرا وہ سیاہ　　مردمِ دیدہ ہے درپن پیشِ ماہ

مردم چشم آپ کو پائے وہی   آنکھ کی افزوں کرے جو روشنی
جب نہ دیکھے غیر مردمِ چشم انھیں   دیکھے جو دیکھے خود ان کے رنگ میں
سب مقلّد آگئے ان کے سوا   بھیس ان کا مردمِ بینا کا تھا
بیوی بولی الفراق اے خوش خصال   بولے نہ نہ وصل یہ اندر فصال
بولے نہ نہ آج کی شب میری جاں   جائے غربت سے وطن کو بے گماں
بولی میری جان و دل وا حسرتا!   بولے نہ نہ بول تو اے مرحبا
بولی پھر دیکھیں گے ہم تجھ کو کہاں   بولے خلوتِ خاص حق میں کل وہاں
حلقہ وہ پیوستہ ہے تجھ سے یقیں   گر نظر اونچی کرے نیچی نہیں
اس کے اندر نورِ رب العالمیں   چمکے جوں انگشتری میں اک نگیں
بولی ہائے گھر ہوا میرا تباہ   بولے ہٹ کر ابر سے تو دیکھ ماہ

موت کی وجہ سے تن کے ویران ہونے کی حکمت

کرتا ہے ویراں، بسانے خوب تر   بے شمار افراد اور گھر مختصر
جیسے آدم میں تھا تنہا بے قرار   نسل میری دونوں جانب بے شمار
تھا کنویں سے گھر کے اندر اک گدا   بن گیا شہ قصر ہو اب بہرِ شاہ
بادشاہ ہوتے ہیں ایواں آشنا   بہرِ مردہ بس ہے خانہ گور کا
ہوگیا نبیوں کو ناکافی جہاں   نکلے بن کر شاہاں سوئے لامکاں
مردوں کو دنیا مقامِ کرّ و فر   ہے وسیع باہر سے اندر تنگ تر
گر نہ ہوتا تنگ وجہ نالہ کیا   جس نے لمبی عمر پائی جھک گیا
خواب کے عالم میں جب آزاد تھا   اُس سے کس قدر وہ شاد تھا
ظالم اپنے ظلم سے بیگانہ تھا   فکرِ زنداں سے ہوا قیدِ رہا
باوجود وسعت کے یہ ارض و سما   تنگ کیوں تھا وقت جب آرام کا
چشم بندی سے وسیع دنیا ہے تنگ   ہنسنا رونا، فخر ٹھہرا اس کا ننگ

تشبیہ دنیا کی جو بظاہر وسیع و بمعنی تنگ ہے اور خواب کی تشبیہ کہ وہ تنگی سے نجات ہے

جس طرح حمّام میں گرمی سے حال　　جا کے اندر جان ہوتی ہے نڈھال
لمبا چوڑا گرچہ ہے حمّام بھی　　جاں حرارت سے مگر تنگ آئے گی
باہر آنے تک رہے گی بے کلی　　اس کی یہ وسعت بھلا کس کام کی
تنگ جوتا جب پہن کر جائے گا　　اک وسیع صحرا میں ہی گر جائے گا
وہ فراخی دشت کی بھی ہوگی تنگ　　پائے گا صحرا میں بھی زنداں کا رنگ
دیکھنے والا جو دیکھے دور سے　　لالۂ صحرا سمجھ لے گا تجھے
وہ نہ جانے تو کہ ظالم کی مثال　　باغ میں رہ کر نہیں آسودہ حال
خواب گویا تنگ جوتے سے اماں　　جسم سے کچھ دیر کو آزاد جاں
اولیاء کی سلطنت خواب اے فلاں　　جس طرح اصحابِ کہف اندر جہاں
خواب دیکھے وہ کہاں ہے جائے خواب　　وہ رہے بے در رزم میں باریاب
تنگ گھر اور بے حرکت اس میں جاں　　ہوکے ویراں تابنے قصرِ شہاں
ہوں اپاہج رحم میں جیسے جنیں　　ہوگئے نو ماہ اب رُکنا نہیں
گر نہیں ہے دردِ زہ ماں کو مری　　ہوگا جلنا گھر کے دوزخ میں ابھی
ہے طبیعت کو مری دردِ اجل　　تاکہ بچہ بھیڑ سے آئے نکل
تاکہ برّہ سبز صحرا میں چرے　　موٹا ہے وہ رحم اپنا کھول دے
دردِ زہ آزار ہے ماں کو بڑا　　اور جنیں کو قید سے ہونا رہا
حاملہ تکلیف سے ڈھونڈے اماں　　اور رہا ہوکر جنیں خنداں وہاں
ہیں تہِ افلاک جو بھی امہات　　ہوں جمادی، جانور ہوں یا نبات
ہے ہر اک بیگانہ دردِ دگر　　ہاں سوائے عاقلاں و باخبر
رکھتے ہیں بے ریش لوگوں کی خبر　　ریش والے خود نہ دیکھے اپنا گھر
جانے صاحب دل ترے احوال کو　　ہے خود اپنے حال سے بیگانہ تو
پڑھتے ہیں تیری جبیں کو اہلِ دل　　خود کو کب پرکھا ہے تو نے اے خجل

اس کا بیان کہ جو کچھ غفلت وسستی اور تاریکی ہے جسم کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ ارضی اور سفلی ہے

تن سے ہے غفلت جو تن بن جائے جاں — وہ بلاشک دیکھے اسرارِ نہاں
جب زمیں چھوٹے فضائے چرخ سے — شب نہ سایہ ہو ترے میرے لیے
ہو جہاں شب، سایہ ہو یا سایہ گاہ — نے زمین نے آسماں سے نہ ز ماہ
خشک لکڑی سے ہے وابستہ دھواں — شعلہ روشن گر ہے دود اس میں کہاں
ہے جہاں بھی ٹیڑھ ہے اس جا گماں — ہے درستی عقل ہوتی ہے جہاں
ہے گرانی اور سستی تن سے ہی — جاں سبک دیوانہ وہ پرواز کی
رخ کی سرخی خون کی کثرت پہ دال — رخ کی زردی صفرہ کی جنبش پہ دال
ہو اگر اجلا تو بلغم کا فساد — ہو اگر کالا تو سودا ہے زیاد
خالق آثار ہے دراصل دوست — صرف علت دیکھتے ہیں اہلِ پوست
مغز چھلکے سے جدا ہوتا نہیں — پس معالج و درد بن چارہ نہیں
بارِ دوم ہوگا پیدا جب بشر — روند کر اسباب کا رکھ دے گا سر
دین اس کا علّتِ اولیٰ نہیں — اس کا کینہ علت اخریٰ نہیں
اڑتا ہے آفاق میں جوں آفتاب — ساتھ عروسِ برگزیدہ در حجاب
بلکہ افق و آسمانوں سے پرے — لامکانی بن کے مثلِ ارواح کے
عقلیں اپنی چھاؤں سی ہیں اے چچا — چھاؤں سی پاؤں میں ہی ان کی جگہ

نص کی قیاس کے ساتھ تشبیہ

مجتہد ہوتا ہے جو بھی نص شناس — ایسی صورت میں نہ جائے بر قیاس
نص اگر پائے نہ کوئی صاف تر — جائے تب اندیشے کی جانب نظر
نص ہے وحیِ روحِ قدسی بالیقیں — اور قیاسِ عقلِ جزوی کم تریں
جاں سے حاصل عقل کو سب علم و فر — جائے گی کب روح کی جانب نظر

عقل پر جاں کرتی ہے لیکن اثر اس اثر سے عقل ہے تدبیر گر
نوحؑ سا صدمہ ہے تیری روح پر کون بحر و ناؤ کیا، طوفاں کدھر؟
نورِ فرض ناں سے سالک پر سرور تا بہ قرضِ مہر پہنچاتا ہے نور
دائمی ہوگا کہیں سافل کا نور؟ جب کہ ہیں خود روز و شب اندر مرور
زیست اندر آب کار ماہیاں راس ان کو صحبتِ ماراں کہاں
ہیں پہاڑوں میں کئی مکار مار مچھلیوں کو دیتے ہیں پانی میں مار
مکر ان کا خلق کو بہ شیدا کرے بے کلی دریا سے پر رسوا کرے
اور اس دریا کی پُرفن مچھلیاں مار مچھلی ان کے جادو سے یہاں
مار ہے گر رہ قرینِ ماہیاں تار ہے دریا میں جوں ماہی رواں
ماہیانِ قعرِ دریائے جلال بحر انھیں سکھلاتا ہے سحرِ حلال
حال ان سے ہوگئے کتنے محال نحس کتنے ہوگئے ہیں نیک فال
زہر جاکر ہوگیا شکر وہاں سنگ جاکر ہوگیا گوہر وہاں
خاک زر، پتھر گہر اور پاؤں سَر پَر نہ دیکھے جز بشر چشمِ بشر
تا قیامت بھی کہوں گر یہ کلام حشر سو ہوں بھی رہے وہ تا تمام

شیخ کی زبان سے حکمت کے فیض کے وقت سننے والوں اور مریدین کے آداب

تنگ دل تکرار کہتے ہیں اسے مجھ کو یہ تا زیست کہنا چاہیے
شمع روشن تر مکرر نور سے خاک زر ہوگی مکرر گر جلے
ہو ہزاروں میں جو اک طالب ملول روک لیتے ہیں پیام اپنا رسول
قاصدانِ قلب یہ اسرار گو سننے والے چاہیں اسرافیل خو
کبر و نخوت بادشاہوں سی اُنھیں ان کی دھن تا لوگ سب خدمت کریں
تو نہ لائے گا بجا آداب اگر پائے کیوں ان سے ہدایت کا ثمر
وہ امانت تجھ کو پہنچائیں گے کب گر بجا لائے تو جھک کر کر ادب

ہر ادب کیوں آئے گا ان کو پسند کہ مقام ان کا ہے ایوانِ بلند
وہ نہیں محتاجِ ہر خدمت کہ لیں اے فریبی تا ترے ممنوں رہیں
رغبتِ دل بھی نہ ہو ان میں اگر صدقۂ سلطاں نچھاور ان پہ کر
اے رسولِ آسماں گھوڑا چلا تنگ دلوں کی پست ذوقی پر نہ جا
مرحبا جو اختلاف اپنا مٹائے آگ کی خندق میں گھوڑے کو کُدائے
اپنے گھوڑے کو وہ گرم اتنا بنائے کہ نظر وہ آسمانوں پر جمائے
غیر اور غیرت سے بند آنکھیں کرے آگ بن کر خشک و تر کو پھونک دے
عیب جوئی گر پشیمانی کرے آگ میں اول اسی کو جھونک دے
خود نہیں شرمندگی زادۂ عدم دیکھتی ہے کوشش صاحب قدم

ہر جانور کا اپنے دشمن کی خوشبو کو پہچاننا اور بچاؤ کرنا اور بربادی اور نقصان اس شخص کا جو کسی ایسے کا دشمن ہو جس سے بچاؤ ممکن نہیں ہے اور فرار ممکن نہیں ہے اور مقابلہ ممکن نہیں ہے

گھوڑا واقف بانگ و بوئے شیر سے وہ عجب حیواں نہ جانے گر اسے
جو ہے دشمن اپنا ہر اک جانور جانے اس کے سب علامات و اثر
دن کو اڑ سکتی نہیں گو شب پرہ اڑتی ہے راتوں میں وہ خود کو چھپا
سب میں چمگادڑ کی بدبختی بڑی دشمنی سورج سے اس کی ہے کھلی
لڑ کے وہ اک زخم کھا سکتی نہیں اپنے دھتکارے پہ چھا سکتی نہیں
وہ جو سورج ہے زوجۂ لطف وجود قہر سے پھاڑے نہ اس کے تار و پود
سورج اس سے منہ کبھی موڑا نہیں قہر کی خفاش کی پروا نہیں
لطف اس پر بے حد و بے انتہا ورنہ مانع کیوں ہو اس کو شب پرہ
دشمنی ہو تو بہ حدِّ خود رہے تجھ کو قابو اس پہ پانے کے لیے
دشمنی دریا سے گر قطرہ کرے پاگل اپنی داڑھی آپ ہی نوچ لے

اس کی تدبیر مونچھ تلک اس کی چلے　　کاٹے کیوں کر وہ گلے کو چاند کے
یوں عدوِ مہر کا ہوگا خطاب　　اے عدوِ آفتابِ آفتاب
اے عدوِ مہر جس کے رعب سے　　مرتعش ہیں مہر و اختر چرخ کے
اُس کا کب، خود اپنا ہی دشمن ہے تو　　آگ کو کیا غم کہ خود ایندھن ہے تو
تیرے جلنے سے کہیں ہوگی وہ کم　　تیرے غصّہ کا اسے کاہے کو غم
رحمت اس کی رحمتِ آدم نہیں　　وہ جوں آدم آشنائے غم نہیں
خلق کی رحمت میں ہے غصّہ نہاں　　رحمتِ حق میں غم وغصّہ کہاں
رحمتِ بے چوں ہے ایسی اے پسر　　ظاہر اس سے کچھ نہیں غیر از اثر

کسی چیز کو مثال اور علم تقلید سے جاننے میں اور اس کی حقیقت کے جاننے میں فرق

گو ہے رحمت اس کی پیدا برملا　　کون جانے کیا ہے وہ اس کے سوا
کیا ہے وہ کیسے ہیں اوصاف و کمال　　کون جانے غیرِ آثار و مثال
بچہ شغلِ مرد و زن سمجھے گا کیا　　سمجھے بولیں گر یہ ہے حلوا ترا
شہوتِ زن سے ہے بچہ بے خبر　　اس کو کہنا ہوگا وہ ہے جوں شکر
ذوقِ شہوت بچہ اک جانے گا کیا　　اس کو کہنا ہوگا حلوے کا مزا
پس مزے لو چیز سے تشبیہ دی　　وہ ہے عاقل، خو تری بچے کی سی
فہم کو بچہ کی موزوں ہے مثال　　گو نہ جانے ماہیت اور عینِ حال
گر کہے تو میں نے سمجھا، تو بجا　　گر کہے سمجھا نہیں تو بے خطا
پوچھے کوئی کیا ہے واقف نوحؑ سے　　وہ رسولِ حق و نورِ روح سے
گر کہے میں کیوں نہ جانوں وہ قمر　　ہے مہ و خورشید سے مشہور تر
مدرسوں میں پڑھتے ہیں بچے تمام　　اور محرابوں سے کہتے ہیں امام
پڑھتے ہیں قرآں میں نام ان کا صریح　　ماضی سے سنتے رہے قصّہ فصیح
ٹھیک، انھیں جانا تو اُن کے وصف سے　　گر نہ دیکھا تو نے ان کو کشف سے

گر کہے تو میں نہ جانوں نوحؑ کو برگزیدۂ حق و خالص روح کو
میں کہاں اور جاننا ان کو کہاں اُن کو اُن جیسا ہی جانے اے جواں
لنگڑی چیونٹی کیسے جانوں فیل کو کیسے جانے مچھر اسرافیلؑ کو
بات یہ بھی ٹھیک ہے اس واسطے کہ نہیں ہے ماہیت کا علم اسے
عجز ادراکِ حقیقت میں چچا عام لوگوں کی یہ حالت ہے بجا
کیونکہ سارے راز اور ماہیتیں صاف عیاں ہیں کاملوں کے کشف میں
سرِ حق و ذاتِ حق کے ماسوا کیا ہے فہمِ آدمی سے ماورا؟
محرموں سے چونکہ وہ مخفی نہیں وصف و ذاتِ غیر چھپ سکتی نہیں
عقل بحثی بولے، ناممکن چلو اور بلا تاویلِ مشکل مت سُنو
قطب کہتا ہے تجھے اے ست حال جو بھی فوقِ حال ہے وہ ہے محال
واقعے جو فاش ہیں اب سامنے کیا محال اب تک نظر آتے نہ تھے
کردیا دس قید سے حق نے رہا تیہ کو زنداں نہ کرلے ظلم کا
سو بلاؤں سے رہائی پالیا فقر کو وجہ الم کرنے نہ جا
جان آساں تا نہ وہ مشکل بنے ورنہ شکر زہر ہو قاتل تجھے
بحث کا اپنی تو رخ لے بوالحسن اس سخن کی حد نہیں ہے جانِ من
اب تو اثبات و نفی اوّل سے لے ہے بیاں کرنا؟ کئے جا ٹھیک سے

ایک چیز کے بارے میں اقرار اور انکار کا جمع ہونا، جہت اور نسب و اختلاف کی وجہ سے ہے

اس کا اثبات و نفی دونوں روا جہت بدلو گے تو نسبت ہو دو تا
ہاں ''نہ پھینکا پھینکا'' کام تیرے ہاتھ کا کی ''نفی'' کہ زور اس میں حق کا تھا
قوتِ انساں کی اک حد ہے بجا مٹھی خاک اک فوج کو مارے گی کیا؟
مٹھی تیری پھینکنا وہ ہم سے تھا نفی و اثبات اس طرح ٹھہرے بجا

نبیوں سے آگاہ ہیں ان کے عدو　　جانتے ہیں خود کی جوں اولاد کو
جانتے ہیں جیسے خود اولاد کو　　سو علامات اور دلائل سے عدو
رکھتے ہیں رشک و حسد سے پرنہاں　　سوانگ انجانوں کا بھرتے ہیں عیاں
جانتے ہیں کہہ پھر اور اک جگہ　　جز کہ میں کوئی نہ جانے کیوں کہا
ہیں بلاشک میرے ہاں زیرِ قبا　　پر انھیں کوئی نہ جانے جز خدا
جان اِسی نسبت سے اس مفتوح کو　　کہ تو جانے یا نہ جانے نوحؑ کو
ایسی باتیں ہیں حدیثوں میں کئی　　معتبر ہیں یوں ہی نسبت سے سبھی

کامل درویش کی فنا اور بقا کا معاملہ

بولا اک، فقرا سے خالی ہے جہاں　　ہاں جو ہوں گے بھی تو وہ فقرا کہاں
بربنائے ذاتِ حق ان کی بقا　　ہیں صفاتِ حق میں وصف ان کے فنا
شمع کی لَو جیسے پیشِ آفتاب　　گو نہیں ہے، ہے وہ از روئے حساب
وہ تو ہے موجود اپنی ذات سے　　گر چھوئے روئی سے تو جلنے لگے
نیست کہ دیں گی نہ تجھ کو روشنی　　کی ضیائے مہر نے اس کی نفی
سرکہ اک اونس اور دو سو من عسل　　گر ملاکر سرکہ کو کردے جو حل
چکھے گر پائے نہ سرکہ کا مزا　　وزن گر دیکھے ہو زائد اوقیہ
ہوش کھوئے آہو آگے شیر کے　　نیست ہوگا ہوتے، اُس کے سامنے
ناقصوں کا یہ گماں در کارِ رب　　ہے نشانِ عشق، نے ترکِ ادب
کھیلے گستاخانہ نبضِ عاشقاں　　تا کرے میزانِ حق میں امتحاں
ظاہراً گستاخ اس جیسا کہاں　　اس سے بہتر کون ادب میں درنہاں
ہے یہ ہمسازی بھی نسبت کے سبب　　یعنی ضدِ با ادب و بے ادب
جائیں ظاہر پر تو ہے گستاخ ہی　　کہ ہے اس کا عشق زعمِ ہمسری
دیکھئے باطن تو دعویٰ ہی نہیں　　پیشِ شہ دعویٰ تو کیا وہ بھی نہیں

مرگیا زید، اس میں گر فاعل ہے زید　　کیسا فاعل جبکہ خود عاطل ہے زید
کیسا فاعل جب کہ خود مقہور ہے　　فاعلیت کی صفت سے دور ہے

صدر جہاں کے وکیل کا قصہ جو متہم ہوگیا تھا اور جان کے ڈر سے بخارا سے بھاگ گیا اور اس کے عشق نے اس کا گریبان پکڑا کے محبوب کے لیے جان کا معاملہ عاشقوں کے لیے آسان ہوتا ہے

متہم اک بندۂ صدر جہاں　　ہوگیا آقا کی آنکھوں سے نہاں
دس برس تک چار سُو پھرتا رہا　　گہ خراساں، گاہ کوہستاں چلا
دس کے بعد بھڑکا اشتیاق　　کردیا مجبور اسے دردِ فراق
بولا اب طاقت جدائی کی گئی　　دردِ دوری کب سہئے یونہی
خاک اگر پانی نہ ہو شورہ بنے　　بند پانی کالا پیلا ہورہے
بادِ جاں افزا بنے ناسازگار　　آگ بجھ کر ہوگی خاکستر غبار
اور بہشتی باغ بیماری کا گھر　　اور پتے جھڑ پڑیں گے سوکھ کر
عقلِ چالاک از فراقِ دوستاں　　جیتے تیر انداز اور ٹوٹی کماں
ہجر سے دوزخ بھڑکنے لگ گئی　　اور لرزاں وجہِ فرقت بھی ہوئی
گر کہوں چنگاریوں سے ہجر کی　　حشر تک لاکھوں میں وہ ہے ایک ہی
شرح اس کے سوز کی کرنے نہ جا　　ربِّ سَــلِّـــم ربِّ سَــلِّــم کہہ ذرا
جب بھی کوئی چیز دل کو بھا گئی　　سوچ کیا ہوگا جو کھو جائے، تبھی
جیسے تو خوش ویسے خوش ہیں اور بھی　　آخر اُن سے وہ ہوا ہوکر چلی
تجھ سے بھی کھو جائے گی اس پر نہ جا　　اس سے پہلے تو ہی اُس سے بھاگ جا
جیسے مریمؑ تو بھی قبل از فوتِ مال　　نفس سے کہہ، لی پناہِ ذوالجلال

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آدمی کی صورت میں غسل اور برہنگی کی حالت میں حضرت مریم علیہ السلام کے سامنے رونما ہونا اور ان کا اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا

دیکھیں مریمؑ ایک صورت جانفزا وقتِ خلوت جانفزا و دلربا
آئے جیسے پھاڑتے سطحِ زمیں جوں مہ و خورشید وہ روح الامیں
اک حسیں نکلا زمیں سے بے نقاب آتا ہے مشرق سے جیسے آفتاب
رعشہ براندام مریمؑ ہوگئیں ڈر خرابی کا لگا ننگی جو تھیں
صورت ایسی دیکھے گر یوسف عیاں کاٹ لے جیسے زناں خود انگلیاں
گِل سے وہ پیدا ہوئے گُل کی مثال سر اٹھائے جس طرح دل سے خیال
ہوکے بیخود وہ بحالِ بیخودی بولیں لیتی ہوں پناہِ ایزدی
خو سدا اُس پارسا کی تھی یہی لے پناہ غیب وقت عاجزی
علم تھا یہ دہر ہے ناپائدار حضرتِ حق کو بنالی تھیں حصار
تاکہ وقتِ مرگ وہ قلعہ بنے راہ اُس تا نہ دشمن پاسکے
ہے پناہِ حق سے بہتر کوئی حصار کی قریب اُس کے سکونت اختیار
جبکہ دیکھیں غمزہ ہائے عقل سوز تا جگر پہنچے خدنگ سینہ دوز
شاہ و لشکر ہوگئے حلقہ بگوش ہوش کھو بیٹھے شہنشاہانِ ہوش
بندگی میں اس کی لاکھوں بادشاہ سو ہزاروں بدر پر چھائی گھٹا
ہے کہاں دَم زہرہ کو دم مارنے ہاتھ اٹھالے عقلِ کُل مگر دیکھ لے
کیا کہوں میں میرے منہ کو سی دیا حلق نے اس کے جلا ڈالا گلا
ہوں دھواں اس آگ کا، میں ہوں نشاں شاہ کے لائق یہ تعبیریں کہاں
ہے کہاں کوئی دلیل اس مہر کی جز کہ لمبی چوڑی اس کی روشنی
کون سایہ؟ جو بنے اس کی دلیل اس کے آگے بس وہ ٹھہرا اک ذلیل
رہبر اس تک ہے بزرگی اس کی ہی وہ ہے سابق درک ہے واماندہ ہی

ہے خزانِ لنگ کا ادراک بار — تیر کی صورت ہوا پر وہ سوار
وہم اک، جو باز سا اڑتا چلے — تیر سا اک، خود کو جو پھاڑ دے
بادباں کے بل پہ اک کشتی رواں — وہ دگر محوِ تردد ہر زماں
دیکھتے ہیں جب کوئی نخچیر دور — اس پہ گرتے ہیں جھپٹ کر سب طیور
جب نظر سے چھپ گیا حیراں ہوئے — چغد جوں کھنڈروں کی جانب چل دیے
منتظر اک آنکھ بند اک آنکھ وا — تا شکار اپنا دکھائے منہ ذرا
ہو اگر تاخیر بولے پُرملال — اے عجب، وہ صید تھا یا تھا خیال
مصلحت یہ ہے کہ تھوڑی دیر ہم — لے کے دم قوت سبھی کرلیں بہم
گر نہ ہوں راتیں تو اہلِ حرص سب — خاک ہوجاتے تگ و دو کے سبب
نفع پانے کے ہوس میں ہر کوئی — راکھ کرلیتا بدن کو آپ ہی
گنج رحمت بن کے آئی رات تب — حرص سے پائیں خلاصی تاکہ سب
قبض کی نوبت جو ہو اے راہرو — خیر ہے اس میں نہ ہو مایوس تو
خرچ ہوگا یہ ذخیرے سے ترے — خرچ بھی آمد کی خاطر چاہیے
موسمِ گرما ہمیشہ گر رہے — تابشِ خورشید کھیتی پھونک دے
سبزہ بیخ و بُن سے جل جائے سبھی — کہ ہرا ہونے نہ پائے پھر کبھی
سرما ناخوش کرکے بھی شفقت لٹائے — اور گرما گو ہنسائے سب جلائے
قبض میں بھی بسط پر تو رکھ نظر — تازہ رہ اک بل نہ لا پیشانی پر
دکھ ہے دانا کو تو بچوں کو خوشی — پھیپھڑے خوش ہیں کلیجہ ہے دکھی
ہے نظر بچوں کی جوں خرتھان پر — عاقلوں کی آخرت پر ہے نظر
تھان پر ملتی ہے گھاس اچھی اسے — پر ہلاکت اس کو ہے قصاب سے
گھاس کڑوی جو ملی قصاب سے — گوشت وہ تولے ترواز کو لیے
گھاس دانائی کی حق نے دی ہے کھا — مفت کی بخشش ہے وہ خالص عطا
رزق دے کر حق نے کھانے کو کہا — چھوڑا حکمت، بندہ ناں ہوگیا

رزقِ حکمت مرتبہ میں ہے بڑا   وہ نہ دابے گا کبھی تیرا گلا
بند جب یہ منہ ہوا وہ منہ کھلا   لقمہ ہائے راز کو کھانے لگا
دیوِ تن کو دودھ سے گر ہٹائے   نعمتیں اس کے عوض کیا کیا نہ کھائے
جوش تھوڑا دے کے رکھا نیم خام   سن حکیمِ غزنوی سے تو تمام
ہے ''الٰہی نامہ'' میں شرح بیاں   فخرِ عُرفا، محرمِ رازِنہاں
نانِ غم افزا نہ کھا غم کھا مگر   کھائے گا عاقل غم اور بچہ شکر
ہر خوشی ہے میوۂ باغِ الم   یہ خوشی اک زخم ہے مرہم ہے غم
غم جو پائے بھینچ لے اس کو بعشق   کر فرازِ کوہ سے سیرِ دمشق
بطن میں انگور کے دانا کو مئے   اور 'نہیں' کے بھیس میں عاشق کو 'ہے'
جنگ پرسوں دیکھی حمالوں کے بیچ   بوجھ جب تک میں نہ لے لوں تو نہ کھینچ
چونکہ ان کو بوجھ میں تھا فائدہ   اک اٹھایا، اس کو چھینا دوسرا
حق کی اجرت کیا! کہاں بے مایہ کی   وہ تو اک گنجینہ یہ کوڑی سبھی
گنج تیرا تو ہو جب زیرِ زمیں   ساتھ تیرے ہوگا وہ ورثہ نہیں
وہ ترے تابوت کے آگے چلے   تیری غمخواری وہ غربت میں کرے
موت ہی انجام ہے مر جا ابھی   تا ہو خواجہ تاشِ عشقِ سرمدی
صبر کو دیکھے بہ رنگ اجتہاد   چہرہ جوں گلنار اور کاکل مراد
غم ہے پیش مجتہد جوں آئینہ   اور وہ آئینہ ہے ضدِ ضد نما
ضدِّ غم کے بعد وہ ضدِ دگر   رونما ہو باکشادہ کرّ و فر
وصف دو ہیں ہاتھ میں تیرے یہیں   قبض کے پیچھے کشاد آئے یقیں
بند مٹھی یا کھلی مٹھی سدا   جو بھی رکھے رنج میں ہو مبتلا
یہ دو صفتیں کسب کو ہیں حسبِ حال   اک پرندے دو بازو کی مثال

حضرت جبریل علیہ السلام کا حضرت مریم علیہ السلام سے کہنا (ان دونوں پر سلام) ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا قاصد ہوں مجھ سے پریشان نہ ہو اور نہ چھپ

مضطرب کچھ دیر تھیں مریمؑ وہاں جس طرح پانی سے باہر مچھلیاں
مظہرِ جود و کرم نے دی صدا ہوں امینِ حق میں، تُو بھاگے نہ جا
سرفرازوں میں ہیں ہم حق کے یہاں محرموں میں بند کیوں رکھئے زباں
بات کرتے تھے تو شعلہ نور کا لب سے نکلا چھوتا تھا اوجِ سماء
بھاگتی ہو مجھ سے تم سوئے عدم ہوں عدم میں شاہ مَیں، صاحب علم
میرا ساماں میرا گھر ہے نیستی عارضی صورت یہ بی بی مری
مریماً! میں بھی ہوں اک نقشِ محال ہوں ہلال اور دل میں مانندِ خیال
بیٹھ جائے دل میں جب کوئی خیال بھاگنے سے ساتھ چھوڑے ہے محال
عارضی ہو یا کوئی باطل خیال وہ ہے فانی صبح کاذب کی مثال
صبح صادق ہوں ز فضلِ نورِ رب روز ایسا ہوں نہیں ہے جس کی شب
دخترِ عمراں نہ پڑھ لاحول تو ہوں اسی لاحول سے میں روبرو
اصل میری اور غذا لاحول ہی اور رہا لاحول پیش قول بھی
مجھ سے ہے تجھ کو پناہ اللہ کی میں ہوں تحریر پند پہلے سے ہی
ہوں پنہ جس میں خلاصی ہے تری تو اماں مانگے، اماں ہوں میں وہی
ناشناسی سے ہے بدتر شے کوئی؟ یار پہلو میں نہ جانے عاشقی
یار کو بھی تم نے سمجھا غیر ہی نامِ غم تم نے دیا شادی کو بھی
مہرباں اتنا ہے جب اپنا خدا دور اُس سے ہے تو ہی اے بے وفا
نخل اتنے خوب لطفِ یار ہے چور ہم ٹھہریں تو وہ خوددار ہے
گیسوئے میکشِ یارِ خوش ادا اپنی بے عقلی سے ہیں زنجیر پا

بہتا دریا لطف کا وہ نیل سا　　چونکہ ہم فرعون تھے خوں ہوگیا
خون بولے میں ہوں پانی مت گرا　　میرا یوسف گرگ تجھ سے ہوگیا
کیا نہیں معلوم یارِ بردبار　　جب تو اس سے ضد کر ہوجائے مار
گوشت چربی سب وہی ویسا ہی تھا　　پہلے وہ جیسا تھا ویسا ہی رہا

محبت کی وجہ سے اس وکیل کا ارادہ کر لینا کہ لاپرواہو کر بخارا واپس آجائے گا

شمعِ مریم کو فروزاں چھوڑ کے　　وہ چلا نکلا بخارا کے لیے
تیز آتش داں میں جوں بے صبر جاں　　بھاگتا نکلا سوئے صدرِ جہاں
ہے بخارا منبعِ دانشوری　　جو بھی ایسا ہے بخاری ہے وہی
شیخ کے آگے بخارا میں ہے تو　　ہو لحاظ اس بات کا اے نیک خو
عجز بن دل کے بخارا میں کبھی　　جزر و مد اندر نہ آنے دیں کبھی
مرحبا، وہ نفس کو جو سر کرے　　وائے جو دولتیاں کھاکر مرے
فرقتِ صدرِ جہاں کے درد نے　　تن کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے کردیے
بولا اٹھوں، پھر وہیں واپس چلوں　　ہو رہوں کافر رہِ دیگر جو لوں
جاؤں واپس اس کے قدموں پر گروں　　نیک خو وہ اس کی نظروں میں رہوں
بولوں حاضر ہے یہ جان پر الم　　زندہ کر یا سر مرا کردے قلم
تیرے آگے جان دینا اے قمر　　زندہ لوگوں کے شہوں سے خوب تر
آزمایا میں نے لاکھوں بار اسے　　عیش جینے کا نہ پایا بن ترے
اے تمنا چھیڑ تو لحنِ نشور　　بیٹھ اے ناقہ، گیا وقتِ سرور
بس ہے کرلے جذب آنسو اے زمیں　　نفس پی لے پیار آلودہ نہیں
لوٹ آئی عید میری مرحبا　　خوب مہکائی تو خوشبو اے صبا
الوداع اے دوستو لو میں چلا　　سوئے آقا جس کو ہے فرماں سزا
گر دل اس نے سنگِ خارا کرلیا　　میں نے بھی عزمِ بخارا کرلیا
مسکن جاناں، و شہرِ شاہِ من　　عاشقوں کو ہے یہی حبِّ وطن

ایک معشوق کا عاشق سے دریافت کرنا کہ کون سا شہر بہتر ہے اور زیادہ آباد اور زیادہ نعمتوں سے پُر اور زیادہ دلکشا اور اس کو عاشق کا جواب دینا

یار نے عاشق سے پوچھا اے جواں   دیکھیں غربت میں کئی آبادیاں
بہتر ان میں کس کو کرتا ہے شمار   بولا، وہ پاؤں گا جس میں اپنا یار
ہر کہیں ڈیرا اگر ہو شاہ کا   سوئی کا ناکا بھی ہوتو ہے بڑا
ہر کہیں جس جا ہو یوسف مثلِ ماہ   وہ ہے جنت ہو اگرچہ قعرِ چاہ
تیرے ہوتے ہے جہنم بھی جناں   تیرے ہوتے قید بھی ہے گلستاں
تو جو ہوئے دوزخ بھی رضوان ونعیم   بن ترے سنبو و گُل نارِ جحیم
تیرے ہمرہ میں ہوں خوش دل ہر کہیں   ورنہ میں ہوں قبر میں زیرِ زمیں
دونوں عالم میں وہی بہتر جگہ   جس جگہ تجھ کو خیال آئے مرا
بات طولانی ہے وجہِ انتظار   عاشقِ صدرِ جہاں ہے بے قرار

دوستوں کا اس کو بخارا واپس جانے سے منع کرنا اور ڈرانا اور اس کا کہنا کہ مجھے کوئی پروانہیں ہے

بولا ناصح نے اسے اے بے خبر   کر خیال انجام کا اے باہنر
عقل سے تو پیش و پس کی جانچ کر   مثلِ پروانہ نہ جل جا شمع پر
کیا بخارا جائے گا دیوانہ ہے؟   لائقِ زنجیر و زنداں خانہ ہے؟
لوہا بھی تجھ پر چبائے غصہ سے   ڈھونڈتا ہے بیس آنکھوں سے تجھے
تیز کرتا ہے چھری تیرے لئے   قحطی کتّا ہے وہ توٗ آٹا اسے
تو جو چھوٹا راہ دکھلایا خدا   سوٗئے زنداں پھر جو نکلا کیا ہوا؟
لینے دس گنا سپہ بھی آگئے   عقلمندی یہ کہ تو ان سے بچے
تجھ پہ گو نگراں نہیں بھیجا گیا   پیش و پس کے مخمصے میں کیوں پڑا

عشقِ پنہاں نے کیا اس کو اسیر اس سپاہی کو کہاں دیکھا تدبیر؟
ہر موکّل پر موکّل ہے نہاں ورنہ کتّے پن کی حاجت ہے کہاں
غصہ شاہِ عشق کا اس پر جو تھا اس نے شرمندہ سیاست سے کیا
مار کر کہتا ہے جا تو اس کو مار میں ہوں ان خفیہ سپہ سے زار وخوار
جس کو بھی دیکھو ہے گھاٹے میں پڑا ساتھ اک سرہنگ کے تنہا چلا
جانتا گر اس کو تو کرتا فغاں روبروئے حضرتِ شاہ شہاں
خاک اڑاتا اپنے سر پر پیش شاہ ڈھونڈ پائے تاکہ شیطاں سے پناہ
میرا سمجھا خود کو اے کم تر ز مور زاں ندیدی آں موکل تو کور
جھوٹے بال و پَر پہ کیوں اتنا غرور ڈالیں گے آفات میں تجھ کو ضرور
پَر سبک ہوں تو بلندی پر چلے ہوں جو گرد آلودہ بوجھل ہورہے
دیکھ خاک آلودہ کرلینا نہ پر پند کہنہ میری تیرے کان گر
پند القصہ بہت سی دی اسے جیسے ققنس عادلِ بے درد نے

عاشق کا عشق کی وجہ سے لاپروائی کے ساتھ ناصح اور ملامت گر کو جواب دینا

بولا اے ناصح تو چپ بس کر یہ پند پند کم کر کیونکہ مشکل ہے یہ بند
بند مشکل میری تیری بند سے عشق سے نسبت نہیں عاقل تجھے
درس دردِ عشق کی افزونی کا بوحنیفہؒ شافعیؒ نے کب دیا
قتل کی دھمکی سے مجھ کو مت ڈرا سخت پیاسا ہوں خود اپنے خون کا
موت لاحق عاشقوں کو ہر گھڑی موت ان کی گو نہیں اک طرح کی
جانیں دو سو ہیں انھیں حق کی عطا وہ اُنھیں سے کرتے ہیں ہردم فدا
ایک کے بدلے میں دس پائے جزا پڑھ ذرا قرآں میں عشر امثالہا
گر بہائے خوں مرا وہ خوب رو ناچتے دوں جان اس کے روبرو
موت کا باعث ہے مجھ کو زندگی ہے رہائی زیست سے پایندگی

قتل کردو قتل میں میری خوشی قتل مجھ کو زندگی میں زندگی
اے رخِ روشن تو اے جانِ بقا جذب کرلے جاں عطا کردے لقا
یار جس کا پیار باطن پھونک دے چلنا ہو آنکھوں پہ میری تو چلے
پارسی کہہ گو ہے عربی خوب تر ہیں زبانیں عشق کی صدہا دگر
یار کی خوشبو ہواؤں پر چلے وقفِ حیرت ہر زباں ہوکر رہے
بس کروں میں، سن تو دلبر کا خطاب کان بن، واللہ اعلم بالصواب
توبہ تو عاشق نے کرلی ہے یہ ڈر کیا رہے گا اس پہ قائم دار پر
گرچہ یہ عاشق بخارا جائے گا ساتھ درس، استاد بھی کیا جائے گا؟
ہے مدرس عاشقوں کا حسنِ یار درس و دفتر اس کو سب رؤئے نگار
چپ تو ہیں پھر بھی ہے ان کا غلغلہ تا بہ تختِ دلبر و عرشِ عُلا
درس ان کا شور و رقص و زلزلہ نے کتابِ فقہ نہ باب و سلسلہ
بعدِ میکش ''سلسلہ'' اس قوم کا یار تک دوری سفر ہے ''مسئلہ''
''مسئلہ'' کیسے کا گر پوچھے بتا گنجِ حق کیسہ میں کیونکر آئے گا
ذکر خلع و مبارا کا چلے اس میں بھی ذکرِ بخارا ہی رہے
ذکر سے ہر شے کی خصلت ہے عیاں ہے جہاں خصلت ہے ماہیت وہاں
تو بخارا میں ہنر پائے کئی چاہئے تحصیل کو خُو عجز کی
غصّہ دانش کا بخاری کو نہ تھا بس جمالی اس نے سورج پر نگہ
پائے خلوت میں بصیرت کی جو راہ اس کو دانش سے بھلا کیا فائدہ
ہم پیالہ ہو جو حسنِ روح کا علم اور اخبار سے ذوق اس کو کیا
دید کا دانش پہ غلبہ بڑا اس سے دنیا پر جھکاؤ خلق کا
آنکھوں دیکھے اس جہاں پر سب فدا قرض کی دنیا وہ، کون اپنائے گا
پھر سن آگے اس جواں کی داستاں ہے غمِ صدر جہاں سے ناتواں

اس عاشق کا بخارا کی جانب رخ کرنا

چل دیا وہ عاشقِ خوں نابہ زیر مضطرب سوئے بخارا گرم و تیز
ریگِ صحرا جیسے ریشم زیر پا اس کو جیحوں جیسے اک تالاب تھا
وہ بیاباں اس کو جیسے گلستاں گل پہ جھپٹا جیسے گلچیں شادماں
گو سمرقند کی ہے شہرت قند سے وہ بخارا سے منگاتا تھا اسے
اے بخارا تو ہے عقل افزا یقیں مجھ سے چھینے تو نے میرے عقل و دیں
ہوں ہلال آسا مگر جویائے بدر ڈھونڈتا ہوں میں صف آخر میں صدر
جب بخارا کے حدود آئے نظر غم کی تاریکی میں پیدا تھی سحر
ہوش کھوکر دیر تک لیٹا رہا درپئے اسرار تھی عقلِ رسا
لوگ چھڑکے سر پہ چہرے پر گلاب وہ نہ جانے عشق ہے بہتر گلاب
وہ گلستانِ نہانی میں چلا عشق کی غارت سے بے پروا رہا
تو فسردہ ہوش بھی اس کا نہیں نیشکر خود، پَر شکر جانا نہیں
عقل کا ساماں ہے گو عاقل ہے تؤ غیب کے لشکر سے پر غافل ہے تؤ
یہ سخن بے حد ہے آگے چل رواں تا بخارا میں پہنچ جائے جواں

اس بے نیاز عاشق کا بخارا میں آنا اور دوستوں کا اس کو نمودار ہونے سے ڈرانا

پس بخارا میں وہ آیا شادماں شہر اپنے یار کا دارالاماں
مست اجرامِ فلک سا تیرتا ماہ گلے مل کر کہے مل جا ذرا
جس نے بھی دیکھا بخارا میں کہا دیکھنے پائے نہ کوئی بھاگ جا
ڈھونڈتا ہے تجھ کو شاہِ خشمگیں دس برس کا بدلہ وہ لے گا یقیں
جاں کے درپے ہے نہ رہ بہرِ خدا کام آئے گا نہ دم، افسوس ترا
شاہ کا کتوال تھا عاقل بھی تھا تو مہندس، معتمد، استاد تھا

تو مشیر اس کا رہا اور محترم ہوگیا تو اک خطا سے متہم
بے وفائی کرکے بھاگا شہر سے بچ گیا تھا آ پھنسا پھر کس لئے
بھاگا سو تدبیر کرکے بچ گیا ابلہی یا موت لائی آ گیا
نکتہ چیں ہے عقل عطارد پر تری موت احمق کرتی ہے عاقل کو بھی
جستجو خرگوش تجھ کو شیر کی عقل چالاکی ذہانت کیا ہوئی
سیکڑوں حیلے ہیں از بہرِ قضا موت آنی ہو تو بگڑے گی قضا
راستے بچنے کے بھی ہوں گے کئی پر جکڑ لے گی قضا اژدر کو بھی

عاشق کا ملامت کرنے والے گروہ اور ڈرانے والوں کو جواب دینا

کھینچے پانی وجہِ استسقا مجھے مار دے گا پانی کا پینا مجھے
کوئی مستسقی نہ بھاگے پانی سے مضمحل کردے کہ اس کو مار دے
سوج جائیں گو مرے دست و شکم حرص پانی کی مری ہوگی نہ کم
حال باطن گر کوئی پوچھے کہوں کوئی دریا کاش بہہ جائے دروں
پیٹ سے بولو پیٔے پانی پھٹے میں اگر مر بھی رہوں اچھا لگے
میں جہاں بھی آبجو گر دیکھ لوں کہتا ہوں میں کیوں نہ اس کی جار ہوں
ہاتھ دف اور پیٹ ہو جیسے دُہل ڈھول پانی کا میں پیٹوں جیسے گُل
گر بہائے خوں مرا روح الامیں کرکےاک اک گھونٹ پی لوں جوں زمیں
جوں جنیں جوں خاک خوں پیتا رہا جب سے ہوں عاشق یونہی جیتا رہا
رات پھر جوشاں میں جوں آتش پہ دیگ خون پیتا ہوں میں دن بھر مثلِ ریگ
میں پشیماں ہوں کہ مکر اس سے کیا اس کے مقصد و غصّہ سے بچ کر چلا
بولو جانِ مست پر غصّہ اُتار عید وہ بکری و گائے اس پر نثار
گائے سوئے یا وہ کچھ کھائے پیٔے عیدِ قرباں تک وہ یوں پلتی رہے
گاوِ موسیٰ ہوں کہ دی مردے کو جاں میرا جزو جزو محشرِ آزادگاں

گائے موسیٰ وہ جو قرباں کی گئی　مردے کو ہر ذرّہ وجہِ زندگی
ضرب سے اس کی وہ مردہ جی اٹھا　حکم حق تھا 'اضــربــوہ بـعـضـهـا'
اے بزرگو ذبح کردو یہ بقر　حشرِ رواح چاہتے ہو تم اگر
میں جمادی سے مرا نامی بنا　اور نباتی سے مرا حیواں ہوا
مر کے حیوانی سے میں آدم بنا　کیوں ڈروں پھر موت سے کب کم ہوا
مر کے پھر کھودوں جو اندام بشر　جوں ملائک لاؤں گا میں بال و پَر
اور ملک سے کودنا ہے بہر کو　کُــلُّ شَــیءٍ هــالک اِلّا وجهــهٗ
پھر ملک خود کو قرباں کروں　ماورائے فہم جو ہے وہ بنوں
پھر عدم ہو جاؤں مثلِ ارغنوں　بولے کہ اِنّـــا لـلّــــهِ راجـعـون
موت اندھیرا اہلِ امّت کے یہاں　آبِ حیواں ہے اندھیروں میں نہاں
جوں کنول ہو جالبِ جو رونما　جیسے مستسقی ہو خواہاں آب کا
موت اسے پانی میں، وہ جویائے آب　وہ پئےوالـلّـه اعـلـم بـالـصّـواب
اے بجھے عاشق، بھکاری مسخرے　جاں کے ڈر سے بھاگتا ہے یار سے؟
پیشِ تیغ عشق اے ننگِ زماں　پیٹتے ہیں تالیاں لاکھوں جواں
نہر دیکھی ڈال دے کوزے کا آب　آب کو کیوں نہر سے ہوگا حجاب
آبِ کوزہ آب جو سے جب ملے　خود کو اس میں کھو کے اس جیسا بنے
وصف فانی ذات کو اس کی بقا　پھر کمی آئے نہ ہوگا بدلقا

عاشق کا معشوق کے پاس پہنچنا جبکہ اس نے جان سے ہاتھ دھو لیے

خود کو اس کے جھاڑ سے لٹکا دیا　دور جانا اس میں میرا جرم تھا
گیند سا ڈالے ہوئے سجدے میں سَر　صدر کی جانب چلا باچشمِ تر
زعفرانی گال پر اشکِ رواں　چل دیا بیدل سوئے صدر جہاں
تھا کفن بھی ہاتھ میں تلوار بھی　چونکہ وہ عاشق بھی تھا سرشار بھی

منتظر سب دیکھنے کو ہوگا کیا وہ جلائے یا اسے لٹکائے گا
دیکھیں بدھو تو ملے گا کیا یہاں؟ وہ جو بدبختوں کو دینا ہے جہاں؟
جوں پتنگے کو شرارہ نور تھا بدھو کودا اس میں اور جاں دے دیا
کب ہے شمعِ عشق دیگر شمعوں سی وہ تو ہے سب روشنی ہی روشنی
ہے وہ عکس شمع ہائے آتشی دیکھے آگ پر جملہ خوشی

اس مسجد کی بات جو مہمان کو مار ڈالتی تھی اور اس لاپروا موت کی جستجو کرنے والے مہمان کا بیان

اک حکایت سن ذرا اے نیک بیں بازو شہر رے کے مسجد تھی کہیں
شب نہ کرتا تھا کوئی اس میں بسر اپنے بچوں کی یتیمی کا تھا ڈر
گوزجوں جو بے خبر اندر گیا صبح تارے غائب اور وہ مرگیا
خود کو اچھی طرح کرلے باخبر صبح آئی خواب کو کوتاہ کر
سب یہ کہتے تھے ہیں بد پریاں وہاں لینے تیغِ کند سے مہماں کی جاں
کوئی بولے اس میں ہے جادو طلسم گھات میں ہیں دشمنانِ جان وجسم
کوئی کہتا تھا لگاؤ اشتہار کوئی بھی اس میں نہ ٹھہرے زینہار
شب نہ سونا جان پیاری ہے اگر گھات میں ورنہ ہے تیری موت ادھر
بولا کوئی تالا لگا دینا بھلا غافل آئے گر نہ دو رہنے کو جا

ایک مہمان کا اس مسجد میں آنا

آیا اک مہمان آخر وقتِ شب جس کو تھے معلوم یہ قصّے عجب
امتحاں کرنے کی خاطر آرہا وہ بہادر تھا، بڑا جانباز تھا
اس سرو معدہ کی کیا پروا بھلا سمجھو گنجِ جاں سے اک جبّہ گیا
اپنے تن کو بول جا، میں کون ہوں تجھ سے کیا مطلب جو میں باقی رہوں

تھا نَــفَــخَــت جب کہ از لطفِ خدا — نفخِ حق ہوں جسم کی نے سے جدا
بانگِ صور آئے نہ جب تک اس طرف — تاکہ ہو موتی کو خلاصی از صدف
موت کو دعوت ہے کارِ صادقیں — میں ہوں صادق جان دینے کو یہیں

مسجد والوں کا عاشق کو رات میں اس جگہ پر سونے میں ملامت کرنا اور ڈرانا

منع لوگوں نے کیا سونے سے تب — تا نہ کوئی گھل کی صورت وقتِ شب
تو مسافر ہے نہیں آگاہِ حال — جو بھی سویا اس جگہ دیکھا زوال
اتّفاقاً کیوں، ہوا یوں بارہا — میں نے دیکھا، دیکھے اصحابِ نہیٰ
جو کوئی مسجد میں شب کو سو رہا — قتل وقتِ نیم شب اس کا ہوا
دیکھے ایسے پانچ سو تک واقعے — اپنے دیکھے ہیں نہیں ہیں کچھ سنے
بولے آقاً خیر خواہی دیں ہے صاف — اور ہے دینداری خیانت کے خلاف
یہ نصیحت دوستی میں راستی — اور خود غرضی سے سب ایذا دہی
یہ نصیحت ہے نشانِ دوستی — ہم نے کی منہ پھیر مت، چھوڑ ابلہی

عاشق کا نصیحت کرنے والوں اور ملامت گروں کو جواب دینا

دوستو! اس میں ندامت مجھ کو کیا — زندگی سے سیر جب کہ ہو چکا
بولا بے حس، زخم جو ہوں، زخم خواہ — عافیت کی ہے کہیں بے حس میں چاہ
میں نہیں بے حس جو چاہے ساز و برگ — بے غرض منبل ہوں میں خواہانِ مرگ
میں ہوں منبل زخم بن تن بے سکوں — میں ہوں عاشق زخم کا مجھ کو جنوں
وہ نہیں مٹھی میں پیسہ جو جمائے — میں وہ بے حس ہوں جو پل کے پار جائے
اور نہ جو پھیرے دکانوں کے لگائے — ہوں وہی جو کون پر سے کان جائے
موت پیاری، چھوڑنا ہے اب سرا — مرغ کو پنجرے سے ہونا ہے رہا
وہ قفس جو بیچ میں ہے باغ کے — دیکھئے باغ و شجر سب کچھ ملے

گرد پنجرے کے پرندے بے شمار گائیں آزادی کے قصّے خوش گوار
دیکھے قیدی ہر طرف جب سبزہ زار دانہ کھائے اور نہ پائے وہ قرار
جھانکتا ہے ہر طرف سوراخ سے بند سے تا پاؤں رخصت ملے
جان و دل باہر قفس کے ہے ملال جب قفس کا در کھلے کیا ہوگا حال
غم میں مرغانِ قفس جیسا نہیں بلّیوں کا گھات میں حلقہ نہیں
خوف کس کا اور غم اس کو کس لیے پھر قفس سے کیوں رہائی چاہیے
اب اسے اَن چاہی اس زنبیل سے صد قفس اندر قفس ہی خوش لگے

اس کا بیان کہ جالینوس کا عشق اس دنیاوی زندگی پر اس وجہ سے تھا کہ اس کا فن اس جگہ کام آتا تھا اور اس نے وہ ہنر نہ اختیار کیا تھا جو اس بازار میں کام آئے جہاں وہ اپنے آپ کو عوام کے برابر سمجھتا تھا اور حکم اس دن خدا کے لیے ہے

یوں جو جالینوسِ دانا نے کہا حبِّ دنیا سے تھا اُس کا سلسلہ
زندگی بس، گو رہوں میں نیم جاں کوُنِ اشتر سے سہی دیکھوں جہاں
گرد اس کے بلّیوں کی اک قطار مرغِ جاں پرواز سے مایوس و زار
کچھ نہ دیکھا اس نے بیرونِ جہاں اور عدم اس کو نہ تھا حشرِ نہاں
جب بھی کھینچے باہر جب بھی اللہ کا کرم جائے گا واپس جنیں اندر شکم
جب بھی لائے لطف اسے در کی طرف لوٹ جائے پشتِ مادر کی طرف
گر رکھوں اس گھر سے باہر ایک گام دیکھ پاؤں گا نہیں پھر یہ مقام
ہوتا گندے شہر میں خود در کوئی دیکھتا میں رحم کے اندر سے ہی
چشم سوزن سی بھی ہوتی راہ اگر دیکھ لیتا اس طرف سے میں ادھر
وہ تھا ناواقف جہاں سے اس قدر جیسے جالینوس تھا خود بے خبر
وہ نہ جلتا جو ہے دنیا میں نمی ہے مدد اس کے لیے باہر سے ہی
جس طرح یہ چار عناصر دہر کے لامکاں سے ہے مدد ان کے لیے
آب ودانہ جو بھی زنداں میں ملا باغ و میداں سے ہوا وہ رونما

دیکھ لیتے ہیں وہ باغاتِ انبیا جب مقام ان کا اِدھر ہوجائے گا
وہ ہیں فارغ دہر و جالینوس سے آسمانوں پر ہیں روشن چاند سے
گر ہے جالینوس پر یہ افترا تو نہ سمجھو وہ مخاطب ہے مرا
ہے جواب اس کے لیے جس نے کہا اُس کا دل حامل نہیں ہے نور کا
مرغِ موش جاں چلا سوراخ جوٗ بلیوں نے جب پکاری غُرِّ خوٗ
یوں وطن پہنچا ہوا آسودہ حال بل میں اس دنیا کی چوہے کی مثال
اپنی بل کی پھر مرمت اس نے کی بل کے لائق اس کی دانائی چلی
اور اضافے اس میں پیشوں کے لیے جن کی حاجت بل کو نکلی چُن لیے
چونکہ تھا باہر سے دل برداشتہ بند رستہ تن سے جانے کا ہوا
مکڑی پالیتی گر عنقا کا مزاج تھوک سے خیمہ نہ چھاتی خود پہ آج
بلّی نے قفس پر ڈالا اپنا دام مرگی، وسرسام، وپیچش اس کے نام
چیچک اور قولنج، مالیخولیا سکتہ، قبض اور کوڑھ، منہ کا پھولنا
گربہ موت اور پنجہ وہ بیماریاں بال و پرِ مرغ پر پنجہ زناں
کونہ کونہ ڈھونڈتے جانا دوا موت قاضی اور بیماری دوا
آنا قاضی کے پیادے کا گوا بولے طلبی ہے عدالت میں چل آ
مانگے مہلت گر بچاؤ کے لیے چاہے وہ لے جائے چاہے چھوڑ دے
مانگنا مہلت دوا، چارہ گری جسم کی پیوند کاری ہے یہی
آئے گا اک روز ہوکر غصّہ ور پوچھے مہلت کب تلک بس شرم کر
عذر جاکر شاہ سے تو چاہ لے قبل اس کے کہ مصیبت آپڑے
جو بھی گھوڑا اپنا ظلمت میں بھگائے نورِ دل سے رشتہ فوراً ٹوٹ جائے
وہ گوا سے بھاگنے کو کیوں چلا کہ بلاتا ہے گوا سوئے قضا
ناگہاں پکڑا گیا وہ خوار و زار کھینچ کھنچائے پیش قاضی شرمسار
چھوڑ اسے چل مردِ عاشق کے یہاں وہ جو تھا مسجد میں اک شب میہماں

مسجد والوں کا مہمان کو رات میں مسجد میں سونے پر ملامت کرنا

لوگ بولے جلد بازی کر نہ تو   تا نہ جانو جامہ کر بیٹھے گرو
دور سے آساں لگے پر غور کر   ہوگی مشکل آگے چل کر رہ گذر
تجھ سے پہلے کتنے مشکل میں پڑے   وقتِ آفت ڈھونڈنے پشتی چلے
فیصلہ آساں ہے قبل از واقعہ   تا کہ سوچے نیک کیا ہے بد ہے کیا
ہوگیا درپیش جس دم کارزار   سخت تر ہوجائے گا اس وقت کار
جب نہیں ہے شیر تو بڑھ کر نہ جا   بھیڑ تیری جاں اجل ہے بھیڑیا
گر ولی تو بھیڑ تیرا ہے جو شیر   مطمئن رہ موت کا سر ہوگا زیر
ہے ولی کوئی بدلنے کے لیے؟   مئے سے جس کو فضلِ حق سرکہ کرے
نیم مستی میں تجھے دھوکا ہوا   شہر سمجھا خود کو ہاں آگے نہ جا
بولا حق اہلِ منافق کے لیے   ہیں بہادر وہ تو آپس میں بڑے
ان کی اپنوں میں بڑی مردانگی   اور غزا میں عورتیں بس خانگی
بولے پیغمبرؐ سپہ سالارِ جاں   جنگ سے پہلے دلیری ہے کہاں
ٹھوکتے ہیں سینہ پہلے جنگ کے   جھاگ منہ سے جنگ میں گرنے لگے
وقتِ ذکر غز و تیغ اس کو لے راز   وقت کرّ و فر تیغ اس کی جوں پیاز
جنگجو دل جنگ کا جب ہو خیال   پھر بس اک سوئی خالی سب لکھ حال
اے عجب وہ بھی ہیں جویائے صفا   جن پہ ہے دشوز صیقل کی جفا
عشق دعویٰ، اور سہنا ہے گواہ   گر نہ ہو کوئی گوا دعویٰ تباہ
چاہے گر قاضی گوا دکھی نہ ہو   سانپ کو دے بوسہ لے لے گنج تو
وہ جفا تجھ پر نہیں ہے اے پسر   ہے تری بد اطواری پر خاص کر
مارے نمدے پر چھڑی کوئی اگر   وہ نہیں نمدے پہ مارے دھول پر
چوٹ بھی پڑتی ہے رہوار پر   چوٹ ہے وہ سستیِ رفتار پر

سست رفتار اس کی تا وہ چھوڑ دے
بند ہو شیرا تو وہ صہبا بنے

مارے گر بن باپ بچے کو کوئی
قند تھی لذت میں صورت زہر کی

دیکھا جب اک مرد نے روتا اُسے
آلیا گودی میں اس کو پیار سے

پوچھا بچے کو جو مارا اس قدر
کیا نہیں ہے قہرِ حق کا تجھ کو ڈر

بولا میں نے اس کو مارا ہی نہیں
اس کے شیطاں کو ہی مارا بالیقیں

موت تیری چاہے گرماں خود تری
موت چاہے وہ تری بدخوئی کی

وہ جنھوں نے کی ادب سے بے رخی
آبرو مردانگی کی لوٹ لی

غازلاں جو روکتے تھے جنگ سے
بس مخنث، بزدلاں ہی رہ گئے

شیخی و بکواس سے رہ دور تو
صف میں ایسوں کی نہ جا تو جنگ کو

کہ بدی پھیلائیں گے حق نے کہا
ہمرہانِ سست سے ہوجا رہا

کہ تمھاری صف میں آئیں گے اگر
بھاگیں گے وہ دل صفوں کا توڑ کر

بس سپاہی چند بے اہلِ نفاق
کس لیے بدباطنوں سے اتفاق

منتخب بس دام تھوڑے ہی بھلے
کس لیے بسیار تلخی کو لیے

تلخ و شیریں ہوں بہ صورت ایک ہی
فرق یہ ہے کہ نہیں ہے یک دلی

کافروں کی بزدلی ہے شبہ سے
شک میں عقبیٰ کے یہ جینا کیوں لگے

چل دیے منزل نہ جانے ہے کدھر
کور دل ہر گام پر غلطی کا ڈر

رہ نہ جائے پھر مسافر کیوں چلے
با تردد بادلِ پُرخوں چلے

ہر کوئی بولے ادھر رستہ نہیں
وہ پریشاں ہوکے رک جائے وہیں

گر دلِ باہوش جانے راستہ
ہا و ہو کانوں میں جائے گی بھلا؟

بزدلوں کے ساتھ تو ہرگز نہ جا
وقتِ مشکل ان کو غائب پائے گا

ہوں گے رخصت تجھ کو تنہا چھوڑ کر
سحرِ بابل کے ہیں گو زیرِ اثر

نازنینوں سے تو چاہے کارزار
کیا کہیں موروں سے ممکن ہے شکار

طبعِ طاؤسی یہ سب وسوسے
مکر سب تجھ کو گرانے کے لیے

شیطان کا قریش کو احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنگ کیے لیے کہنا کہ آؤ میں مدد کروں گا اور اپنے کنبہ کو مدد کے لیے بلا لوں گا اور دونوں صفوں کی مڈبھیڑ کے وقت اس کا بھاگ جانا

آئے بہکاوے میں شیطاں کے قریش　　مکر سے بولا کہ کرلو جمع جیش
تاکہ ہم پسپا محمدؐ کو کریں　　بیخ و بن ان کا اکھیڑیں پھینک دیں
سو پہ ایک جب ہوگیا شیطان بھی　　بولا پشتی کے لیے ہوں ساتھ ہی
جمع جس دم ہوگئے جملہ سپہ　　ان کو چالاکی سے یوں کہنے لگا
لے کے آؤں گا قبیلے کو مرے　　تا حمایت جنگ میں وہ کرسکے
تا مدد دوں، تم سے میں یاری کروں　　لشکرِ دشمن کی بربادی کروں
اس کی باتوں میں قریشی آ پھنسے　　تھے دو لشکر اک دگر کے سامنے
دیکھا شیطاں نے فرشتوں کا نزول　　لشکرِ مومن میں از بہرِ شمول
غیب وہ فوج دیکھی صف زدہ　　اس کے ڈر سے جان تھی آتش کدہ
پاؤں واپس کھینچا تھا ٹھہرکر　　ہے عجب لشکر مرے پیشِ نظر
ڈرتا ہوں تائید حق پیدا نہیں　　دیکھتا ہوں، جو تمھیں دِکھتا نہیں
پوچھا اے حارث سرقہ ہو بہو　　کیوں نہ کل ہی کہہ دیا یہ بات تو
بولا سختی جنگ کی دیکھا ابھی　　دیکھو فقرائے عرب کو آب بھی
کیا نہ دیکھا تو نے کچھ اس کے سوا　　وقت وہ تھا لاف کا یہ جنگ کا
کل کہا تو نے کہ ہے ثابت قدم　　فتح و نصرت ساتھ ہوں گے دم بدم
کل تو تھا سردارِ لشکر اے لعیں　　آج ہے نامرد و ناچیز وَہیں
پھنس کے باتوں میں ہم آگئے　　تو گیا بھٹّی میں ہم ہیزم بنے
جب سراقہ سے حارث نے کہا　　وہ لعیں غصّہ میں ناخوش ہوگیا
ہاتھ اپنا کھینچا اس کے ہاتھ سے　　درد پہنچا دل کو اس کی بات سے

سینہ کوٹا، شیطاں اور بھاگے چلا خون ان بیچاروں کا دھوکے سے کیا
کتنی دنیا تھی جسے ویراں کیا پس کہا سے تم میری میں ہوگیا
اس کی چھاتی پیٹ کر چت کردیا کھا کے دہشت ہوگیا فوراً ہوا
تھا وجود اک نفس کا شیطان کا پر دو شکلوں میں ظہور اُن کا ہوا
تھے فرشتہ، عقل دونوں ایک ہی اُس کی حکمت شکل اک جیسی نہ تھی
خود ترے اندر نہاں ہے اک عدو جاں کا دشمن اور روکے عقل کو
گوہ کی صورت کبھی حملہ کرے گھستا ہے سوراخ میں پھر بھاگتے
قلبِ انساں میں کرے روزن کئی اور ہر سوراخ سے جھانکے وہی
رکھتا ہے نظروں سے پنہاں اک مقام اس لیے خناس ہے شیطاں کا نام
جیسے کوئی خار پشت اندر گھُسے اور اسی کے رنگ میں جھانکا کرے
دیو کو خناس خود حق نے کہا اس کا سر بھی جیسے ساہی ہے چھپا
ہر دم اس کو خوفِ صیادِ درشت پس چھپا رکھتا ہے سر کو خار پشت
موقع جب بھی ہو نکالے اپنا سر مکر ایسا سانپ کو کردے جو سر
گر نہ کرتا نفس اندر رہزنی کر نہ پاتے رہزنی رہزن کبھی
تجھ پہ غالب تھی جو شہوت کی سیہ دل اس پر حرص و آفت ہوگیا
تو نہانی فوج سے خوار و تباہ کیونکہ تیرے قہر تک تھی اس کو راہ
سن ذرا قولِ رسولِ پاکؐ تو ہے ترے پہلو میں خود بدتر عدو
شان شوکت چھوڑ اس کی بھاگ جا کہ لڑائی میں ہے وہ ابلیس سا
بہرِ دنیا اس کی تجھ سے دشمنی کردیا آساں عذابِ سرمدی
کیا عجب وہ موت کو آساں کرے سحر سے اس کے وہ سو گنا بنے
کوہ وہ تنکے کو جادو سے کرے اور سو گُنا وہ جادو سے بنے
بد کو اپنے فن سے اچھا بنائے اور اچھّے کو برا وہ کر دکھائے
وہ گھڑی میں آدمی کو خر بنائے اک نشاں سے خر کو انساں کر دکھائے

سحر ایسا مار کر اک پھونک سے اصلیت شے بدل کر چھوڑ دے
ایسا ساحر ہے ترے اندر چھپا مستقل جادو ہے وہ وسواس کا
ایسی اس دنیا میں جادو ہے جہاں توڑ کرنے بھی ہیں ساحر وہاں
اس بیاباں میں جہاں ہے زہرِ تر پودے بھی تریاق کے بھی اے پسر
بولے وہ تریاق لے میں ہوں سِپر زہر کا رد، تجھ سے ہوں نزدیک تر
بات اُس کی سحر و بربادی تری رد ہیں اس کے سحر کو باتیں مری
بولے پیغمبرؐ وہ سردارِ جہاں اُن کی باتوں میں ہے جادو بے گماں
سحر اُن کا ردِّ سحرِ ساحراں مایہ ہے تریاک کا اندر جہاں
وہ بیانِ اولیا و اصفیا نفس کے اغراض سے بے واسطہ
یعنی بچنا نفسِ دوں کے زہر سے جلد جا مرشد سے تو تریاق لے
نفس کے جادو کو اندر توڑ دے گنجِ کامل چاہیے لے نقب سے
چھوڑ اسے چلنا ہے سوئے ابتدا جانبِ مہمان و مسجد چل ذرا
چھوڑ اس کو تا بہ مسجد چل ذرا بول اس مہمان کا اب ماجرا

مہمان کو مارڈالنے والی مسجد کے مہمان کو ملامت گروں کا مکرر نصیحت کرنا

کر نہ جلدی اس میں تو اے ذوالکرم ہم کو مسجد کو نہ کرنا متہم
دشمنی سے گر کہے دشمن کوئی بدخواہ ہم کو نذرِ آتش کر نہ دے
کوئی ظالم قتل کردے گا اسے خود بچے مسجد پہ تہمت ڈال کے
تا بہانۂ قتل مسجد پر دھرے چونکہ بدنام مسجد خود بچ سکے
متّہم ہم کو نہ اے سخت جاں ہم نہیں محفوظ اندر دشمناں
جا، نہ کر جلدی، تو سودا مت پکا گز سے ناپا آسماں کوئی بتا
تجھ سے کئی نازاں تھے اپنے بخت پر پر ہوئے شرمندہ داڑھی نوچ کر
چل ابھی کوتاہ کر یہ قیل قال خود کو اور ہم کو مصیبت میں نہ ڈال

مہمان کا ان کو جواب دینا اور مثال دینا کھیتی کے رکھوالے کی ڈھول کی آواز سے اس اونٹ کی آواز سے اس اونٹ کو کھیتی سے بھگانے کی جس کی پشت پر رکھ کر نقارے کو بجاتے تھے

یارو میں کچھ قومِ شیطاں سے نہیں　　زور یہ لاحول توڑے گا نہیں
کھیت کا رکھوالا وہ اک بچہ جو تھا　　دف سے چڑیوں کو بھگاتا تھا سدا
سن کے دف تا بھاگیں چڑیاں کھیت سے　　کھیت تا چڑیوں کے نقصاں سے بچے
گزرا جب محمود شاہ اُس راہ سے　　اس نے خیمے اس جگہ لگوا دیے
مثلِ انجم فوج بھی اس کی کثیر　　تھا بڑا فیروزمند ملک گیر
اک زبردست اونٹ پر نقارہ تھا　　پیش ہوتا واک مرغ سا
رات دن وقتِ سفر اور واپسی　　باجتے تھے ڈھول دونوں وقت بھی
اونٹ پہنچا کھیت میں جب گیہوں کے　　دُف بجایا بچہ اس کو ہانکنے
بولا دانا مت بجا دف کیونکہ وہ　　بُختی ہے اور جانتا ہے طبل کو
بچے! تیری ڈفلی اس کو کیا بھگائے　　بیس گنا طبل سلطاں ہے اٹھائے
عاشقِ کشتہ ہوں میں قربانِ لا　　میری جاں نوبت گہِ طبل و بلا
یہ ڈراوے خود ہیں اک کھٹکا مجھے　　دیکھے میں نے پہلے خود اس سے بڑے
دوستو میں بھی کچھ ان جیسا نہیں　　ڈر کے باتوں سے رک جائے وہیں
جیسے اسماعیلیاں ہوں میں نڈر　　اور اسماعیلؑ سایے خوفِ سَر
شان وشوکت اور دکھاوے سے رہا　　اس نے بلوایا، میں بولا جاں کو آ
بولے قرض اس نے دیا اچھا کیا　　اور عوض لینے کا بھی موقِن رہا
اک عطا پر سو عوض جس کو سجھائے　　زود تر وہ جو بھی ہو اپنا لٹائے
اس لیے بازار میں سب پھنس گئے　　مال دیں تا فائدے کے واسطے
پیسے تھیلی میں لیے بیٹھے رہے　　بذل سے سود ان کو تا کہ مل سکے

نفع مالِ غیر سے دیکھے سوا　　تو لگے مالِ خود اس کو کم بہا
اس کو اپنا مال ہی پیارا لگا　　کیونکہ سود اس کے سوا دیکھا نہ تھا
ہے یہی حال علم و فن ہر پیشہ کا　　نفع بڑھتے جب نہیں دیکھا گیا
جاں سے بہتر گر نہ ہو جاں ہو عزیز　　گر ہو بہتر جاں نہ ہوگی کوئی چیز
مردہ گڑیا ہوتی ہے بچے کی جاں　　جب تلک بچہ نہ ہوجائے جواں
جیسے یہ گڑیا، تصوّر یہ خیال　　ہے یہی طفلی میں تیرے حسبِ حال
جب گئی طفلی ہوا حاصل وصال　　ذہن سے جاتا رہا اس کا خیال
ہو اگر محرم تو کہہ دوں بے نفاق　　چپ ہوں بس واللہ، اعلم بالوفاق
مال اور تن ہیں برف جوں رو در فنا　　ہیں بکاؤ، مولنے والا خدا
برفِ مال و تن ہے بدلے سے سوا　　کیونکہ بدلے سے ہے تو شک میں پڑا
اے نکمے تو گماں میں ہے پھنسا　　باغِ ایقاں میں نہیں تو پر کشا
ہر گماں پیاسا یقیں کا اے پسر　　جہد میں وہ تاکہ لائے بال و پَر
پائے جس دم علم ہوجائے کھڑا　　علم اسے سوئے یقیں لے جائے گا
سورۃ 'اَلْھٰـکُـم' میں کر اس کی تلاش　　ہوگا پھر 'لـو تـعلمون' کے بعد فاش
علم کھینچے دید کے سمت اے علیم　　ہو یقیں تو دیکھ بھی لے گا جحیم
ہے یقیں کے بعد مطلوب آشکار　　جوں گماں پر ہے خیالوں کا مدار
سورۃ 'اَلْھٰـکُـم' میں کیا دیکھا نہیں　　ہوتا ہے علم الیقیں عین الیقیں
میں ہوں اب بالاتر از ظن و یقیں　　سر ملامت سن کے چکراتا نہیں
آشنا ہے اس کے حلوے سے زباں　　دیکھتی ہے میری آنکھ اس کو عیاں
بے ادب جاتا ہوں گھر جاتا ہوں جب　　لڑکھڑاتا، کور سا جاتا ہوں کب
کچھ کہا حق نے تو گل ہنسنے لگا　　تیرے دل کو شاد سو گنا کیا
سرو کو کچھ بول کر سیدھا کیا　　نرگس و نسریں کو بھی کچھ دے دیا
نے میں کچھ پھونکا آ گئی اس میں مٹھاس　　اور ہوئی مٹی بھی خوبی کی اساس

کردیا ابرو کو کتنا نوکدار   چہرے کو گلگوں بنایا جوں انار
دی زباں کو قوتِ افسوں گری   اور بخشا کانوں کو زرِّ جعفری
جب کہ اسلحہ خانے کا در وا ہوا   کار تیرا انداز آنکھوں نے کیا
دل جو گھائل ہوچکا مجنوں بنا   عاشقِ شکر شکر خا ہوگیا
عاشق اس کا ہوں کہ جس کا ہے سبھی   جس کے لب سے عقل و جاں کی زندگی
مجھ سے شیخی دور ہے، ہاں گر ہوئی   میں بجھا سکتا ہوں شعلے آپ ہی
کیوں کروں چوری محافظ ہے وہی   ٹکڑا ہوجاؤں، ہے پشتی اس کی ہی
پشت کو جس کی رکھے خورشید گرم   زورور ہے خوف ہے اس کو نہ شرم
جیسے رؤئے آفتابِ بے خطر   اس کا چہرہ خصم سوز و پردہ در
تھا زمانے میں بہادر ہر نبی   جنگ تنہا لشکرِ شاہی سے کی
منہ نہ پھیرا دیکھ کر درد محن   سارے عالم پر وہ تنہا پنجہ زن
سخت جوں پتھر وہ آنکھیں اس کی شوخ   اس کو کیا خوف جہانِ پر کلوخ
خشت زن سے ڈھیلے وہ اک تن ہوئے   اور پتھر صنعت خلاق سے
بکریاں ہوں بے شمار و بے حساب   خوف کھاتا ہے کہیں ان سے قصاب
تم سبھی ریوڑ ہو گلہ باں نبی   خلق جوں ریوڑ تو ہے کوشاں نبی
کیوں ڈرے ریوڑ سے اپنے گڈریا   وہ محافظ، دیکھے سب اچھا برا
غصّہ سے چلائے ریوڑ پر اگر   اس کا باعث سب پہ شفقت کی نظر
کان میں کہتی ہے ہردم اک خوشی   غم اگر دوں، تو نہ ہو غمگیں کبھی
میں رُلاؤں، میں تجھے دکھ درد دوں   چشمِ بد سے تا تجھے پنہاں رکھوں
رنج دیگر میں بناؤں زشت خو   چشمِ بد سے تار ہے محفوظ تو
تو شکاری ہے نہ ہی جویا مرا   زیرِ فرماں تو ہے اک بندہ مرا
میری قربت کو توچاہے راستہ   ہجر میں بے بس تو سعی بے فائدہ
مجھ سے چاہے چارہ اپنے درد کا   ہائے شب بھر وہ تری آہ و بُکا

یہ بھی ممکن میں تجھے بے انتظار　راستہ دوں اور دکھا دوں رہ گزار
تا کہ اس گردابِ دوراں سے بچے　وصل کا گنجینہ تو حاصل کرے
لیک منزل پر اٹھانے کے مزے　ہوں گے ہمسر مشکلاتِ راہ کے
سہل جو پائے گنوائے سہل ہی　درِ مشکل یاب پیارا جاں سے بھی
شہر اور خوشیوں کی راحت تب چکھے　لوٹے جب غربت کے دکھڑے پیٹ کے
مشکلوں سے منہ نہ موڑ اپنا جوان　سن مثل یہ اور مقام اپنا تو جان

مصیبت میں مومن کے بھاگنے اور اس کی عجلت اور بے صبری کی مثال دینا۔

چنے اور دوسری چیزوں کے دیگ کے جوش میں بے قراری کے ساتھ اور دیگ کے اوپر کو بھاگنے کے ساتھ تا کہ وہ باہر نکل پڑے اور بی بی کے اس کو روکنے کے ساتھ

تو چنے کو دیکھ اندر دیگ کے　کیوں ہے رقصاں ہو کے عاجز آگ سے
جب بھی جوش آتا ہے، آتا ہے ابھر　کودتا ہے دیگ میں وہ کود کر
کس لیے کی مجھ میں یہ آتش زنی　کیوں خرید، کیا پئے شرمندگی
مار چمچہ کیا نہ بی بی نے کہا　خوب گل جا دور آتش سے نہ جا
ناخوشی سے جوش کیوں دوں گی تجھے　تجھ کو لذت دار کرنا ہے مجھے
تا غذا ہو اور شریکِ جاں بنے　یہ نہیں تیری برائی کے لیے
باغ میں پانی سے تو شاداب تھا　آگ ہے شاداب ہونے کا صلہ
رحمت اول اس کی ہے جو قہر سے　تا تو لائق امتحاں کے بن سکے
قہر سے پہلے ہے رحمت تا تجھے　جو بھی لازم ہے وہ ساماں مل سکے
بے مزہ پیدا نہیں یہ گوشت پوست　یہ نہ ہو تو کیا گلائے عشقِ دوست
اس کے باعث ہیں مصائب روبرو　تا کرے قربان اس سرمایہ کو
لطف پھر آئے گا اس کے عدو کو　کرلیا غسل اور نکلا جو سے تو
خوب تو نے چر لیا وقتِ بہار　اب ہے آفت تیری مہماں ہوشیار

تا کہ لوٹے شاد ہوکر میہماں — شاہ کے آگے ہو تیرا مدح خواں
جائے نعمت تجھ کو خود منعم ملے — نعمتوں کو بھی حسد ہونے لگے
میں خلیل اور تو پسر یہ ہے چھرا — ذبح دیکھا میں پس سر جھکا
قہر کو دے سر، رہے دل برقرار — تا کروں میں ذبح اسماعیلؑ وار
کاٹتا ہوں پھر بھی یہ سر ہے وہ سر — کٹنے مرنے سے نہیں جس کو ضرر
مقصد اس کا بس تری تعلیم ہے — بہرِ مسلم اک رہ تسلیم ہے
اے چنے تو امتحاں میں جوش کھا — تیری ہستی و اَنا تا ہو فنا
اُس گلستاں میں اگر خنداں ہے تو — تو گلِ بستانِ چشم و جاں ہے تو
آب و گِل کے باغ سے گو ہے جدا — لقمہ بن کر پالیا زندوں میں جا
قوّتِ تخیّل بن بن کر غذا — شیر تھا اور شیر بن جا دشت کا
اس کی فطرت پرتو تؤ پہلے اُگا — اس کی عادت کی طرف پھر لوٹ جا
ابر و خورشید و فلک کا تو بنا — بن گیا اوصاف گردوں پر چلا
دھوپ اور بارش میں تھی آمد تری — رخ ہے تیرا اب سوئے پاکیزگی
جزو شمس و ابر انجم تھا کبھی — نفس وفعل، قول وفکر اب ہے تو ہی
جب حیاتی سے گیا حیواں بنا — اُقتُلونی یا ثقات اب سچ ہوا
کامیابی ہے جب ایسی بعدِ مات — سچ ہے بعدِقتل ہے مجھ کو حیات
فعل و قولِ صدق ہے قوتِ ملک — تا ہو حاصل ارتقا سوئے فلک
اس طرح اک لقمہ کھائے جب بشر — وہ جمادی سے بنا اک جانور
اس سخن کا اک مفصل تذکرہ — چل کر آگے اور جا پر آئے گا
آتے رہتے ہیں فلک سے کارواں — بعد سودا ہوتے ہیں واپس رواں
چل خوشی سے عمدگی سے آپ بھی — نے بہ تلخی و کراہت چور سی
آبِ سرو انگور کی شکنیں مٹائے — وہ نجات افسردگی سردی سے پائے
ہوگا کڑواہٹ سے دل پر خوش ترا — بعد ازاں تلخی سے تو ہوگا رہا

آفتوں پر صبر جو کرتا نہیں مقبلِ درگاہِ حق ہوگا نہیں
سر ڈالیں تجھ پہ تو صابر رہے شہد کے ماخذ تو شیریں بنے
سگ شکاری وہ کہ ہو کروں میں طوق خام و ناپختہ کو کب ہے اس کا ذوق

مومن کے صابر ہونے کی مثال جبکہ وہ مصیبت کے راز سے واقف ہو جائے

پس چنا بولا اگر سچ ہے یہی بن کے حامی جوش دے بی بی ابھی
جوش دے کر تو بناتی ہے مجھے مارا بھی کفگیر تو اچھی لگے
میں ہوں ہاتھی سر پہ زخم و داغ دے تا نہ دیکھوں خواب ہندوستان کے
جوش دکھلانے میں خود بھول جاؤں راہ تا گودی میں اپنی پاسکوں
کرتا ہے بے فکر انساں سرکشی باغی جیسے خواب ہیں ہاتھی کوئی
ہند دیکھے خواب میں ہاتھی اگر کیوں رہے گا پیلباں کی بات پر

بی بی کا چنے سے عذر کرنا اور بی بی کا چنے کو جوش دینے کی حکمت بیان کرنا

بی بی بولی اس سے پہلے خود یہیں میں بھی تھی تیری طرح جزوِ زمیں
میں نے پہنا جب لباسِ آشتی ہوگئی مقبول اور لائق بنی
دیکھی اک مدت زمانے میں جلن بعد ازاں تھا جوش کو دیگِ بدن
قوتِ حس دو اُبالوں سے ہوئی روح ہوکر تیری اُستانی بنی
منتقل ہوتے جمادی سے چلی تا بنوں علم و صفاتِ معنوی
بن گئی جب روح تو پھر جوش کھا عالم حیوانی کو اب چھوڑ جا
مرحلہ نازک ہے حق سے کر دعا تا بلا لغزش تو پائے منتہا
کیونکہ قرآں سے کئی گمرہ ہوئے اس رسن سے قعرِ چہ میں جاگرے
کیا خطا رسی کی اے سرکش بتا سر اٹھانے کا تجھے سودا نہ تھا
عاشقِ بیخود کی جانب چل ذرا دیکھ اس مسجد میں اس نے کیا کیا

اس مہمان کو مار ڈالنے مسجد کے مہمان کا قصہ
اور اس کے ارادے کی سچائی اور جماؤ کا قصہ

وہ غریبِ شہر خواہانِ علو　　بولا مسجد میں رہوں گا رات کو
اے حرم گر تو ہے میرا کربلا　　مجھ کو ہوگا کعبہ حاجت روا
دے اجازت مجھ کو میرے پیارے یار　　کھیلوں تا رسی سے میں منصور وار
ہو نصیحت میں اگر تم جبریلؑ　　آگ میں امداد کیوں مانگے خلیلؑ
جاؤ اے جبریلؑ میں جلتا بھلا　　عود و عنبر کی طرح جل جاؤں گا
گرچہ اے جبریلؑ یاری تم نے کی　　کی حمایت تم نے میری بھائی سی
بھائی میں ہوں آگ سے بھی تیزتر　　گھٹنے بڑھنے کا نہیں ہے مجھ کو ڈر
جان حیوانی پلی ہے گھاس کی　　ختم آتش پر ہوئی ایندھن بنی
گر نہ ہوتی لکڑی وہ لاتی ثمر　　تا ابد آباد رہتی بے خطر
بادِ سوزاں ہے یہ آتش بالیقیں　　آگ کا پرتو ہے بس، آتش نہیں
آگ اصلی ہے وہ ابرِ آتشیں　　اس کی پرچھائیں کی حامل ہے زمیں
سایہ فانی ہے بوجہِ اضطراب　　لوٹتا ہے اصل کی جانب شتاب
تیرا قد ہے برقرار اپنی جگہ　　سایہ گہ چھوٹا ہے اور گاہے بڑا
سایہ کو کس کے ہوا حاصل ثبات　　لوٹتے ہیں سائے سوئے امہات
بند کر لب جو نہ فتنوں کی کشاد　　بس تو چپ واللہ اعلم بالرشاد
فتنہ پیدا ہے ہوا عالم خراب　　مشرق و مغرب ہے زبانِ اضطراب
ہے حقائق سے دلوں کا قال تنگ　　چھڑ گئی اقوام کی آپس میں جنگ
باتیں پکڑی فضول پس میں چپ رہوں　　مسئلہ تسلیم ہے خاموش ہوں
گر یہ پوچھے باعثِ فتنہ ہے کیا　　سن بتاتا ہوں غم اپنا بڑھ چلا

کم سمجھ لوگوں کی بداندیشی کے خیال کا ذکر

اس سے پہلے کہ ہو ختم اس کا بیاں   ہے عیاں حساد سے گندہ دھواں
میں ہوں بے حس پر یہی دولتیاں   سادہ دل کے پیچھے پیچھے ہیں رواں
خوب فرمائے حکیم غزنوی   منکروں کو اک مثالِ معنوی
کچھ نہ ہو قرآں میں لفظوں کے سوا   گمرہوں میں عجب کی بات کیا
ہیں شعاعیں مہر کی گو پُر ز نور   کچھ نہ پائے غیرِ گرمی چشمِ کور
سر نکالا احمق اک خرخانے سے   طعنہ بازوں کی طرح طعنے دیے
ہے بہت گھٹیا کلامِ مثنوی   باتیں نبیوں کی ہیں اور تقلید کی
ذکرِ اسرارِ بلند اس میں کہاں   اس میں تا زور آزمائیں رازداں
ترک عالم کرکے جائیں تا فنا   درجہ درجہ طے کریں پائیں لقا
فکر منزل ہے نہ کچھ شرحِ مقام   صرف ہوتا زورِ اہلِ دل تمام
ایک افسوں اور افسانہ سبھی   بے حقیقت قصہ بچکانہ سبھی
جب کتاب اللہ کی نازل ہوئی   طعنہ زن کافر تھے اس پر بھی یونہی
کہنہ قصے، اوندھے افسانے بنائے   اس میں گہرائی نہ سچائی کو جائے
پڑھ کے بچہ اس کے معنی پائے گا   اس میں کیا ہے نیک اور بد کے سوا
ذکرِ آدمؑ، گندم و ابلیس و مار   ذکرِ ہودؑ و با ابراہیمؑ و نار
ذکر نوحؑ و کشتی و طوفان کا   موڑنا منہ راہ سے کنعان کا
ذکر اسماعیلؑ و ذبح و جبریلؑ   اور ذکرِ کعبہ و اصحابِ فیل
اس یوسفؑ وحسنِ یوسفؑ کا بیاں   درد یعقوبؑ و زلیخا سب عیاں
ذکرِ بلقیس و سلیمانؑ و سبا   ذکر داؤدؑ و زبور و اوریا
ذکرِ طالوت و شعیبؑ و صوم کا   ذکرِ یونسؑ ولوطؑ اور ان کی قوم کا
ذکرِ مریمؑ وحمل ونخل و دردِ زہ   ذکرِ یحییٰؑ و باغ و ذکرِ زکریاؑ

ذکرِ صالحؑ و ناقہ و تقسیمِ آب ذکرِ ادریسؑ و مناجات و جواب
ذکرِ الیاسؑ و عزیر اور موت کا گنجِ وقاروں کا نتیجہ کیا ہوا
ذکرِ ایوبؑ اور برداشتِ بلا ذکر میں حالاتِ اسرائیل کا
ذکرِ صور و موسیٰؑ و شجر و عصا ترکِ پاپوش و خطابات و عطا
ذکرِ عیسیٰؑ اور ان کے رفع کا ذکرِ ذوالقرنین و خضرؑ و ارمیا
ذکر احمدؐ اور عظیم اخلاق کا ذکر اس کا چاند جو شق ہوگیا
فہم کر سکتے ہیں سب یہ ہے عیاں عقل گم ہو جس میں بات ایسی کہاں
یہ سبھی آساں اگر پاتا ہے تو ایسی اک سورۃ بنا لا سخت تو
قول اے جنو اے انسانو سبھی لاؤ گھڑ کر ایسی ایک آیت سہی

اس حدیث کی تفسیر کہ قرآن کا ظاہر اور باطن ہے
اور اس کے باطن کا باطن ہے، سات باطنوں تک

حرفِ قرآں کا ہے اک ظاہر مگر اس کے ظاہر میں ہے یہ باطن سخت تر
نیچے اس باطن کے باطن ہے دگر اس میں سرگرداں ہے سب فکر و نظر
نیچے اس باطن کے باطن تیسرا عقل کھو جاتی آکر اس جگہ
جو تھا باطن سب سے پوشیدہ رہا اور نہ جانا اس کو اللہ کے سوا
سات باطن ہیں یونہی اے نیک خو اس حدیثِ مصطفیؐ سے جان تو!
ظاہرِ قرآں پہ جانِ من نہ جا دیو کو جز خاک آدم میں تھا کیا
ظاہر قرآں ہے گویا آدمی شکل پیدا روح ہے اس کی چھپی
یہ رہے سو سال ماموں اور چچا ذرّہ بھر جانے نہ حال انسان کا

اس کا بیان کہ اولیا اور انبیا علیہم السلام کا پہاڑوں اور غاروں میں جانا اپنے آپ کو پوشیدہ کرنے کے لیے ہے، اور نہ مخلوق کے پریشان کرنے اور ڈر کی وجہ سے ہے

بلکہ دنیا سے بقدرِ امکان منقطع رہنے کے بارے میں لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی اور برانگیختہ کرنے کے لیے ہے

اولیا نے غاروں کو گھر کرلیا لوگوں کی نظروں سے بچ رہنا جو تھا
ہے پہاڑوں پر ہمیں ان کا مقام اوجِ ہفت افلاک، ان کے زیرِ گام
کوہ کیوں ڈھونڈیں وہ چھپنے کے لیے ویسے بھی ہیں ہم سے سو دریا پرے
کیا تھی حاجت، کیوں سوئے کوہ جو چلے تھک گیا چرخ اُن کے پیچھے دوڑتے
آسماں پایا نہ جاں کی گرد بھی پس اسے حاصل تھا جامہ ما تھی
ہوتی ہیں پریاں تو پوشیدہ مگر آدمی ہے ان سے پوشیدہ تر
نزدِ عاقل ان چھپی پریوں سے بھی سو طرح پوشیدہ تر ہے آدمی
نزد عاقل جب ہے پنہاں آدمی کیا وہ آدمؑ نزدِ حق جو ہیں صفی

اولیا کی صورت اور اولیا کے کلام کی صورت کی تشبیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دم کرنے کی صورت سے

آدمی ہے جوں عصائے موسوی آدمی ہے جوں فسونِ عیسوی
ہے برائے فیض قلب موسناں حق کے ہاں دو انگلیوں کے درمیاں
صرف اک لکڑی ہے وہ پیشِ عوام منہ جو کھولے لقمہ عالم تمام
تو نہ ڈھونڈ عیسیٰ کے دم حرف وصوت دیکھ یہ کیوں بھاگتی ہے اس سے موت
تو فسوں پست لہجے کو نہ دیکھ کس طرح اٹھ بیٹھتا ہے مردہ دیکھ
اس کے سہل پانے پر نہ جا دیکھ کیوں دریا کو دو حصے کیا
تو نے دیکھا دور سے چھتر سیاہ اک قدم بڑھ آگے پائے گا سپاہ
دور سے تو دیکھتا ہے صرف گرد بڑھ کے دیکھ گرد سے پیدا ہے مرد
گرد آنکھوں کی بڑھائے روشنی اس کی وہ مردی اکھیڑے کوہ بھی
آئے موسیٰ تیہ سے باہر اُدھر طور رقصاں ان کو آتے دیکھ کر

اللہ تعالیٰ کا قول اے پہاڑوں اور پرندوں اس کے ساتھ جوابی بنو کی تفسیر

حق سے روشن چہرہ تھا داؤدؑ کا کوہ ان کے ساتھ تھے نالہ سرا
کوہ بھی ساتھی بنے داؤدؑ کے عشقِ شہ سے دونوں مطرب مست تھے
ہم نوا ہونے پہاڑوں سے کہا ہوگئے ہم پر وہ دونوں ہم نوا
بولا اے داؤدؑ تم مہجور ہو میری خاطر ہمدموں سے دور ہو
اے مسافر تو اکیلا رہ گیا بھڑکا تیرے دل میں شعلہ عشق کا
مطرب و قوال، و ہمدم چاہیے ساتھ دینے کو ہیں یہ سب کہسار لے
تا بجے شہنائی، قوالی کریں تیرے آگے نغمہ پیرائی کریں
جس طرح کہسار ہیں نالہ سرا بے لب و دنداں ہیں نالاں اولیا
نغمۂ اجزائے جسمِ پاک سب گوشِ حِس سنتے ہیں وہ وقت شب
سنتا ہے وہ ہمنشیں سنتے نہیں آفریں آشنا صد آفریں
پاتا ہے خود میں وہ صدہا گفتگو ہمنشیں اس کے نہ پائے جن کی بُو
لامکانی سو سوال و سو جواب اُن سے دل ہوتا ہے ہردم فیض یاب
تو سنے گا غیر پر کیوں کر سنیں کان اگر نزدیک بھی لاکر سنیں
مانا اے بہرے تو سن سکتا نہیں دی مثال اس کی تو کیا پایا نہیں

اپنی سمجھ کی کوتاہی کی وجہ سے مثنوی پر اعتراض کرنے والوں کا جواب

طعنہ زن کہتے یہ بھوں بھوں کیوں تری راہ تو نے طعنہ بر قرآں کی لی
یہ نہیں وہ شیر جس سے جاں بچے یا کہ اس کے قہر سے ایماں بچے
تا قیامت ہے یہ قرآں کی صدا اے کہ تم ہو جاہلیّت پر فدا
اور افسانہ سمجھتے ہو مجھے تخمِ طعن و کافری تم بو دیے
تم نے خود دیکھا ہے طعنہ زن جو تھے فانی ہوکر خود وہ افسانہ بنے

میں کلامُ اللہ ہوں قائم بذات　　قوتِ جانِ جاں ہوں یاقوتِ ذکات
تم میں ہوں میں نورِ خورشید خدا　　میں نہیں خورشید سے لیکن جدا
دیکھو میں ہوں چشمۂ آبِ حیات　　موت سے تا عاشقوں کو دوں نجات
گر نہ چھینکے ہوتے مجھ پر گندگی　　حق سے اک گھونٹ اس کا پانی قبر بھی
بات پر دانا کی ہے پورا یقیں　　طعن پر دل پھیر لوں ممکن نہیں

سائیسوں کی سیٹی بجانے سے گھوڑے کے بچھڑے کے پانی سے بھڑکنے کی مثال دینا

جس طرح فرمائے وہ وقتِ خطاب　　پی رہا تھا بچھڑا ماں کے ساتھ آب
بولتے تھے بچھڑے کو سیٹی بجا　　آؤ آؤ یہ ہے پانی کی جگہ
جوں ہی پہنچی یہ مچھیرے تک صدا　　سر کیا اوپر ز خود گھبرا گیا
پوچھا ماں نے مچھیرے کیا ہوا　　ہر گھڑی پانی سے کیوں بھاگے چلا
کرّہ بولا مجھ پہ چھا جاتا ہے ڈر　　غل مچاتے ہیں جو مل کر یہ نفر
دل لرز جاتا ہے ہوکر بدحواس　　اس اکٹھے شور سے میں پُر ہراس
بولی ماں جب تک یہ دنیا ہے یونہی　　ہوں گے دنیا میں فضولی آدمی
تو کیے جا کام اپنے اے حبیب　　یہ پشیماں ہو رہیں گے عنقریب
تنگ مہلت تیز پا آبِ رواں　　اس سے پہلے کہ ہونٹ کرے نشاں
آبِ حیواں کی لبالب نہر سے　　پانی دے پودے کو تا پھل لا سکے
چشمۂ حیواں ہے نطقِ اولیا　　پی رہے ہیں ہم، اے پیاسے تو بھی آ
کور تو پانی نہ دیکھے گا بجُو　　ڈال حکمت سے تو پانی میں سبو
پالیا پانی تو جب آواز سے　　ہے جو اندھا پیروی سے کام لے
اپنی شک کی مشک تہ پانی میں کر　　اور جا لب اس کو اُس پانی سے بھر
پائے گر بھاری یقیں ہوجائے گا　　دل ترا تقلید سے ہوگا رہا

گو نہیں ہے کور کو پانی عیاں جان لے گا جب سبو دیکھ گراں
نہر سے پانی سبو میں آگیا پہلے وہ ہلکا تھا بھاری ہوگیا
میں پھسل جاتا تھا زورِ باد سے اب جو بھاری ہوں ہلائے کیوں مجھے
بیوقوفوں کو ہلاتی ہے ہوا کیونکہ ہلکے ان کے ہوتے ہیں قویٰ
کشتی بے لنگر ہے گویا مرے شر کیا اُسے بادِ مخالف سے حذر
مردِ عاقل کو ہے لنگر عقل کا عاقلوں سے مانگ کر لنگر تو لا
جب سہارا عقل کا حاصل ہوا تو دُرِ گنجینۂ دُر پالیا
اس مدد کے بل پہ دل پُرفن بنے دل کو تقویت نظر کو نور دے
نورِ دل سے آنکھ میں پیدا نظر آنکھ کیا دیکھے نہ ہوگا دل اگر
دل جہاں انوارِ عقلی پالیا حصہ آنکھوں کا دو آنکھوں کو دیا
ہے مبارک آسمانی آب کیا وحیِ دل، صدقِ بیانی کی عطا
پیتے ہیں ہم بھی بچھیرے کی مثال سمت طاعن کے نہیں جاتا خیال
نبیوں کے پیرو! چل ان کی راہ پر ان سنے لوگوں کے طعنوں کو تو کر
وہ بزرگاں راستہ طے کر لیے کتوں کی بھوں بھوں کی پروا کب کیے
اب بتا اس شیر دل کا واقعہ اس نے کیا مسجد میں دیکھا کیا کیا

مہمان اور مہمان کو قتل کرنے والی مسجد کے قصے کا بقیہ

لیٹا تھا مسجد میں نیند آتی نہ تھی نہر کا ڈوبا بھی سویا ہے کبھی
خوابِ مرغ و ماہی کا عالم وہی جیسے غرقابِ غماں عشاق کی
نیم شب پُرہول آواز اک سنی آتا ہوں سر پر میں آتا ہوں ابھی
پانچ بار آوازِ سخت ایسی سنی ہوگیا صد پارہ دل اس کا تبھی

اس آیت کی تفسیر اور ان پر سوار اور پیادے چڑھا اور ان کے ساتھ سا جھا لگا مالوں اور اولادمیں اور ان سے وعدہ کر اور نہیں وعدہ کرتا ہے ان سے شیطان مگر دھوکے کا

قصد دیں جب تو کوشش سے کرے　　جسم کے اندر تجھے شیطاں کہے
دیکھ اے گمرہ، اُدھر ہرگز نہ جا　　تو فقیری و رنج میں گھر جائے گا
بن کے کھوئے گا یاروں کو بھی　　دیکھے گا پھر ذلت و شرمندگی
سن کے اس دیوِ ملعوں کی صدا　　گمرہی میں پھر یقیں سے جائے گا
ہیں وہ کل پرسوں مرے ہی واسطے　　راہِ دیں چلنے کو مہلت ہے مجھے
دائیں بائیں موت کے حالات دیکھ　　طاری ہے ہمسائے پہ سکرات دیکھ
جاں کے ڈر سے قصہ دیں کرتا ہے تو　　جیسے کچھ ہی دیر میں مرتا ہے تو
علم و حکمت کو کرے ہتھیار تؤ　　ڈر کے میں کم کیوں کروں رفتار کو
مکر سے پھر وہ پکارے گا تجھے　　دیکھ باز آ فقر کی تلوار سے
پھر کرے تو ترک راہِ روشنی　　پھینکے تو ہتھیار علم و فن کے بھی
مدتوں تو اس کی باتوں کا غلام　　ظلمتوں میں ایسی ہو تیرا مقام
یوں ہی کیا کیا نہ شیاطیں نے کیا　　خلق کو جکڑا دبا ڈالا گلا
ہوگئی جاں ان کی ناامیدِ نور　　جیسے جاں کفار کی اندر قبور
دبدبہ یہ اک لعیں کی بانگ کا　　بانگ حق کا ہوگا کیسا دبدبہ!
باز سے ڈر ہے چکوروں کو بجا　　مکھیوں کو ڈر بھلا کیوں باز کا
باز کب ہوتا ہے صیادِ مگس　　مارنے ان کے لیے مکڑی ہے بس
جوں مگس تو تجھ پہ ہے شیطاں کا زور　　کیوں ڈریں گے اس سے شاہیں و چکور
بانگِ دیواں گلہ بانِ اشقیا　　بانگ سلطان پاسبانِ اولیا
کور و بینا تا بہم ہونے نہ پائیں　　قطرہ ہائے شور و شیریں مل نہ جائیں

مسجد کے مہمان کو آدھی رات میں جادو کی آواز کا پہنچنا

قصہ سن اب اس بھیانک بانگ کا — نیک بخت اپنی جگہ قائم رہا
بولا ڈر کیوں یہ طبل ہے عید کا — ڈھول کو ڈر ٹھیک، زخم اس کو لگا
خالی ڈھولو، دل سے خالی لو سنو — عیدِ جاں ہے، چوٹ لکڑی کی سہو
حشر ہم کو عید، بے دیں کو عذاب — عید والے ہم ہیں خنداں جوں گلاب
سُن ذرا جب ڈھول نے آواز دی — کس طرح وہ دیگ دولت کی پکی
جب سنا وہ ڈھول بولا وہ دیدہ ور — عید کا نقّارہ ہے کیا مجھ کو ڈر
بولا باخود دل تو تھراتا نہیں — بے یقیں، بددل کو مرنا ہے یقیں
وقت اب وہ ہے کہ مانند علیؓ — ملک لوں، یا جاں سے تن کر یوں تہی
کودا چیخا، تو پہلواں ہے بڑا — میں ہوں حاضر، مرد اگر ہے تو تو آ
ٹوٹا فوراً اس صدا سے وہ طلسم — اور بکھیرا سونا ہر سو قسم قسم
اس قدر سونا گرا وہ ڈر گیا — کثرتِ زر تا نہ روکے راستہ
سونا سونا ہر کہیں مسجد تھی سب — وہ تھا حیراں دیکھ کر یہ کارِ رب
وہ بہادر شیر دم لے کر اٹھا — سونا باہر صبح تک کرتا رہا
سونا لاکر دفن بھی کرتا رہا — توبروں تھیلوں میں بھی بھرتا رہا
اُس بہادر نے خزانے بھر لیے — اندھے، خائف پیچھے ہٹتے ہی رہے
یہ زرِ ظاہر دلوں میں بس گیا — پیارا اندھوں، زر پرستوں کو ہوا
طفل ناداں توڑتے ہیں ٹھیکرے — سونا کہہ کر جیب و داماں بھی بھرے
لے گا جب تو کھیل میں سونے کا نام — دل میں بچے کے وہ کر لے گا مقام
زر وہ ٹکسالِ الٰہی کا ڈھلا — دائمی ہے کھوٹا کیوں ہوگا بھلا
زر وہ جس زر سے ملی اس زر کو تاب — جو ہے جوہر اس کا اور جس سے ہے آب
زر دلوں کو جو بناتا ہے غنی — چاند پر غالب ہے اس کی روشنی

شمع مسجد وہ پتنگا شمع پر   جان کی بازی لگا دی بے خطر
پر جلایا اور دیا اُس کو بنا   کھیلتا جاں پر مبارک اس کو تھا
جس طرح موسیٰؑ تھا وہ بھی بخت ور   آگ دیکھی جس طرح سوئے شجر
بخششوں کا انبہ تھا چونکہ وفور   نار سمجھے جس کو پائے اُس کو نور
مردِ حق کو جب بھی دیکھے اے پسر   تو یہ سمجھے گا وہ ہے نارِ بشر
تو ہی تو وہ، تجھ میں آئے وہ نظر   نار و خار و ظن و باطل ہے اِدھر
وہ ہے نخلِ موسیٰؑ سر تا پا ضیا   نور بول آتش نہیں اک بار آ
ترکِ دنیا ہے بھیانک جیسے نار   نور سالک کے لیے وہ خوشگوار
جائے اونچی شمعِ دیں کی روشنی   یہ نہیں ہے آگ معمولی کوئی
یہ لگے جوں نور پھونکے یار کو   وہ لگے جوں نار، و گل زوّار کو
یہ موافق ہے بظاہر پر جلائے   وہ دلوں کو وصل سے روشن بتائے
شکل میں شعلہ کے نور و سازگار   جو ہیں حاضر ان کو نور اوروں کو نار
اس میں بیاں کی حد نہیں پاتا کوئی   بات ہو اب عاشق اس کے صدر کی

اس عاشق کا صدر جہاں سے ملنا

وہ بخاری شمع سے خود بھڑ گیا   عشق سے حل ہوگیا ہر مسئلہ
چھو رہی آہ اس کی آسماں   ہوگئے صدرِ جہاں خود مہرباں
صبح کے ہنگام بولا اے خدا   حال کیا ہے آخر اس آوارہ کا
ہم نے دیکھا بھی گنہ کرتے مگر   تا بہ شفقت کب گئی اس کی نظر
رہتا ہے خائف دلِ حرم مگر   سو امیدوں کا مگر حامل ہے ڈر
میں ڈراؤں لاف زن بے شرم کو   کیا ڈراؤں اس کو خود ڈرتا ہو جو
آگ ٹھنڈی دیگ کی خاطر جلی   اس کو حاجت کیا ابلتے دیگ کی
میں ڈراتا ہوں نڈر کو غصّہ سے   حلم میرا ڈرنے والوں کے لیے

سیتا ہوں پیوند اس کی جائے پر	دیتا ہوں ہر کس کو شربت جانچ کر
جھاڑ کی جڑ سا ہے سرِّ آدمی	آتے ہیں لکڑی سے اس کے پتے بھی
جیسی آئیں گے ویسے پات بھی	جھاڑوں، انسانوں اور عقلوں میں سبھی
جذبۂ عفوِ گنہ جوشاں ہوا	دل سے دل تک ہے نہانی راستہ
دل سے دل تک ایک روزن ہے ضرور	نہ کہ جوں دو جسم ایک دیگر سے دور
متصل رکھتے نہیں تن دو دیے	روشنی ملتی ان کی پھیل کے
کوئی عاشق خود نہیں ہے وصل جو	اور نہ ہی ملنے کی دُھن معشوق کو
عشق عاشق کا گھٹا دیتا ہے تن	فربہ معشوقوں کا کرتا ہے بدن
برقِ مہرِ یار کوندے دل میں جب	یار مجبورِ محبت ہوگا تب
تیرے دل میں عشقِ حق ہوگا دو تو	جان ہے اللہ کو محبوب تو
اک ہتھیلی سے کہیں آئی صدا	ہاتھ سے جب ہاتھ تیرا جدا
پیاسا بولے آہ آبِ خوش گوار	پانی بولے ہے کہاں وہ آب خوار
ہے کشش سے آب کی یہ جاں کی پیاس	آس اس کی ہم کو، ہم سے اس کو آس
حکمتِ حق ہے قضا اور یہ قدر	اس سے ہم ہیں عاشقانِ یک دگر
جوڑے جوڑے ہیں سب اجزائے جہاں	اپنے جوڑے کے ہیں عاشق سب بجاں
جزو ہر اک ہے جہاں میں جفت خواہ	ٹھیک جیسے کہربا و برگِ کاہ
آسماں بولے زمیں کو مرحبا	میں ہوں جوں آہن تو ہے آہن ربا
آسماں شوہر تو بیوی ہے زمیں	وہ جو ڈالے یہ اسے پالے یہیں
بھیجے گرمی چاہیے گرمی اگر	گر تری چاہے وہ بھیجے ابرِ تر
برجِ خاکی ہے مدد کو خاک کی	برج آبی سے اسے حاصل تری
برج بادی لائے ابر اس کی طرف	تا کرے زہری بخار اس کے تلف
برجِ آتش سے گرمی مہر کو	جیسے توا لال اس کے پشت و رُو
وقت کی رو میں فلک بے بس پھرے	کسب میں جوں مرد بیوی کے لیے

یہ زمیں خود جیسے اک بیوی بنے پالے پوسے جس کو خود پیدا کرے
پس سمجھ ارض و سما کو اے ہمام ہوشمندی کے جو یہ کرتے ہیں کام
باہمی کا ذوق اگر ان میں نہیں اک دگر سے کیوں جدا ہوتے نہیں
بے زمیں پیدا نہ گل نے ارغواں کیا اُگائے آب و تابِ آسماں
پس برائے جفت میں مادہ و نر تاکہ ہو تکمیلِ کارِ یک دگر
مرد و زن کا میل یہ حق کی عطا تا ہو حاصل میل سے جگ کو بقا
میل ہے پھر جزو سے ہر جزو کا تا رہے جاری جنم کا سلسلہ
مل رہے ہیں رات دن دونوں گلے صورتیں دیگر پر اندر ایک سے
ضد و دشمن ہیں بظاہر روز و شب پر ہیں دونوں اک حقیقت کا سبب
چاہت اک دیگر میں جوں یک جان ہی تاکہ ہو تکمیل اپنے کام کی
ہو طبیعت تازہ کیوں شب کے بنا دن کے اخراجات کا کیا راستہ

ہر عنصر کا اپنی اس جنس کو کھینچنا جو دوسری جنس کے ساتھ آدمی کے بناؤ میں پھنسی ہوئی ہے

خاک بولے خاکِ تن سے باوفا ترک کردے جاں ہماری سمت آ
تو ہماری جنس ہم میں خوب تر آ ادھر اڑتی ہوئی تن چھوڑکر
بولے ہاں، پر ہیں مرے پاؤں بندھے تجھ سے دوری کا بے حد غم مجھے
ڈھونڈتا ہے پانی بھی تن کی تری اے تری غربت کو چھوڑ آجا ابھی
تن کی گرمی بھی بولے وہ اثیر اصلِ راہ نار کی بن راہ گیر
ہیں بہتّر جسم کی بیماریاں کھینچا تانی سے عناصر کی نہاں
آئے بیماری بدن کو توڑنے سب عناصر کو الگ کر چھوڑنے
چار عناصر کے پرندے بستہ پا موت، بیماری انھیں کرنے رہا
اک دگر کے پاؤں جب ہوں گے جدا مرغِ ہر عنصر الگ اڑ جائے گا
اور کشش سے ان کی فع اور اصل کی اک اذیت ہے بدن میں ہر گھڑی

تا کہ وہ سب بندھنوں کو توڑ دے جزو اڑکر کل سے تا کہ جا ملے
حکمتِ حق کرتی ہے ردِ عمل جوڑکر رکھتی ہے ان کو تا اجل
بولے اے اجزا اجل ہے دور ابھی یہ تڑپ بے وقت ہے کس کام کی
جب کہ ہے اجزا میں پورا اتفاق غیر ممکن جسم سے جاں کا فراق

جان کا بھی عالم ارواح کی جانب کھنچنا

بولے وہ اے فرش کے اجزا مرے میں ہوں عرشی تلخ ہے غربت مجھے
تن کی رغبت سبزہ و آدابِ رواں اصل اس کی پائی جاتی ہے وہاں
ہے حیات وحی کی جانب میلِ جاں اس کی جڑ ہے اندرونِ لامکاں
علم و حکمت سے رہا میلانِ جاں میلِ تن سب باغ و راغ و بوستاں
جان کو ذوقِ ترقی و شرف تن ہے وقف کسبِ اسبابِ علف
جھکتے ہیں عشق وشرف بھی سوئے جاں کیفِ جذبِ باہمی اس سے عیاں
گر کروں شرح کی طولانی بنے اسّی من کاغذ کا دفتر چاہیے
ہے نتیجہ جو بھی طالب ہے یہاں جان مطلوب اس پہ راغب ہے یہاں
آدمی، حیواں، نباتی اور جماد نامرادوں کی ہے عاشق ہر مراد
نامرادوں کو مرادیں دلربا اور مرادیں پُرکشش اس کا صلہ
عاشقوں کا میل انھیں لاغر کرے میلِ معشوقاں انھیں بافر کرے
عاشق اپنے حال میں جوں کہربا طے کرے گا کاہ کا لمبا راستہ
چھوڑ بس، وہ عشقِ تشنہ لب جو تھا سینۂ صدر جہاں میں جاگ اٹھا
آتشِ عشق اور بھٹّی کا دھواں کردیا آقا کو اس پر مہرباں
ایک عزّت و وجہِ فخر و آبرو راہ میں حائل تھی شرمِ جستجو
لطف اس کا تھا جو مشتاق گدا سلطنت نے لطف کو رد کردیا
عقل حیراں کھنچتا ہے یہ اسے یا کشش اس سمت ہے اس صف سے

چھوڑ بس اس کو ناواقف ہے تو ۔۔۔ چپ کہ علم غیب ہے اللہ کو
ایسا کہتے روک لیتا ہوں زباں ۔۔۔ کرتا ہوں سو بار توبہ ہر زماں
بعد اس کے یہ سخن مدفوں کروں ۔۔۔ کھینچنے والا جو کھینچے کیوں کروں
کھینچتا ہے کون تجھ کو اے دھنی ۔۔۔ جو نہ دے گا اختیارِ دم زنی
کرتا ہے سو بار تو عزمِ سفر ۔۔۔ وہ تجھے لے جائے گا جائے دگر
موڑتا ہے لیے ہر سُو لگام ۔۔۔ تا سواری کو سمجھ لے اسپ خام
اسپ زیرک خوش خرام و سازگار ۔۔۔ جانتا ہے اس پہ ہے قابل سوار
اس نے دوسو سوچ ہے باندھا تجھے ۔۔۔ نامراد و دل گراں رکھا تجھے
رائے اول اس نے تیری توڑ دی ۔۔۔ اس کی ہستی کیا نہ ثابت ہوگئی
توڑے جب حق کی قضا رسّی تری ۔۔۔ کیوں نہ ٹھیک اس کی قضا ثابت ہوئی

ارادوں کو فسخ کرنا اوران کو منسوخ کرنا انسان کو باخبر کرنے کے لیے ہے کہ مالک اور قاہر موجود ہے، اور کبھی کبھی اس کے ارادے کو نہ توڑنا اور جاری رکھنا اس لیے ہے کہ اس کی طبیعت کو ارادہ کرنے کا عادی بنائے تا کہ پھر اس کے ارادے کو توڑے اور تنبیہ پر تنبیہ ہو جائے

قصد کتنے، کام بھی کتنے ترے ۔۔۔ گاہے گاہے ٹھیک بھی ہوکر رہے
تو تو اس کی طمع سے نیت کرے ۔۔۔ تا وہ پھر ترا ارادہ توڑ دے
ہو اگر کوئی جو بالکل نامراد ۔۔۔ ہوں گی کیونکر یاس میں پیدا مراد
گر نہ بوتا تخم امیدوں کے بجاں ۔۔۔ ہوتا کیونکر اس پہ عجز اپنا عیاں
عاقل اپنی نامرادی دیکھ کر ۔۔۔ ہوتا ہے اپنے خدا سے باخبر
نامرادی سمتِ جنت راہبر ۔۔۔ ''حُفّتِ الجنّت'' خبر ہے، خوش سیر
جب مرادیں ہیں مری شکستہ پا ۔۔۔ ہے کوئی مقصود جس نے پالیا

لوگ سچے ہیں شکستہ پا یہاں — پر شکست عاشقاں ایسی کہاں
ہے شکست عاقل کی وجہِ اضطرار — اور شکستِ عاشق کی باصد اختیار
ہیں غلاموں کے غلام عاقل جدھر — عاشقوں کے منہ میں قندر
آؤ جبراً عاقلوں کی تم مہار — مرحبا، ہو عاشقوں کی تم مہار

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدیوں کو دیکھنا اور مسکرانا اور فرمانا مجھے اس قوم پر تعجب آتا ہے جو جنت کی جانب بیڑیوں اور طوقوں کے ذریعے کھنچی جاتی ہے

قیدیوں کا اک گروہ دیکھے رسولؐ — آرہا تھا اشک ریزاں و ملول
آپؐ نے دیکھا انھیں جکڑے ہوئے — اور وہ نظریں اٹھا سکتے نہ تھے
یوں پیمبرؐ پر تھا اظہار غضب — پیتا تھا ہر کوئی دندان و لب
پر کہاں دم مارنے کی تھی مجال — دس من اک زنجیر کا تن پر وبال
شہر کی جانب سپاہی لے چلے — ان کو کفرستاں سے جبراً کھینچ کے
مال و زر فدیہ کا سودا نہ تھا — اور سفارش کو نہ تھا کوئی بڑا
رحمت عالم کہیں اُس شخص کو — جو بہائے سارے عالم کا لہو
چل رہے تھے وہ بصد تکرار راہ — تھا انھیں طعنہ زنی کو کارشاہؐ
کیں بہت تدبیریں کچھ حاصل نہیں — خارہ سے کمتر کچھ اس کا دل نہیں
ہم ہزاراں شیر دل مردانِ کار — نیم جاں ننگے ہیں کاہل یہ دوچار
اس قدر عاجز ہوئے بہ کجروی — ہے ستاروں کی کہ ہے جادوگری
بخت چاک اپنے ہیں اس کے بخت سے — سر نگوں تخت اپنا ان کے تخت سے
کام گر جادو سے ان کا بن گیا — اپنا جادو بے اثر کیوں کر ہوا

اس آیت کی تفسیر اگر تم فتح طلب کرتے تھے تو بیشک فتح ہوگی، معترض کہتے تھے کہ ہم میں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جو حق پر ہے اس کی فتح اور مدد کر اور وہ یہ بات اس لیے کہتے تھے کہ ان کا گمان تھا کہ وہ خود حق پر ہیں اور اب حق کا بے غرض طلب گار محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاتح بن گیا

کی دعا اصنام سے اللہ سے
ہم غلط ہوں گے تو جڑ ہی کاٹ دے

وہ جو ہوگا ہم میں حق و راست پر
بن تو حامی اس کا اور امداد کر

ہم منات و لات و عزیٰ
مانگتے تھے کیا دعا اس کے سوا

وہ اگر حق پر ہے ظاہر کر اسے
ورنہ کر پسپا ہمارے سامنے

دیکھا ہم اس کو وہ منصور تھا
ہم سبھی ظلمت رہے وہ نور تھا

تم نے چاہا تھا تو لو دیکھو جواب
کہ تمھاری راہ ہے خود ناصواب

محو کرکے اس کو اپنے ذہن سے
ذکر سے کردیتے ہیں خارج اُسے

یہ خیال اپنا بھی بدبختی سے تھا
کہ دلوں کو اس کا حق بھا جائے گا

کیا ہوا غالب ہے گر وہ اک دو بار
دے گا غلبہ ہر کسی کو روزگار

بخت ور تھے ہم جو دن تھے سازگار
فتح پائی ہم نے ان پر کتنی بار

پھر بھی بولے وہ کہ ان کی وہ شکست
اس شکست ایسی کہاں تھی زشت و پست

نیک بختی سے وہ ان کی ہار بھی
ان کو سو خوشیوں کا باعث بن گئی

وہ نہ تھا کچھ مرنے والے کی مثال
تھی پریشانی نہ دل پر کچھ وبال

چونکہ مغلوبی ہے مومن کا نشان
اس کی مغلوبی میں ہے خوبی و شان

مشک و عنبر کو اگر تو توڑ دے
سارے عالم کو تو خوشبو سے بھرے

ناگہاں توڑے اگر سرگینِ خر
پُر کرے بدبو سے سب گھر سر بسر

مشک کو کرتا ہے تو گوبر قیاس
تجھ کو پانی بول، اطلس ہے پلاس

اس کا راز کہ بغیر پورا کیے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیبیہ سے واپس آنے کو اللہ تعالیٰ نے فتح کا لقب دیا، بیشک ہم نے آپ کو کھلی فتح دی اور بظاہر ہر بندش تھی اور حقیقتاً فتح جیسے کہ ملک کی شکستگی بظاہر شکستگی ہے اور حقیقتاً اس کے مشک پن کو ٹھیک کرنا ہے اور اس کے فائدوں کو مکمل کرنا ہے

جب حدیبیہ سے لوٹے تھے رسولؐ فکر میں تھے آپؐ غمگین و ملول
ناگہاں شمعِ رُسلؐ کے واسطے ''فتح دی ہم نے'' کے نقارے بجے
آگیا پیغام آقا کے لیے غم نہ کھائیں آپؐ منعِ فتح سے
ہیں فتوحات اس میں گو خواری لگے قلعہ بھی اور یہ علاقے آپؐ کے
دیکھو بے تاخیر جو واپس چلے وہ نصیر اور وہ قریظہ کیوں گئے
ہاتھ آئے دو علاقے دو حصار فتح بھی اُس پر غنائم بے شمار
یوں نہ ہو بھی تو ہے ان لوگوں کو کیا یہ ہیں عاشق رنج اور غم پر فدا
زہر بھی کھاتے ہیں یہ جیسے شکر کھاتے ہیں یہ خارِ غم جیسے شُتر
کھاتے ہیں غم یہ خوشی کے واسطے ہے تنزّل ارتقا ان کے لیے
اس قدر خوش حال ہیں در قعرِ چاہ بھاگتے ہیں دیکھ کر تخت و کلاہ
ہیں فقیری میں بھی یہ جوں شہریار ان کو فاقوں کی خزاں بھی ہے بہار
یار ہوگا جس جگہ بھی ہم نشیں ہے فلک پر وہ نہیں زیرِ زمیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تفسیر کہ یونس بن متّیٰ پر مجھے فضیلت نہ دو

بولے پیغمبرؐ مری معراج کو فوقیت معراجِ یونسؑ پر نہ دو
وہ ہیں پستی میں فلک میرا مقام فاصلوں سے قربِ حق کو کیا ہے کام
پست و بالا سے ہے کب وابستہ قرب قید ہستی سے نکل پائے گا قرب
نیست کو کیا نسبتِ بالا و زیر نیست کو کیا زود کیا ہے دور و دیر

نیستی ہے گنجِ حق کی کارگاہ   ہست والے تجھ کو علم نیست کیا
الغرض صاحب شکست ان لوگوں کی   ہو نہیں سکتی ہماری سی کبھی
ایسے خوش وہ وقتِ ذلت و تلف   جیسے ہم وقتِ ترقی و شرف
برگِ بے برگی پہ قادر ہے وہی   ہے مقامِ اوج فقر و خواری بھی
ان میں بولا اک وہ ایسا ہے اگر   کیوں ہنسا وہ ہم کو قیدی دیکھ کر
اُس میں تبدیلی گر ایسی آگئی   قید و آزادی نہیں گر شے کوئی
قہر بر دشمن پہ کیوں شادی و شور   کس لیے فتح و ظفر پر یہ غرور
شاد وہ شاید کہ اک نر شیر پر   اس نے پائی سہل وہ فتح و ظفر
پس نہیں ہے اس جہاں سے وہ بری   اس کی شاد و خوشی ہے دنیوی
کیوں ہنسا وہ جب کہ اہل آسماں   نیک و بد سب پر ہیں مشفق مہرباں
یوں ہی کہتے جا رہے تھے زیرِ لب   کر رہے تھے بحث اس پر آپس میں سب
تا سپاہی ان کی باتیں سن نہ پائیں   اور نہ اس سلطان کو جا کر سنائیں

خوشی پر ان کی طعنہ زنی سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقف ہو جانا

گو نہ سن پائے سپاہی یہ سخن   گفتگو پہنچی بگوش مِنْ لَدُن
پہنچی کب اس جامۂ یوسفؑ کی بو   پاسباں کو، پہنچی گو یعقوبؑ کو
آسماں پر بھی شیاطیں کب سنے   بھید ہیں جو کچھ بھی لوحِ غیب کے
تھے محمدؐ تکیہ لے سوئے ہوئے   راز ان کو گرد تھے گھیرے ہوئے
کھائے وہ حلوا جسے حلوا ملے   انگلیاں لمبی سہی پر کیا ملے
ٹوٹ کر تارا بھگائے دیو کو   چور جا احمدؐ سے پا لے راز کو
گھورنے والے دکاں کو صبح سے   مانگ کر مسجد میں رزق اللہ سے لے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان قیدیوں کے دل کی بات سمجھ جانا

پا لی بات ان کی رسول اللہؐ نے
کیا ہنسی کو میری نسبت جنگ سے

مردہ ہیں وہ، مر کے ہیں بوسیدہ بھی
مارے مردے کو نہیں مردانگی

چاند پھٹ جائے خود، ان کا ذکر کیا
جنگ پر جس وقت میں اڑ جاؤں گا

جب کہ تم گھر پر تھے اور آزاد تھے
مجھ کو قیدی ہی نظر آتے رہے

فخر تم کو خانداں پر ملک پر
اونٹ سیڑھی پر کہیں آیا نظر

اوٹ تن کی بیچ سے جب اٹھ گئی
ہونے والا دیکھتا ہوں آج ہی

دیکھتا ہوں کچے انگوروں میں مے
نیست کے باطن میں پالیتا ہوں شے

دیکھا ہے میں نے ازل کا وہ جہاں
آدمؑ و حواؑ تھے دنیا سے نہاں

تم تو جوں ذرّات تھے روزِ الست
پایا ہے جکڑے ہوئے اوندھے بھی پست

دیکھا جو بھی وقت تخلیقِ فلک
اس سے بڑھ کر کچھ نہ پایا اب تلک

تب بھی دیکھا سرنگوں میں نے تمھیں
جب نہ تھا ظاہر میں آب و خاک میں

کیا نیا دیکھا جو میں شادی کروں
دیکھا ہے تقدیر میں خود تم کو یوں

مبتلائے قہر، وہ بھی کیسا قہر!
تم کہ کھاتے تھے شکر اس میں تھا زہر

کھا رہے ہوں جبکہ دشمن زہر خود
اپنی مرضی سے تو کیوں ان پر حسد

تم خوشی سے کر رہے تھے زہر نوش
خفیہ کر ڈالے اجل نے بند گوش

جنگ کب کی فتح پانے کے لیے
تا جہاں قبضے میں آجائے مرے

یہ جہاں مردار بھی کم مول بھی
حرص کیوں مجھ کو سڑی، مردار کی

سگ نہیں جو نوچ لوں میں اُس کی دُم
عیسیٰ ہوں میں زندہ کر دوں کہہ کے قُم

کیں صفوف جنگ کو میں نے چاک
تا بچاؤں تم کو ہونے سے ہلاک

میں نے کب کاٹے ہیں لوگوں کے گلے
تا کہ کرّ و فر میسر ہو مجھے

چند لوگوں کے گلے کاٹے ہیں تا
ایک عالم کے گلے کرنے رہا

گر تم اپنے جہل سے پروانہ وار فرض کرلیں آگ پر ہونا نثار
میں ہٹاؤں تجھ کو دونوں ہاتھ سے آگ میں گرنے سے تو تو بچ سکے
فتح جس کو جانتے ہو تم سبھی بیج بدبختی کا بونا ہے وہی
لاتے ہو اپنوں کو بااصرار تم گھوڑا دوڑاتے ہو پیش مار تم
قہر تم کرتے ہو اندر عینِ قہر کرتے ہو خود کو شکار شیرِ دہر

اس کا بیان کہ سرکش عین غلبہ میں مغلوب ہے اور عین فتح مندی میں قیدی ہے

کررہا تھا جمع چور آقا کا مال ہوگیا حاضر وہاں خود کوتوال
بھاگ جاتا وہ اگر خواجہ سے دور کوتوال اس پر نہ کرتا ظلم و جور
غلبہ سے مغلوب تھا وہ سر بسر اس کے غلبہ نے اڑایا اس کا سر
دام اس کو غلبۂ خواجہ بنے کوتوال آئے اور اس کا بدلہ لے
اے کہ تو مخلوق پر غالب رہا جنگ اور غلبہ میں ہے ڈوبا ہوا
قصداً ان کو مات ہی دیتا چلے تاکہ لے گھیرے میں تجھ کو کھینچ کے
روک مرکب تو تعاقب میں نہ جا ورنہ اپنی ناک خود کٹوائے گا
جال میں یونہی پھنسا لیں گے تجھے حملہ آور ہوں گے پھر انبوہ سے
عقل اس غلبہ کی کیونکر ہوگی شاد جبکہ غلبہ میں نظر آئے فساد
ہے نظر کی تیز عقل پیش بیں سرمۂ حق سے ہیں آنکھیں سرگیں
بولے آقاؐ حکمتوں کی وجہ سے اہلِ جنت بھی ہیں جھگڑوں میں پڑے
اس کا باعث ہوشیاری بدظنی ضعفِ مذہب ہے نہ نقص و بددلی
وہ بروں پسپائی غلبہ اندروں حکمتِ **لَولا رِجالٌ مُّؤمنون**
روکنا تھا دستِ کفارِ لعیں تاکہ اس سے ہو خلاصِ مومنین
پڑھ حدیبیہ کا قصّہ تؤ ذرا کیوں تمھارے ہاتھوں کو روکے رکھا
باوجودِ غلبہ کیا حاصل ہوا ہوگئے مغلوبِ دامِ کبریا

تو نہ پھینکا، پھینکنے پر تھا خطاب　　گم ہوا واللہ اعلم بالصواب
میں اسیری پر تمھاری کب ہنسا　　ناگہاں بندھوا تمھیں کیوں کرلیا
ہنستا ہوں اسیر کہ با زنجیر و غُل　　لے چلا کھینچے سوئے بستان و گل
یہ عجب کہ نارِ بے زنہار سے　　باندھ لایا سمت سبزہ زار کے
سمتِ دوزخ سے بہ زنجیرِ گراں　　تم کو لایا تا بہشت جاوداں
ہر مقلّد نیک ہو یا بد کوئی　　لایا جائے گا سوئے باری یونہی
ہوں گے سب جکڑے بہ خوف و ابتلا　　جائیں گے اس راہ سے بے اولیا
جبر سے کرتے ہیں یہ رہگذار　　جو بھی ہیں ناواقفِ اسرارِ کار
نور تیرا جہد سے رخشاں رہے　　تا سلوک بندگی آساں بنے
لاتے ہیں بچوں کو مکتب کھینچ کر　　کہ وہ قدرِ علم سے ہیں بے خبر
جان لیں تو جائیں مکتب دوڑتے　　شاد شاداں راہ طے کرتے ہوئے
بچہ مکتب جائے گا الجھاؤ سے　　کہ نہیں کچھ مزد میں حاصل اسے
ڈال دیں کیسہ میں اس کے دانگ اگر　　چور سا سونے نہ پائے رات بھر
جہد کر تا مزدِ طاعت مل سکے　　رشک تاکہ تو مطیعوں پر کرے
اِیتِیَا کَرھاً مقلد کو صدا　　اِیتِیا طَوعاً پئے اہلِ صفا
عشقِ حق اُس کو جو وہ ہے لالچی　　بے غرض اس دوسرے کی دوستی
عشق ہے دایہ سے بہرِ شیر اُسے　　دل گنوا بیٹھا دگر اس کے لیے
طفل اس کے حسن سے آگہ نہیں　　دودھ سے آگے وہ کچھ چاہا نہیں
عاشقِ حق جو ہے امید و ترس　　دفترِ تقلید سے لیتا ہے درس
حق کو بہرِ حق جو چاہے، وہ کجا　　بندۂ اغراض و علت ہے جدا
ایسا ویسا وہ جو طالب ہورہا　　جذبِ حق اس کو سوئے حق لے چلا
غیر کی خاطر محبِّ حق ہے گر　　خیر سے دائم رہے تا بہرہ ور
یا تو عاشق ہے خالص داب کا　　خوفِ دیگر کیا جدائی کے سوا

معشوق کا عاشق کو جذب کرنا اس طریقہ پر کہ عاشق نہ اس کو جانتا ہے اور نہ اس کی امید رکھتا ہے اور نہ اس کے دل میں آتا ہے اور اس کشش کا اثر عاشق میں کچھ ظاہر نہیں ہوتا ہے سوائے خوف سے ملی ہوئی مایوسی کے مع طلب کی ہمیشگی کے

آئے ہم اس فیصلہ پر اب یہاں — کہ کشش صدرِ جہاں میں تھی نہاں
ہوتا کیوں بے صبر عاشق ہجر سے — کیوں پہنچتا قید میں بھاگے ہوئے
میل معشوقوں کا ہوتا ہے کہاں — عاشقوں کا میل علانیہ عیاں
بہرِ عبرت یک حکایت سن یہاں — راہ تکتے تھا بخاری دل گراں
چھوڑو اس کو، وہ ہے محوِ جستجو — تا کہ قبل از مرگ پالے دوست کو
تا کہ چھوٹے موت سے پائے نجات — کیونکہ دیدِ دوست ہے آبِ حیات
دید سے جس کی نہ ہوگی دفع مرگ — یار وہ کاہے کا میوہ ہے نہ برگ
کام اچھا کام، وہ تیرے لیے — کرتے کرتے کام اسی میں جان دے
ہو نشانِ صدقِ ایماں اے جواں — خوش لگے دنیا اسی حالت میں جاں
ایسا ایماں گر تجھے حاصل نہیں — تو نہیں کامل سو کر تکمیلِ دیں
کام پر تیرے جو وارے اپنی جان — بے کرامت دوست اپنا اس کو جان
ہو گوارا تو وہ مرنا ہے کہاں — ہے بصورت موت وہ نقلِ مکاں
ناگواری جب گئی ہے موت نفع — بس چلو اچھا ہوا مرنا ہے دفع
دوست اللہ اُس کا جس کو کہہ دیا — تو مرا ہے اور میں تیرا ہوگیا
آرہا ہے دیکھو وہ عاشق ابھی — مونج کی رسّی گلے میں ہے پڑی

عاشق بخاری کا صدر جہاں کی خدمت میں پہنچنا

جوں ہی دیکھا چہرۂ صدرِ جہاں — تن سے گویا پَر کشا تھا مرغ جاں
خشک لکڑی کی طرح تن گر پڑا — مانگ سے ناخن تلک تن سرد تھا

دھوتی بھی دی اور چھڑکایا گلاب   اس میں جنبش تھی نہ گویائی کی تاب
دھونی لاحاصل بخارا میں اسے   غیر بوئے فرّ و نورِ شاہ کے
چہرہ دیکھا زعفرانی شاہ نے   اس کی سمت آیا سواری چھوڑ کے
بولا لاؤ یار کا فوراً پتہ   آیا معشوق اور عاشق چل دیا
عاشقِ حق تو ترا حق ہے یہیں   کہ جو وہ آئے تو نہ ہو اک ذرّہ بھی
تجھ سے صدہا فانی اس کے سامنے   ہے فنا ہونے کی دھن خواجہ تجھے
عکس تو اور اس پہ عشقِ آفتاب   آگے سورج کے ہے لا شتاب
شرق سے سورج نکالا اپنا سَر   کوئی تارہ ہے نہ ہے شب کا اثر
عشق اندر آئے دل کی راہ سے   عقل اپنا رخت باہر پھینک دے
جیسے پہنچے شیر ہرنوں میں دوچار   ڈر سے ہوجائیں ہرن بے ہوش وزار
زور جوں مچھر پیش تند باد   فہم کر واللہ اعلم بالصواب

مچھر کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ہوا کی فریاد کرنا

باغ و سبزہ چھوڑ مچھر چلا   داد خواہ پیش سلیماں ہوگیا
اے سلیماں عدل کے تم ہو دھنی   سب میں مقبول، آدمی، دیو و پری
مرغ و ماہی مطمئن سب عدل سے   منحرف ہے کون گمرہ فضل سے
داد دیجے خستہ و نالاں ہیں ہم   بے نصیب عشرتِ بستاں ہیں ہم
مشکلیں کمزوروں کی ہیں تم سے حل   ضعف میں مچھر بخود ہے اک مثل
ہم ضعیف اور جیسے شکستہ پری   اور تمھاری شان مسکیں پروری
درجہ قدرت میں تمھارا ہے اتم   انتہائی ضعف و گمراہی میں ہم
داد دو غم سے ہمیں کردو رہا   المدد اے دستِ تو دستِ خدا
پس سلیماں نے کہا انصاف جو   بول کس سے چاہتا ہے عدل تو
کون ہے ظالم وہ جس نے کبر سے   زخمی چہرے کو تمھارے کردیے

ہے کوئی ظالم جو بچ کر رہ گیا　　کہ نہیں ہے جس میں جو بستہ پا
ہم ہوئے پیدا مٹے جور و جفا　　ظلم کو کس نے بڑھاوا پھر دیا
نور آیا اور ظلمت مٹ گئی　　ظلم کی جڑ کیا ہے، تاریکی وہی
کررہے ہیں دیکھو شیطاں نوکری　　اور ہیں قید و بند میں دیگر سبھی
ظالموں کا ظلم ہے شیطان سے　　بند ہیں شیطاں ستم کس سے ہوئے
ملک ہم کو اس لیے حق نے دیا　　تا نہ فریادی رہے پیشِ خدا
تا نہ جائے آسمانوں تک دھواں　　تا نہ ہو بیتاب انجم و آسماں
عرش کو لرزا نہ دے نالۂ یتیم　　ہو نہ جائے ظلم سے کوئی سقیم
اس لیے قانوں بنا ہر ملک کا　　رب سے شکوے کو نہ ہو باقی جگہ
کس لیے مظلوم تا کے آسماں　　جب کہ ہے دنیا میں ہی شاہ زماں
بولا مچھر میں ہوں مظلوم ہوا　　ظلم دونوں ہاتھ سے برپا کیا
ظلم سے ظالم کے بس تنگ آگیا　　خون خاموشی سے پی لینا پڑا
ظلم اس کا ہم پہ صاف اور عیاں　　چارہ کچھ حاصل غیر از فغاں
داد اور انصاف اس سے لیجئے　　تم کریم، عادل ہیں عادت میں بڑے

مظلوم مچھر کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکم دینا کہ مدعا علیہ کو کچہری میں حاضر کرے

پس سلیمانؑ نے کہا، شیریں نوا　　صدق سے سنتا ہے حکم اللہ کا
حق نے فرمایا مجھے اے داد ور　　کر سماعت خصم دونوں ہیں اگر
خصم دونوں ہوں نہ حاضر روبرو　　پہنچے حاکم کس طرح سچ بات کو
خصم تنہا چیختا بھی ہو اگر　　سن نہ اس کو جب تک آئے نہ دگر
حکمِ حق سے منہ نہ موڑوں گا کبھی　　جاہلا لا اپنے دشمن کو ابھی
بولا فرمانا تمھارا ہے بجا　　ہے تمھارے حکم کے تابع ہوا
دی صدا اُس شہ نے اے بادِ صبا　　کی شکایت ظلم کی مچھر نے یاں

آ مقابل خصم کے تو روبرو — لا صفائی تاکہ دفعِ عدو
آئی یہ سن کر ہوا جب تیز تیز — پشہ نے اس وقت لی راہِ گریز
پس سلیماں بولے اے مچھر نہ جا — آ کہ دونوں کوسنادوں فیصلہ
بولا ہو نابود اس کی بود سے — دن مرے تاریک اس کے دور سے
وہ جو آئے کیوں قرار آئے مجھے — وہ مٹا دے گی مجھے بنیاد سے
ہے خود ایسا حالِ جویائے خدا — پیش حق ہوجائے گا مشتاق لا
ہے وصال اس کا بقا اندر بقا — ہے مگر پہلے فنا اندر بقا
سایے ہیں وہ سب جو ہیں جویائے نور — نور کا بعدِ فنا ہوگا ظہور
عقل اور ٹھہرے خدا کے روبرو — ہے فنا ہر چیز اِلّا وَجْهَہٗ
ہیں فنا فی الذات ہست ونیست سب — ہستی اندر نیستی عالم عجب
عقل کے اس جا نہیں رکتے قدم — ٹوٹ جاتا ہے یہاں آکر قلم

معشوق کا اپنے بے ہوش عاشق کو نوازنا تاکہ وہ ہوش میں آجائے

لوٹتا ہوں جانبِ صدرِ جہاں — اپنے عاشق پر تھا پنہاں مہرباں
اپنی گودی میں سر اُس کا رکھ لیا — اس کے چہرے پر نثار آنسو کیا
لایا بے ہوشی سے سوئے گفتگو — تھوڑا تھوڑا کرکے صدرِ نیک خوٗ
کان میں شہ نے صدا دی اے گدا — زر لٹاؤں کھول دامن کو ذرا
میری فرقت میں سیاں تھی جاں تری — جب اماں دینے کو آیا کیوں چلی
ہجر میں دیکھے ہیں گرم سرد سب — ہوش میں آ، چھو بیہوشی کو اب
اونٹ کو وہ مرغِ خانہ کم نظر — لے چلا مہماں بناکر اپنے گھر
جوں ہی پاؤں اونٹ کا گھر میں پڑا — چھت گری اور خانہ ویراں ہوگیا
عقل و ہوش اپنے ہیں خانہ مرغ کا — ہوش، صالحؑ طالبِ ناقۂ خدا
ناقہ نے جب تن میں سر اونچا کیا — جسم جاں دل جو بھی تھا سب لٹ گیا

عشق کے باعث ہوا انساں فضول — حرص کی عادت سے ظالم اور جہول
وہ نہ تھا واقف کہ مشکل ہے شکار — شیر کو خرگوش لائے در کنار
وہ کہاں لیتا بغل میں شیر کو — جانتا اور دیکھ لیتا دو بدو
ظلم جسم و جاں پر اپنی ہے پر — دیکھو وہ ہے عدل سے بھی خوب تر
جہل خود اس کا ہے استادِ علوم — عدل کا رہبر وہ کہلائے ظلوم
ہاتھ تھامے بولے اس بیدم کا دم — لوٹ آئے دم جو پھونکیں اس میں ہم
مردہ تن جب مجھ سے پائے زندگی — میری جاں وہ، آئے میرے پاس ہی
دوں گا اس کو جاں کے ساتھ عزت بڑی — دیکھے گا جاں پا کے وہ بخشش مری
جان تا محرم نہ دیکھے رؤئے یار — جز کہ وہ ہے اصل جس کی کوئے یار
پھونک بھردوں اس میں قصّاب وار — پوست سے باہر ہوتا مغز آشکار
بولا اے دکھ سے پریشاں جان آ — وصل کو دروازہ رکھا ہے کھلا
بود اپنی تیری مستی بیخودی — اور ہمیں سے ہے تری پائندگی
راز ہائے کہنہ بتلاؤں تجھے — فاش ہیں اب نو بنو سن بن کہے
ان لبوں کو کس لیے اپنی زباں — وہ ہیں سیرابِ لب جؤئے نہاں
گوشِ تن بس گوشِ باطن کر تؤ وا — بہرِ رازِ یَفْعَلُ اللّٰہُ ما یَشَاء
جب سے دعوت وصل کی سننے لگا — مردہ ہلتے ہلتے ہلنے لگ گیا
کم نہ تھا مٹی سے جب چھیڑی صبا — سبزہ اوڑھے ہوگیا وہ خود نما
کم نہ تھا نطفہ سے پایا جب خطاب — کتنے یوسف آتے رُخ جوں آفتاب
کب ہوا سے کم تھے کہ سن کر حکم کُن — رحم میں تھے مور و مرغِ خوش سخن
کم نہ تھے آتش سے سنتے ہی سلام — تھا چمن بہرِ خلیلؑ خوش کلام
کم نہ تھے لکڑی سے در دفعِ عدو — ہولناک اژدر ہوئے از امر ہُو
کم نہ تھے پتھر سے، از راہِ ولاد — ناقہ جیسے بن گئے وہ ناقہ زاد
چھوڑا نہیں، اب دیکھ سامانِ عدم — عالم آیا، اور ہیں پیدا دم بدم

کودا اُچھلا، شاد شاداں چل دیا رقص کرتے کرتے سجدے میں گرا
اس کا چہرہ دیکھ کر خوش ہوگیا بندشوں سے ہجر کی تھا اب رہا

بے ہوش عاشق کا ہوش میں آنا اور معشوق کی تعریف اور شکر کی طرف متوجہ ہونا

بولا اے عنقائے جاں کا مطاف شکر آیا لوٹ کر از کوہِ قاف
اے سرافیلِ قیامت گاہِ عشق عشق کے عشق، اور اے دلخواہِ عشق
اولیں خلعت جو دوگے تم مجھے کان لاؤ میرے منہ کے سامنے
گرچہ تم واقف ہو میرے حال سے بندہ پرور جان لو اب قال سے
کان مانگا کچھ سنانے کے لیے ہوش لاکھوں بار میرے کھو گئے
وہ جھکا کر کان کو سننا ترا اور وہ تیرا مسکرانا جانفزا
میرے بیش و کم کو وہ سننا ترا مکر میری جانِ بد اندیش کا
جانتے بھی کھوٹے سکّوں کو مرے مان لینا تیرا گویا ہوں کھرے
شوخ، گستاخ اور گھمنڈی کے لیے حلم ذرّہ آگے تیرے حلم کے
اولاً سن جب میں چلے سے چلا اول و آخر کا اندیشہ گیا
دوسرا اے صدر ڈھونڈا ہر کہیں پر ترا ثانی کوئی پایا نہیں
تیسرا یہ جب ہوا تجھ سے جدا تیسرے کا تین میں قائل ہوا
چوتھے میرا کھیت جس دم جل گیا فرق چوتھے پانچویں کا بھی گیا
پانچویں ہجرت میں اے صدرِ جہاں ہوں حواسِ خمسہ سے اندر زیاں
فرق سات اور آٹھویں کا بھی گیا چرخ تابوں سے مرے خون رو دیا
خاک پر خوں تم جدھر دیکھو وہاں کھوجو، پاؤگے ہمارا ہی نشاں
ہے صدا نالہ، گرج یہ گفتگو اب تو رونا ہی پڑے گا ابر کو
درمیانِ گریہ و گفتار ہوں روؤں یا بولوں کہو میں کیا کروں
آؤں کہنے پر تو رُک جائے بکا اور جو روؤں ختم ہو شکر و ثنا

خونِ دل آنکھوں سے بہہ نکلے شہا   دیکھ ان آنکھوں نے کیا کچھ کردیا
یہ کہا اور لگ گیا رونے نحیف   رو پڑے ساتھ ہی کمینہ و شریف
اس قدر برپا کیا آہ و بکا   جم گئے اہلِ بخارا اس جگہ
خوب رویا، خوب بولا اور ہنسا   جو بھی حاضر تھے انھیں حیراں کیا
شہر سب رو رو کے اس جیسا ہوا   اور وہاں عالم بپا تھا حشر کا
پھر زمیں سے آسماں کہنے لگا   حشر گر دیکھا نہیں ہے دیکھ آ
عقل حیراں عشق کیسا، کیا یہ حال   ہے فراق اس کا عجب تر یا وصال
آسماں نے حشر نامہ پڑھ لیا   کہکشاں نے جامہ چاک اپنا کیا
دو جہاں سے عشق یہ بیگانہ ہے   اور بہتر طور سے دیوانہ ہے
خود نہاں وہ اور حیرت ہے عیاں   محوِ حیرت اس سے سلطانانِ جاں
مسلک اس کا ہے بہتّر سے جدا   تختِ شاہاں اس کے آگے تختہ سا
عشق کے مطرب نے آواز دی   دردِ سر آسائی، زنداں زندگی
عشق کیا ہوتا ہے، دریائے عدم   اس جگہ پر عقل کے ٹوٹے قدم
بندگی و سلطنت معلوم ہے   عشق ان دو پردوں میں مکتوم ہے
کاش مستی کو بھی مل جائے زباں   تا ہو کھل کر حال مستوں کا بیاں
اے وجود اس باب میں تیرا بیاں   پردہ ڈالے گا اٹھاتا ہے کہاں
فال سے ممکن نہیں ادراکِ حال   خوں سے خوں کو صاف کرنا ہے محال
اس کے دیوانوں سے ہوں میں رازداں   پھونک بھرتا ہوں قفس میں رائیگاں
بیخود و بدمست ہے آشفتہ تو   بول کس پہلو تھا سویا رات کو
ہوشیار، اے بند رکھ اپنی زباں   کر طلب پہلے اک اپنا رازداں
عاشقِ مست اور زباں تیری چلے   اللہ اللہ اونٹ اور سیڑھی چڑھے
راز و ناز اور اس پہ چلتی زباں   یا جمیلُ السِّرّ بولے آسماں
کیوں چھپائے اون روئی میں شرر   تو چھپائے اور کرے وہ فاش تر

جب بھی پردہ پوشی کی کوشش کروں   جھنڈے کی صورت وہ آئے 'لو یہ ہوں'
الٹے میرے کان پکڑا اور کہا   کیوں چھپائے گا تؤ احمق، لے چھپا
میں کہوں گا اس کو اے جوشاں ہے تؤ   پیدا و پنہاں مثالِ جاں ہے تؤ
بند میں بوتل میں جیسے تھے یہاں   بزم میں کیسے بجاؤں تالیاں
بولوں تو پہلے گرفتاری کے جا   آفتِ مستی سے اوروں کو بچا
بولے اے جام لطیف آشام تؤ   میرے ہمدم تا نماز شام تؤ
شام آئے وہ چھپائے جام کو   بولوں شام آئی نہیں دے جام تؤ
پس عرب نے نامِ مے رکھا مدام   سیری ناممکن ہے پینے سے ہے کام
جوش دے گی عاشقِ تحقیق کو   وہ پلائے گی نہاں صدیق کو
جب بھلی نیت سے تو چاہے شراب   جام تن اور جاں ہوجائے شراب
تقویت پہنچے مئے توفیق کو   توڑ کر یہ جائے گی ابریق کو
آب ہوگا ساقی اور خو مستِ آب   بول خود اللہ اعلم بالصواب
پرتوِ ساقی جو شیرے پر پڑا   شیرہ آیا جوش میں رقصاں ہوا
پوچھ ان باتوں میں بیہودہ سے   شیرہ کو دیکھا ہے یوں کرتے ہوئے
جاننے والوں پہ کب پوشیدہ ہے   گھومتے کو اک گھمانے والا ہے

لمبے ہجر والے بہت امتحان میں مبتلا عاشق کا قصہ

اک جواں دیوانہ اک عورت کا تھا   بے خود و بے خواب رہتا تھا سدا
مست ومجنوں بیدل و شوریدہ سر   وصلِ جاناں سے نہ تھا وہ بہرہ ور
تھا عذابِ جاں خود اس کو اس کا عشق   ابتدا سے کیوں دشمن تھا عشق
ابتدا سے عشق کیوں خونی رہا   بھاگ جائے تا کہ جو لائق نہ تھا
بھیجا قاصد جب بھی کوئی پیشِ زن   رشک سے خود بن گیا وہ راہزن
زن کو خط انشا کرائے   اس کو نائب سب غلط پڑھ کر سنائے

خط صبا سے بھیجے گر بہرِ وفا　　ہوگی تیرہ گرد سے اٹ کر صبا
مرغ کے بازو سے سیتا خط اگر　　خط کی گرمی سے ہی جلتا اس کا پَر
بند راہیں ہوچکیں تدبیر کی　　مات کھائی اس کے آگے سوچ بھی
پہلے مونس غم کا جو تھا انتظار　　کرتے کرتے خود ہی ٹوٹا انتظار
گاہے کہتا ہے بلائے لا دوا　　گاہے کہتا ہے سہارا جان کا
گاہ ہستی کا ہوا اس سے اُبھار　　اور کبھی تھا نیستی سے وہ دوچار
آسماں پر گونج گہ فریاد کی　　اس کا ہمدم گہ خیالِ یار ہی
جب بھی پڑ جاتا تھا ٹھنڈا اس کا جوش　　مارتا چشمۂ وصل اس کا جوش
صبر بے برگی پہ اس کا در سفر　　سازِ بے برگی سے تھا تب بہرہ ور
فکر کے تنکے تھے بھوسے سے بری　　شب کے راہی کو چاند کی جوں رہبری
کتنے طوطی بول کر چپ ہوگئے　　کتنے خوش دل لوگ غمگیں ہوگئے
جاکے قبرستاں کا چپ نظارہ کر　　بولتی خاموشیوں کو دیکھ ادھر
حالت اک سب کی نظر آئے گی پر　　ان میں ہے ہر ایک کا عالم دگر
گوشت چربی ہیں ہمارے ایک ساں　　پھر بھی اک غمگیں ہے دیگر شاد ماں
تو نہ جانے بند ہے ان کی زباں　　کیوں حالات ان کے ہیں تجھ سے نہاں
فالِ ہائے و ہؤ ان کی راہبر　　سو تہوں کی تہ کو کیوں پہنچے نظر
شکل ایک ہے، خصلتیں یکساں نہیں　　خاکِ تن اک ہے مگر اک جاں نہیں
یوں ہی آوازیں ہیں سب کی ایک سی　　دکھ بھری ہے اک دگر نازوں بھری
جنگ میں گھوڑوں کی سنتا ہے صدا　　گھومنے والے پرندوں کو سنا
دشمنی سے ایک، چاہت سے دگر　　رنج سے یہ وہ مسرت سے دگر
جو کوئی رکھے نہ ان سے آگہی　　اس کو آوازیں سبھی ہیں ایک سی
یہ شجر جھومے کلہاڑی جب پڑی　　وہ دگر بادِ سحر جیسے چلی
دھوکا کھایا مایۂ ناکارہ سے　　سر پہ ڈھکنا تھا جو جوشاں دیگ کے

جوش و توش ہر اک کا کہنا ہے کہ آ
''جوشِ صدق و جوشِ تزویرو رہا''
گر نہیں ہے تجھ چشم روشناس
جاکے حاصل کر دماغِ بوٗ شناس
غزوہ جو ربط گلشن سے رکھے
دیدۂ یعقوب کو روشن کرے
بول اس عاشق پہ جو گذرا وہ سب
دور جا پہنچے بخارا سے ہم اب

عاشق،معشوق کو پالینا اور اس کا بیان کہ جستجو کرنے والا پانے والا ہوتا ہے جس نے کسی چیز کو طلب کیا اور کوشش کی اس نے اس کو پالیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایک ذرہ کے وزن کی نیکی کرتا ہے وہ اس کو دیکھے گا اور ایک ذرہ برابر شر کیا وہ اس کو دیکھے گا

وہ جواں تھا جستجو میں سات سال
وصل کی دھن میں وہ خود تھا جوں خیال
بندے سب ہیں سایے میں اللہ کے
جو جسے ڈھونڈے گا پائے گا اسے
بولے آقاؐ کھٹکھٹاؤ گے جو دَر
آئے گا اس دَر سے باہر کوئی سر
کوچے کے کونے پہ گر بیٹھے گا توٗ
آتے دیکھے کوئی چہرہ روبرو
گر کنویں سے تو نکالے روز خاک
ایک دن حاصل کرے گا آبِ پاک
سب ہیں قائل تو نہ مانے گا نہ مان
جو بھی بوئے گا وہی کاٹے گا جان
سنگ آہن پر گرے نکلے شرر
ہے عجب ایسا نہیں ہوگا اگر
جو بھی ہے بہرہ بخت و نجات
دیکھتا جائے گا خالص نادرات
اس نے کھیتی کی ثمر حاصل نہیں
سیپ وہ لایا گہر حاصل نہیں
بلغم باعور و ابلیسِ لعیں
کام انھیں آئی عبادت اور نہ دیں
صد ہزاراں انبیا اور امتی
ان کو خاطر میں نہ لائے یہ کبھی
پیروی ان دونوں کی ظلمت بڑھائے
بدنصیبی ہو تو پھر کیا ہاتھ آئے
ہو کے خوش دل لوگ تو کھاتے ہیں ناں
حلق میں پھنس کر وہ لے لیتی ہے جاں

اس لئے منحوس تو روئی نہ کھا شور و شر میں اس طرح تو پڑ نہ جا
یوں تو لاکھوں آدمی کھاتے ہیں ناں وہ توانا ہوتے ہیں پلتی ہے جاں
اے تو اس نادر میں کیسے گھس پڑا گر نہیں محروم ناداں ہے پڑا
ہے جہاں پُرنور مہر و ماہ سے سر نِگوں اندر گرا تو چاہ کے
گر یہ سچ ہے تو کہاں ہے روشنی سر اٹھا باہر کنویں کے اے دَنی
ہے منوّر جملہ عالم نور سے چاہ میں جب تک رہے ظلمت رہے
چھوڑ چہ باغوں میں ایوانوں میں آ چھوڑ کج بحثی کہ جھگڑا ہے بُرا
یہ نہ کہہ کھیتی فلاں نے کی بجا اور اسے دَل ٹڈیوں کا کھا گیا
اس لیے کیوں بوؤں اس جا ہے ضرر کیوں اچھالوں گیہوں میں یہ جان کر
بحث کرنا چھوڑ جا جا کام کر تخم ریزی کر کے چھوڑ اللہ پر
جو بھی ہے کج بحث نہ کی کھائے گا تا قیامت پھر نہ اٹھنے پائے گا
جو کوئی چھوڑے نہ کشت و کار کو تیری کوری میں بھرے انبار کو
اس بیاں کو چھوڑ آگے چل ذرا دیکھ اُس عاشق کے ہیں احوال کیا
یوں توٗ دَر کو کھٹکھٹاتا تھا سدا آخرش خلوت بھی حاصل کرلیا
باغ میں کتوال کے ڈر سے چلا یار کو با شمعِ روشن پالیا
بولا پھر سوئے مسبّب دیکھ کر اے خدا تو رحم کر کو توال پر
اس نے ان جانے سبب پیدا کیا اور درِ دوزخ سے جنت لے چلا
کردیا اس کو سبب اس کام کا تا نہ جانوں خوار کو بھی میں بُرا
توڑے پاؤں کو خدا بخشے گا پَر قعرِ چہ سے بھی نکل آئے گا دَر
وہ کہ جس سے تو کراہیت کرے غور سے دیکھے تو وہ رحمت بنے
کر نہ پروا جھاڑ پر ہے یا بہ چاہ دیکھ تو مجھ کو کہ ہوں مفتاحِ راہ
چاہیے گر تجھ کو باقی گفتگو اے برادر جلد چوتھی دیکھ توٗ

◆◆◆

زیر نظر کتاب ''مثنوی مولانا روم'' اب تک کے شعری و ادبی کارناموں میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی کا منظوم ترجمہ ہے۔ مذکورہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ''مثنوی مولانا روم'' جو رہتی دنیا تک ابنائے آدم کی رہبری و ہدایت کے کام آئے گی۔ یہ علمی و عملی دینیات یعنی فقہ و تصوف دونوں کا مجموعہ ہے۔ جس طرح فقہ احکام دینیہ ظاہری کا مجموعہ ہے ویسے مثنوی شریف تصوف کی جان ہے۔ یہ کتاب سینوں کے خلجان کے لیے شفا بخش، غموں کو زائل کرنے والی اور قرآن مجید کے مطالب کو حل کرنے والی نیز گہرے مسائل اور سلوک میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع کرتی ہے۔ ''مثنوی مولانا روم'' شہرت و کامیابی کا ایک اہم ریکارڈ رکھتی ہے۔ یہ کم و بیش چار سو برس سے علما، صوفیہ اور اہل دانش کے درمیان مقبول ہے۔ علمی و روحانی محفلوں میں اس کے اشعار سننے کو ملتے ہیں۔ جس سے روحانی کیف اور سرور حاصل ہوتا ہے۔

صاحب مثنوی، مولانا محمد جلال الدین رومیؒ ایک عظیم عالم اور بے مثال صوفی و شاعر ہیں۔ آپ 604ھ مطابق 1207 میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ مولانا میں بچپن ہی سے روحانی کیفیات پائی گئیں۔ کبھی کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے تڑپ جاتے تو آپ کے والد کے مریدین اور شاگرد سنبھالتے۔ مولانا رومی اپنے والد صاحب کے زیر تربیت رہے اور انہی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کرتے رہے۔ علوم دینیہ سے گہرا شغف گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ ان کی تصنیفات میں مثنوی شریف، دیوان منظوماتی تصانیف اور ملفوظات (فیہ مافیہ) وغیرہ شامل ہیں۔

سید احمد ایثار نے محنت اور عرق ریزی کے ساتھ فارسی سے اردو نظم میں منتقل کر کے علم و ادب کی تاریخ میں اپنا نام درج کرالیا ہے۔ انھوں نے منظوم ترجمے میں اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ وہ کہیں اصل سے دور نہیں ہوئے ہیں۔ ایک ایک لفظ کا ترجمہ رواں، سلیس اور مطابق اصل ہے۔ ان کا یہ منظوم ترجمہ اردو داں طبقے کے لیے اصلاح و تربیت کا بہترین وسیلہ بنے گا نیز فارسی سے اردو تراجم اور فقہ و تصوف سے تعلق رکھنے والے طلبا کے لیے ''مثنوی مولانا روم'' مفید ثابت ہوگی۔

ISBN: 978-93-89612-07-3
9 789389 612073
NCPUL
New Delhi
Set for
ISBN: 978-93-89612-11-0
₹ 780/-
(Set)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025